

آئیاتفاہ پچھلا سال نورنگہ جھنڈا کے
اب سال نورنگی دو پچھلے آٹھ ماہ کے کیا لگے گا



جنوری 2015ء

پاک سوسائٹی



WWW.PAKSOCIETY.COM

خود کشی بمبار کے تقاب میں "سہمی تہلکہ جڑ کتاب کے مصنف

نو جوان صحافی **سید بدر سعید کی**

ایک اور معرکہ الآراء تحقیقاتی کتاب

عنايت اللہ

پاکستانی ادب میں (جرم و جاسوسی) کے بنیاد گذار

(فن و شخصیت)

کلمہ ہائی "عنايت اللہ" صحافت اور ادب کی زندگی کے اہم گوشے
کلمہ از نو رس کی ملازمت سے تفریح کی ایک نئی جگہ کی جہت سے تیار ہوا
کلمہ دوران قید سے عمر عینت اللہ کو ہر اس وقت کے جرم و جاسوسی کے واقعات
کلمہ احمد یار خان، ممتاز حسین، راجہ پت، انیسویں شخصیت
کلمہ طارق جمیل، سارنگ کے نام، انیسویں اور اسیں سال کا پتہ "عنايت اللہ" کے ادب و
کلمہ پاکستانی ادب (کراؤنگیشن) کا پہلی کون "انیسویں" یا "عنايت اللہ"
کلمہ عنايت اللہ ٹیل میں جرموں کی داستان میں لکھتے رہتے۔
کلمہ ٹیل میں لکھتے، راقی اور دیگر اہم رسوں اور جاسوسی کا لکھتے۔
کلمہ دستاویزات اور حوالوں کے ساتھ آئیہ تہلکہ جڑ ادبی تحقیق۔
کلمہ عنايت اللہ کی الٹی زندگی پہلی مرتبہ منظر عام پر۔
کلمہ عنايت اللہ کے چاہنے والوں کے لئے نایاب تحفہ۔

0304-4680814

0312-4030990

السید گروپ آف پبلشرز

توربین

پتھر شٹک نیس کہ کیا اور ان پر دیکھ کر اللہ ہی ہے جس نے
 آسمانوں اور زمین کو سچے دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا
 ٹھہرا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے
 پیچھے دہرتا چلا آتا ہے اور اس نے سورج اور چاند ستاروں
 کو پیدا کیا۔ سب اس کے کلم کے مطابق کام میں لگے
 ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق اسی کی ہے اور تم بھی (اسی
 کا ہے) یہ خدائے رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔

(الاعرافہ 54)

حکایت

ماہنامہ

جلد 44 نمبر مئی 2015ء شمارہ 05

بانی و نگران
عنایت اللہ
 شاہد بن عنایت اللہ

سرگودھا ایڈیٹنگ منسٹر

فضل رزاق
 عرفان جاوید
 شعبہ اشتہارات

خرم اقبال
 محمد اشفاق مومن
 کتب رنگ
 مجسید

پرائمری کمپیوٹر سولوشنز - لاہور

مدیر اعلیٰ: صاحبزادہ شہاب
 معاون: عارفہ محمود
 منتظم: سعید شاہد

قائم بنی شہزاد
 وقاش شاہد بیکر
 شعبہ اشاعتات: عامر
 میاں محمد امیر انجم خواجہ

مجسٹریٹ مشاورت
 اقبال بیلا عظمت فاروق
 نسیم افسانہ اور انجینئر نسیم
 ذکیہ فریدی ڈائریکٹوریٹ ایف
 ڈاٹ کام لاہور

0323-4329344
 0321-4615451
 0342-4790564
 0422-1547877

قیمت 80 روپے

پتہ: 26- پیالہ گراؤنڈ لنگ میکوڈ روڈ لاہور 042-37356541

monthlyhikayat44@gmail.com
 primecomputer.biz@gmail.com

مخبرین اور قلم کاروں کی فہرست

اس شمارے میں

صفحہ نمبر	موضوع
13	مقدمہ شہزادہ حسین کر کے
21	پاکستان کے مخالفین دشمن
26	ادیب و صحافی
33	اوتہ اوتہ سے
65	مسئلہ بزرگوں
97	مخالفین کا شمار
91	جسٹ بیٹو
209	پاکستان ایک مائٹن کیا 10
107	بارش پانی اور شراب
113	حرم و سزا
126	سولہ ماہی واد
122	کھیل بڑی
203	نصرہ
129	یہ تاریخ کا تازہ ہے
137	مکمل تراویح
158	مرتبہ اساتیب اور تیسرا
145	آبے لوگ
	عشر و مزاج
	پہلی
	تعلیمی اشریں
	معتضرت
	بانور
	ایک نکتہ ایک لہجہ
	پولٹا پتہ
	سرور کالی
	اطمین خیال
	قیامت محفول

اساتذہ کرام سے گفتگو

151	پروفیسر	سید اعلیٰ کھوسو
155	پروفیسر	حشمت علی
161	پروفیسر	محمد رفیق
168	پروفیسر	محمد رفیق
171	پروفیسر	محمد رفیق
191	پروفیسر	محمد رفیق
177	پروفیسر	محمد رفیق
193	پروفیسر	محمد رفیق
215	پروفیسر	محمد رفیق
220	پروفیسر	محمد رفیق
223	پروفیسر	محمد رفیق
30	پروفیسر	محمد رفیق
32	پروفیسر	محمد رفیق
80	پروفیسر	محمد رفیق
174	پروفیسر	محمد رفیق

دہشت گردی کے ناسور کے لئے عبرت ناک مزائیس ضروری ہیں

ہم وزیر اعظم پاکستان کے اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں جس میں انہوں نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی اپیل کو سسرور کرنے ہوئے دہشت گردوں کو تختہ راز پر لگانے جانے سے مزاحمت کا اظہار کیا ہے۔ اس سے قبل آری چیف جنرل راجہ شریف دہشت گردی کی سخت کوراج سے اٹھاؤ بھٹلنے کے عزم کا اعلان کر چکے ہیں۔ سابقہ پیشاور کے بعد گزشتہ دنوں آری ہیڈ کوارٹرز میں اہم اجلاس ہوا تھا جس میں سیکورٹی امور پر تہارت خیال کیا گیا اور نیشنل ایکشن پلان کے تحت فوج، انٹیلی جنس، ایکسپلوزیو گروا کا جائزہ لیا گیا اور آری چیف نے دہشت گردی کے خلاف واضح حکمت عملی پر سیاسی فیڈبک کو سراہا۔ اس موقع پر آری چیف نے کہا کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کی لعنت کو جڑ سے اٹھاؤ چھینیں گے، قوم کے اعتماد اور اتفاق رائے پر پورا تکیں گے۔ آری چیف نے نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد کے لئے منسلک حکام کو فوری اقدامات، جاہت کر ری۔ سیاسی قیادت کی جانب سے اصلاحات اور انتظامی اقدامات کا بل چھینیں ہیں۔ آری چیف نے ملک کو دہشت گردی سے نجات دلانے کے لئے سابق قیادت کے عزم کو سراہا۔ عوام کے اعتماد کو برقرار رکھنے کے لئے قومی اتفاق رائے کو کئی اقدامات میں مندرجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے دہشت گردی اور انتہا پسندی کی لعنت کو جڑ سے اٹھاؤنے کے لئے اپنے غیر جنرل مزاج کا اظہار کیا اور فوجی سیاسی قیادت کو خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ سیاسی قیادت نے بہترین جوش و جذبہ کا مظاہر کیا ہے اور انتظامی اقدامات اور اصلاحات کے ذریعہ ملک کو دہشت گردی کی لعنت سے بچانے کے لئے عزم کا اظہار کیا ہے۔

عدلیہ کے ذریعے دہشت گردوں کو ملنے والی سوت کی مزائیس پر عمل درآمد نہ ہونے سے نہیں دہشت گردوں کے نفوٹا ٹھکانے اور پناہ گاہیں بن چکی تھیں اور اپنے سر سے موت کا خوف ختم ہونے سے یہ اسلام ملک اور عوام میں دہشت گردانہ نظروں سے اٹھانے والے محفوظ ٹھکانوں میں بیٹھ کر دہشت گردی اور انتہا پسندی کے لئے منصوبہ بندی میں مصروف رہتے تھے اور نیت نہیں توڑنے اور اپنے نظروں سے دہشت گردوں کو بزرور

طاقت چھڑا لے جانے تک پہنچی جگہ تھی۔ تیل انڈیا سے کی گئی۔ پت نام خورد و بردوں انتظامیہ کی ذمہ داری میں نہیں رہی۔ بیرونی دہلیوں اور بیٹا برساتی کی تمام سہولیات میسر تھیں۔

سوت کی سہاراؤں پر عمل، ڈاڈا ڈاڈا کے اچلی گرنے والے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اپنے ملک اور
 میں مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی کو کمانے کے لئے آج تک ایک بھی اچلی نہیں کر سکے، جہاں کی بد حکومت
 باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہزاروں مسلمانوں کو قتل، جلاوطن کر کے اور گھبراہٹ جلاؤ کے ذریعے نسبت وناہو
 کرنے میں مصروف ہے۔

گزشتہ آٹھ سال سے ہزاری کمزور اور نوناہ نظریہ ایسی حکومتوں نے یورپی یونین کے واڈے تحت، عدویہ
 سے نئے والی سوت کی سہاراؤں پر عمل ڈاڈا سطلی کر ڈھا تھا اور پھانسی کی سہاراؤں سے بے گلابی نے بحرموں کی
 گردنوں کو مزید موٹا کر دیا تھا۔ وہ جیل کے سطلی کی ملی بھگت اور دوپے پیسے کے ذوق پر جس سے چاہے
 رابطے، ملاقاتیں کرتے، مگروں کے کھانے کھانے اور تیل کی محفوظ چارو پوری میں بیٹھ کر جرائم پیشہ گردوں
 کی سرپرستی کرتے، چوری ڈاکے اور قتل کی ڈاڈا سطلی کر دیتے اور جیلوں کے اندر دھاتے پھرتے تھے۔

ہاڈے بد قسمت ملک میں، جو لاکھوں آریزیوں کے بعد قائم ہوا تھا، اب غیر ملکی امداد، پانمان وٹمن
 طاقتوں کے ایجنڈے اور اسلام مخالف نظریات پر مشتمل ایسی سہاراؤں نہیں بلکہ ہزاروں نام نہاد سول سوسائٹیاں
 بھی، جو میں آچکی ہیں جو اس ملک کا لھائی اور اپنے سرپرستوں کے سٹن کھاتی ہیں اور جنہیں نہ صرف پرائی کی
 سہارا بلکہ تمام اسلامی تحریرات و مشابہت غیر انسانی اور دروہید کے مظاہر کے خلاف اور برعکس نظر آتی ہیں اور
 ان کے خلاف گلا جھاز پھاڑ کر زہندہ راہینا، مظاہرے کرنا اور ایسے نام نہاد مظاہروں کی ویڈیو بنا کر اپنے
 سرپرستوں کو "مزید فنڈز" کی اپیلوں کے ساتھ بھیجا ہائی زندگی کا ثبوت دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

بد قسمتی سے اب ہمارے ہرٹ اور انجینئرنگ میڈیا میں ایسی کانیاں بھجروں کی کوئی کمی نہیں، یعنی انہیں
 اپنے ملک کی ہر اچھی چیز میں خرابی اور دوسروں کی ہر خرابی میں بھی اچھائی کے پہلو نظر آ جاتے ہیں۔ ہر روز
 برساتی سینڈکوں کی طرح قائم ہونے اور دن رات ٹرڈا نہیں کرنے والے ٹی وی چینلوں میں کچھ ایسے بھی ہیں
 جن بے خبر توں کو عزت، شہرت اور دولت تو اس ملک نے دی ہے لیکن وہ ہر ڈراما ڈٹمن ملک کے ڈھانے میں
 فخر محسوس کرتے ہیں، جیسے "اس کی آشا"، "کون بے گاہ کر ڈاڈا"۔ حالانکہ اس ملک میں ہمارے کسی بھی ٹی
 وی چینل کا دیکھا جانا ناممکنات میں سے ہے اور پھر کون نہیں جانتا کہ ہمارے ملک میں ہر شہر گردوں کو
 تربیت، اسلحہ و گولہ بارود اور دوپے پیسے کون دے رہا ہے؟

اسی طرح چند معروف اردو اخبارات کے احساس کمتری کا شکار ایڈیٹرز صاحبان چند بھارتی میٹھوں نے

انگریزی کالموں کے تراجم سنا کر باضوری سمجھتے ہیں، حالانکہ ایسے کالموں میں پاکستان کے خلاف تعصب صاف محسوس کیا جاسکتا ہے اور ان بھارتی کالم نگاروں کو زہر مبادلہ کی صورت میں بھاری معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ ان کے برعکس ہم نے آج تک کبھی کسی انڈین اخبار میں کسی پاکستانی صحافی کا کالم سنا ہی نہ دئے ہیں۔

جہاں تک یورپی یونین یا اٹلینڈ کا سوٹ کی مزائیں ختم کرنے کے مطالبے کا تعلق ہے، تو وہ آج تک بنگلہ دیش میں محبت وطن پاکستانیوں اور بھارت میں حریت پسند کشمیریوں کی پھانسیوں کو رکوانے کے لئے، ان دونوں ملکوں پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکے۔ کیا ایسے ہر ناجائز دباؤ کے لئے صرفہ پاکستان ہی رہ گیا ہے! انہی گودے سناخ کے اس درد کو بھول چکے ہیں جب انہوں نے برصغیر پر قبضہ کرنے کے لئے لاکھوں انڈیا نائٹوں کو درختوں کے ساتھ پھانسی کے پھندے لگا کر بے رحمیوں کو اپنے وطن کی حفاظت کرنے کے جرم میں لٹکا دیا۔ چند سال قبل انسانی حقوق کے سب سے بڑے چیمپئن، امریکہ نے دہشت گردی کے جرم میں اپنے ایک سابق فوجی کو، جس نے "انہی جیم" کے ذریعے انکو ہاسٹل میں امریکی اٹھیلی جنس ادا دے ہی آئی اسے لے ہینے اور بزرگ تیار کیا تھا، ہر کرایہ لگا کر مرنے ہوئے، پوری دنیا کو دکھا دیا تھا۔ وہاں آج بھی الیکٹرک چیئر اور پھیلے انکیشن کے ذریعے سزائے موت جبراً رہے ہیں پاکستان میں دہشت گردوں، انسانیت اور اسلام دشمنوں و فتنوں، ہزاروں معصوم انسانوں اور بچوں کو ذبح کرنے والے قاتلوں کے لئے یہ سزا تیار ہو۔ انہیں تو سرعام لٹکا جانا چاہئے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

پاکستان کے سابق صدر ضیاء الحق کے دور میں ایک معصوم بچے کے قاتل کو جب سرعام پھانسی پر لٹکا کر دیا گیا تو کئی سال تک کے لئے انمواد قتل کی دادا نہیں ہو سکتی تھی۔

تہذا دہشت گردی کے ناسور کے خاتمے کے لئے عبرتاً کئی سزاؤں پر عمل درآمد ضروری ہے۔ جس طرح آج سیاسی اور فوجی قیادت کی سوچ ایک ہے، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے حکمرانوں کو کسی قسم کے اندرونی باہر دینی دباؤ پر پشور و دھمکیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے، عدالتوں سے سزائے موت پانے والے دہشت گردوں، قاتلوں اور انسانیت دشمنوں کو کال کول شعلوں سے نکال کر اور تھوڑا دیر پر لٹکا کر جیلوں کو ان کے ٹاپاک و جود سے جلد از جلد پاک کر دینا چاہئے تاکہ پاکستان کے عوام سکھ کی خیند سو سکیں، ورنہ آج کل تو لوگ اپنے گھر کے دروازوں پر محفوظ نہیں ہیں۔

اسلامی تقریرات کے بارے میں ارشاد باری ہے۔
 "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تک و ذکر کرنے پھر رہے ہیں

کرفساد برپا کریں، ان کی سزایہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان نے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، باوجود جلاوطن کر دیے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑی سزا ہے۔“ (سورۃ المائدہ: 33)

زمین سے مراد: ملک یا علاقہ ہے جس میں امن و انتظام کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لے رکھی ہو اور خدا اور رسولؐ سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلامی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔

موجودہ دور میں بھی دنیا میں سب سے کم جرائم سعودی عرب میں ہوتے ہیں کیونکہ وہاں صحیح اسلامی ضروریات نافذ ہیں اور کسی چھوٹے بڑے کا لحاظ کئے بغیر مجرموں کو نیساں سزائیں دی جاتی ہیں، جس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔

میں ابرہہ راہیم ظاہر

وقاص شاہد پر قاتلانہ حملہ

محترم عنایت اللہ مرحوم کے پوتے وقاص شاہد ایڈووکیٹ جو ”حکایت“ کے قانونی مشیر بھی ہیں کو نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ 24 دسمبر شام ساڑھے آٹھ بجے وقاص شاہد گھر کے باہر دوپڑوسیوں سے گفتگو کر رہے تھے تو اچانک دو موٹر سائیکل سوار ان پر فائرنگ کر کے فرار ہو گئے۔ وقاص شاہد کو تین گولیاں لگیں جس سے ان کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ وہ ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ قارئین سے اپیل ہے ان سنے سننے سے کامل صحت یابی کی دعا کریں۔ جزاک اللہ!

(ادارہ)

معصوم شہداء - راہ متعین کر گئے

قصہ نمبر

- دہشت گرد کون ہیں اور کہاں سے آتے ہیں؟
- روس کو بھگانے کے بعد مسلح قبائلی دہشت گرد بن گئے۔
- ماضی میں افغانستان میں پاکستان مخالف حکومت رہی۔
- اسرائیل، امریکہ، روس اور انڈیا کا پیسہ رنگ دکھا گیا۔
- مسلمان ہی مسلمان کو مار رہا ہے۔
- ضرب عضب نامگزیر ہو گئی تھی۔
- نائن الیون کے بعد حالات زیادہ بگڑ گئے۔
- اسلامی ایشی پاکستان کا تحفظ پہلی ترجیح۔
- دہشت گردوں کو پھانسی، راست اقدام ہے۔

☆.....afzaalmazhar@gmail.com.....افضال مظہر اعظم

خفی سے پابند تھے۔

ہر آنے والی پاکستانی حکومت نے لاکھوں کی تعداد میں ان قیدیوں کو اس لئے نہ چھینا۔ یہاں اسلحہ کی فراہمی ہونے اور اسلحہ کے کاروبار ہی وجہ سے یہ لوگ نکل سکتے تھے اور پاکستان میں اس علاقہ کو نشانہ کرنے یا ان کو بغیر قانونی کاموں سے روکنے پر ایک بڑی سخت مزاحمت کا خطرہ تھا جو کوئی بھی حکومت نہیں دیکھنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اور ملک کو لگاؤ میں دیکھ کر ان قیدیوں کو سرکاروں سے بیان بنوا دیے جاتے تھے کہ وہ پاکستان کی طرف دیکھنے والے کی آنکھ نکال دیں گے۔ حالانکہ یہ صرف بیادیت کی حد تک ہی تھا۔ ان قیدیوں کو تو اپنے باجائز کاروبار جاری رکھ کر بیسہ کمانے سے غرض تھی اور یہ قیدیوں کو پاکستان میں آنے والی حکومت نے ان کو دیا تھا، بھی پاکستانی حکام سے اچھے کی بھی نوبت ہی نہیں آئی۔

1979ء میں وہی قیدیوں افغانستان میں لپٹی لڑ پائی حکومت بنا کر افغانستان میں داخل ہو چکی تھی۔ یہاں سے کئی سیاسی لوگوں کو لے کر انگریزوں اور فریڈم فائٹرز نے روس کو اپنے ملک سے نکالنے کے لئے سخت جدوجہد شروع کی۔ اس وقت جنرل ضیاء الحق ملک کا اقتدار سنبھال چکے تھے۔ انہوں نے ان گروہوں کی ہر طرح سے فوجی و مالی مدد کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ مستقبل میں روس کے پیچھے جہم جانے کی وجہ سے پاکستان کو اگلا نشانہ بننے سے پہلایا جاسکے۔ لاکھوں کی تعداد میں اس جنگ سے متاثرہ افغانوں کو بھی ایک تو ہمسایہ ملک اور دوسرے مسلمان ملک ہونے کی وجہ سے پاکستان میں پناہ لینا پڑی اور آہستہ آہستہ پشاور سے لے کر کراچی تک کے علاقہ میں یہ افغانی پھیل کر رہائش پذیر ہو کر اپنے کاروبار، ملازمت وغیرہ میں مشغول ہو چکے تھے۔

امریکہ نے بھی پاکستان کو افغانوں کی مدد کرنے

پاکستان جب آزاد ہوا تو جس طرح سے یہاں چاہیواری اور سرکاری نظام ختم کرنے کی نئی نئی کوششیں نہیں کی اسی طرح سے قبائلی علاقہ کی حیثیت ختم کر کے اسے اپنی عملداری میں شامل کرنے کی ہمت کوئی بھی فوجی یا جمہوری حکومت نہ کر سکی۔ قبائلی علاقہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان آزلو قبائل کا علاقہ تھا۔ نہ ان پر پاکستان کا قانون لگا ہوتا تھا نہ ہی افغانستان کا۔

دو سو سال تک تو پٹویرا گروہوں کے قبضہ میں رہا تھا لیکن ایک اسلامی مملکت بن جانے کے بعد ان کو کھڑے اور نماز کے پابند لوگوں کو اسی مملکت میں شامل ہو جانا چاہئے تھا لیکن ہزاروں سال سے ان کا پیشہ ہر آہلے والے حملہ آور کے ساتھ مل کر لوٹ مار کرنا رہا تھا اور اسلامی مملکت کے قیام کے بعد بھی ان لوگوں نے اپنے اور قبائلی کا ہی لیبل چھوڑنے کو نہیں دیکھا اور غیر قانونی اور غیر اخلاقی فعل کرنے میں آزاد۔ کسی ملک میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے یہاں تعلیم، سڑکیں، ہسپتال وغیرہ قائم نہ کئے جاسکے تھے۔

ان کا کاروبار یا پیشہ ہر قسم کا باجائز اسلحہ، بیروٹوں، چوس کی سرنگوں تھا جس سے ان کی گزراوقات ہوا کرتی تھی۔ ہر سے ملک سے انہیں کئے ہوئے پیچے یا دیگر بھجے لوگ بھی یہاں پر ہی پہنچائے جاتے تھے اور تادان لے کر رہا کرائے جاتے تھے۔ چوری کی گاڑیاں بھی علاقہ غیر سے برآمد ہوتی تھیں اور سرنگوں کا سارا مال ہر قسم کی اشیاء یہاں سے ہی پاکستان اور افغانستان میں جاتی تھیں کیونکہ انہی سارے باجائز کاموں کی آمد کی وجہ سے یہاں عام لوگوں اور یہاں کے کرنا دھرتے بڑے خواتین کی سرورہی اور رعب و اب قائم رہتا تھا۔ تمام باجائز اور غیر قانونی کام کرنے کے علاوہ بحیثیت قوم یہ لوگ برصغیر کی دہریہ اقوام کی نسبت مذہبی شعائر نماز، روزہ، حج کے بھی

تھیں۔ ایسے میں القاعدہ نامی مذہبی منگرنی تنظیم نے
 مسلمانوں پر فتنہ و فتنہ دہشت گردی کے خاطر امریکہ اور دیگر مغرب
 سلطنتوں تک کے خلاف منگرنی سرگرمیوں میں ہند نہ کر دیا
 تھا جس کی لیڈر شپ اسلام آباد میں لاہور کے ہاتھ میں جس کو
 پوری دنیا سے لے کر افغانستان میں پناہ لینے والے۔ امریکہ
 نے چوری کو کوشش کی کہ اسکا بن لاہور کے ہاتھ آ
 جائے لیکن ایسا نہ ہوا۔ 2001ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر
 نیویارک میں دہشت گردی کے ہونے کا حادثہ میں
 3000 ہمدردوں کی ہلاکت کے بعد امریکہ مسلم دنیا پر
 ٹوٹ پڑا تھا اور ایک لاکھ فوج کے امراد افغانستان میں
 وارد ہو چکا تھا جہاں القاعدہ اور طالبان دونوں کی قیادت
 کئی ہو چکی تھی اور اپنے آپ میں ایک کے خلاف ترین علاقہ میں
 کھینچ گئی تھی۔ وہی افغانی جن کو امریکہ نے روس کے خلاف
 اسلحہ اور مالی مدد دل قبول کر دی تھی۔ اب اس پر طاقت
 کے مقابل آکھڑے ہوئے تھے۔

دیکھ کر سچے سپر ہارور کے تاثر کو قائم رکھنے کے لئے
 افغانوں کو ہر طریقہ کے جدید اسلحہ کے علاوہ ان کی ضمن
 مالی امداد بھی شروع کر دی کیونکہ افغانوں کے درمقابل
 ملک روس کھڑا تھا امریکہ کو بھی سب سے طاقتور ملین
 تھا۔ دھڑا دھڑا اسلحہ اور پیسہ کی فراہمی نے جنگ کے دنوں
 میں بھی قابو کو امریکہ کے رکھ دیا تھا۔ قبائلی علاقہ
 افغانستان اور پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا کا پتھر
 تہذیب زبان کے علاوہ وہ سب ایک ہی ہے اور علاقہ
 میں ہونے والے بڑے بڑے واقعات کے اثرات ان تینوں
 جگہوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ایسی ہی ہوں مذہبی
 گردچوں نے اٹت جہاز سے تعمیر کیا اور پاکستان کے
 علاوہ دیگر اسلامی ممالک کے عوام بھی بوق در بوق اس
 جہاز سے آ کر شریک ہوئے جس کی مالی معاونت اور اسلحہ
 کی فراہمی امریکہ نہ کر کر رہی تھی۔

امریکہ نے افغانستان میں اترنے کے بعد
 افغانستان کے تین چار اہم شہر کا بل بوتہ ہار اور ہرات فتح
 کر کے تقریباً پورے افغانستان کو اپنے ماتھے ل کر طالبان
 و القاعدہ کے خلاف ایک لمبی جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔
 پاکستان کو بھی اپنے ایسی ایساٹوں کو محفوظ رکھنے کے لئے
 دوسرے نظموں میں اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے
 امریکہ سے تعاون کرنا پڑا۔ اس دوران امریکہ کے سفین
 و غصب کا نشانہ بنے۔ ۱۰ لے طالبان کا نزلہ پاکستان کے
 مسلمانوں پر بھی گرنا شروع ہوا۔ آہستہ آہستہ فوجیت یہ آ
 گئی کہ طالبان بھی کئی گروپوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔
 امریکہ، انڈیا اور روس اور امریکہ کا پیسہ دیکھنا ہوا تھا۔
 ساری روپے پیسے کی گیم تھی۔ ہزاروں سال سے روپے
 پیسے پر سرٹنے والے قابو کی انجم پاکستان دین
 ممالک کے ہاتھ تھی۔ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کون کس سے
 باتوں میں کھیل رہا ہے اور کون کس کو کس سے متعلق کر۔

بہرحال افغانوں نے امریکہ اور پاکستان کی مدد
 سے ڈیڑھ لاکھ روسی فوج کو اپنے علاقہ سے کھل جانے پر
 مجبور کر دیا تھا۔ یہ 86-88ء تک کھلی ہو چکا تھا اور
 اس کے بعد افغانستان میں دوبارہ امریکہ کا دورہ
 شروع ہو چکا تھا اور بڑی طاقتیں نہیں جانتی تھیں کہ کوئی
 ایسی مذہبی گروپ یہاں طاقت چکر سکے۔ دس بارہ سال
 یہاں خانہ جنگی رہی جس کے بعد پاکستان کی آئی ایس
 آئی کے تعاون سے ملا عمر کی قیادت میں طالبان گروپ
 یہاں برسر اقتدار آ چکا تھا جس نے یہاں پانچ سال تک
 مضبوط حکمت قائم کی اور افغانستان میں بدامنی اور جرائم
 کو قائم کر کے شریعت پر مبنی نظام قائم کیا۔ پاکستان نے
 علاقے میں امن کی خاطر اور اپنے حق میں لاکھوں افراد پر
 مشتمل اس نولہ کی اس لئے حمایت کی کہ اس سے پہلے
 بیٹے افغانستان میں پاکستان مخالف حکمران ہی
 برسر اقتدار رہتے تھے اور روس کے ہاتھوں میں کھینچتے تھے۔
 اس دوران پوری دنیا میں اسلامی تحریکیں تیز ہو گئی

ان کے ذہنوں میں بڑا اہم و باہمیہ کہ بڑا لوگ کافر ہیں کا
سانھ سے رہے ہیں اور غیر جو کام کر رہے ہو وہ اللہ کی
خوشنودی کے لئے ہے۔ اگر تم بھرمو گھا کر کے دفت
ملاک ہو جانے ہو تو خیر جنت میں جاؤ گے۔ مگر والوں کی
فرمان نہ گناہ نہیہا سے اہل و عیال کو اپنی ذمہ داری جانے
تو جوان کی فلی سنوں تک کے لئے کافی ہوگی۔ اس لائی
اور واقعی خلفشاری بیہت سے تو جوان بننے کے پانچل میں
بچھن جاتے۔ دھماکے کرنے والے خود تو اپنی جان فریاد
کر دیتے لیکن دھماکے کرنے والے بے گردوبہ نمودار اور
ہم نہاد مذہبی اور فحاشی ایڈیٹروں کو اسلام دشمن سونے میں
قول دیتا۔ جیسے بے دوشہ تھی بڑی کئی کئی گردوبہ دھماکوں
خزیر کاوی کے لئے سید ان میں آئے۔

جزائر و اہل شریف موجودہ چیف آف سٹاف نے
ان ملک دشمنوں کو بیٹھایا۔ باگوان حرکاتوں سے باز آجائے۔
انہوں نے ہمیشہ لئے لئے اس سنگین جرم تو گناہ دینے کے
فیصلہ کیا تو ایسے ناصر پر مضبوط ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر کے
18 کروڑ عوام ہنسے بولنے والے اس سنگین مذاق کا قلع
فتح کر کے کا تیرہ کیا کہ چند لوگ آ کر دو جنوں معصوم اور
بے گناہ عوام کو قتل بنا رہے ہیں۔ حساس نوعیت کے
مقامات پر تخریب کاری کر رہے ہیں۔ اس کے لئے ان
کے منشی یعنی قلمی قلمی علاقے پر مشتمل طاقت شامی اور سرستان
میں قائم ان کا مضبوط میت درک پوزڈ نے ادبہ کرنے کا
عزم کیا جو اس سے پہلے کسی بھی دوسری حکومت کے دور
میں انہی خوف مطلقوں اور سیاسی مفادات کی وجہ
سے نہیں کیا جا رہا تھا۔

فحاشی علاقوں اور خیر بختو خزا کے سر بھرے
مولویوں نے کبھی شریعت اور کبھی جہاد کے نام پر لوگوں کو
سلیخ کرنا شروع کیا۔ حالانکہ یہ وہ نازک وقت تھا جب
بڑی طاقتیں اور اسلام دشمن عناصر واحد اسلامی ملک
پاکستان کے دشمنی طاقت بننے کے بعد اس کے دوے ہو

ہے؟ اے آگناک اور شرم سے خرف کرنے والے
مافعات اور حادثات مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہے ہیں۔
مسلمان ہی مسلمان کے خون سے ہاتھ دھو رہے ہو گے۔
مسلمان ہی مسلمان کے خون کا پیمانہ بنا ہو گیا۔

ایک گردوبہ اپنے آپ کو درست ثابت کرتا اور
دوسرا اپنے آپ کو سچا کہتا۔ ان کے ذہن میں یہ سیدھی
سادہ بات نہیں آتی کہ 57 مسلم ممالک کی واحد انہی
طاقت واحد مسلمان ملک پاکستان کو نقصان پہنچے گا تو عام
اسلام کو نقصان پہنچے گا۔ غیر مسلم ہی تو جانتے ہیں عرصہ
دراز سے وہ ہمیں کراہتیں کراہتیں کراہتیں کرتے جا رہے
ہیں۔ انہوں نے ہوا و کیا بگاڑا ہے ہم خود ہی ایک
دوسرے کے گلے کاٹ کر اسلام دشمنوں کا ہائیڈرو ہمار
کرتے جا رہے ہیں۔

طالبان کے اس دوران درجنوں گردوبہ وجود میں آئے
چکے تھے اور اسلام دشمن یا پاکستان دشمن کی ممالک انہیں
استعمال کر کے پاکستان میں تخریب کاری کے لئے
استعمال کر رہے تھے۔ ویسے تو بارہا پیش اور ظاہر اشریت کا
لہا وہ اڑھے ہوئے تھے لیکن روئے جیسے کے لئے اسلام
دشمن عناصر سے مل کر مسلمانوں کی عقلم طاقت پاکستان کو
کمزور کرنے کے تاہاک منصوبے پر عمل وادہ کر رہے
تھے۔ جنرل شرف اور سابق آرمی چیف جنرل کبانی کے
دور میں ان گردوبوں کی طرف سے حساس نوعیت کے
مقامات پر حملوں کے علاوہ عوام الناس پر حملوں کا سلسلہ
شدت سے جا رہا تھا۔ حملوں کے دوران خواتین، معصوم
بچوں پر بڑے بوڑھوں کو جس بے دوشی سے سرعام اور
مساجد میں مارنے کا ایسا مذموم سلسلہ شروع ہوا جو اسلام
دشمن عناصر نے بھی نہ کیا ہوگا۔

چھوٹی عمر کے ناپختہ ذہن کے نوعمر لڑکوں،
نوجوانوں کو دوغلا کر اور ان کی برجن واپس کر کے
معاکوں اور نارگت کھنگے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔

دیے۔ بڑی طاقت کا مقابلہ ہمیشہ بڑی طاقت پر کرتی ہے۔ طاقتور پہلوؤں کے بچوں میں جس طرح طاقتور پہلوؤں ہی بچے ڈال سکتا ہے۔ دوسرے مسلم ملک کے حکمرانوں نے وقت کا تقاضا جان کر اور نازک ترین حالات میں اس موقع پر اپنی طاقت کو بچائے رکھا۔ دوسرے لفظوں میں اپنے ممالک میں ہونے والی جاتی سے بچائے رکھا۔ پاکستان، ایران اور سعودی عرب ان اہم ممالک میں شامل ہیں۔ یہ آنے والے وقت نے ثابت بھی کیا۔ 2001ء کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سپر طاقت کی یہ سب سے بڑی ٹکنجی مہم بھی جس میں 26 ممالک کے ایک ہاتھ سے ڈاکٹرونی ہزاروں میل دور افغانستان اور عراق کی سرزمین پر اتر چکے تھے۔

57 ممالک کی ایٹمی قوت کا تحفظ

پاکستان 157 اسلامی ممالک میں واحد ایٹمی طاقت بنے جو ایٹمی طاقت بننے کے بعد امریکہ، یورپ، اٹلی یا اور ایٹمی قوت کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چمکتا ہے۔ نان ایٹمی ممالک کے بعد امریکہ کو اس کی برسرِ ایٹمی افغانستان میں ایک لاکھ فوج لے کر آنے کا دور موقع میسر آ چکا تھا۔ افغانستان میں امریکہ کا مطلوب ترین شخص (Most Wanted Man) اسامہ بن لادن چھاپا ہوا تھا۔ جہاں طالبان کی حکومت اسی کو چناؤ دینے ہوئے تھی۔ امریکی فوج کے آپریشن کے بعد طالبان یا القاعدہ کے ارکان کا پاکستان کے قبائلی علاقہ یا متصل صوبہ میں فرار ہو کر آتا قدرتی امرتھالیٹین اپنے ملک کو خطرات اور نازک حالات سے دوچار ہونے سے بچانے کی خاطر ان مسلکی تنظیموں یا دہشت گردوں کو یہاں آنے سے روکنا یا ان پر ہاتھ ڈالنا ضروری تھا۔

پاکستان ایٹمی طاقت ہونے کے علاوہ دنیا کی پانچویں بڑی فوج، اٹھارویں اور بحریہ بھی رکھتا ہے۔ اس کا

جنگی تھیں اور یہاں افراتفری، تخریب کاری اور لاقانونیت کو فروغ دینے والے ہر شخص، گروہ اور جماعت پر روک پڑنے کی بارش کر رہی تھیں تاکہ پاکستان ایٹمی طاقت بننے کے بعد اپنے بیرونی پر نہ کھڑا ہو سکے۔ معاشی مسائل اور قرضوں کے بوجھ تلے دبا رہے۔

یہاں بھانت بھانت کی بونی بولنے والوں صوبائی قوم پرست جماعتوں، فرقہ واریت پھیلانے والی جماعتوں اور ظاہر شریعت کے نام پر مسلح جدوجہد کرنے والی لیکن اصل میں ایٹمی اسلامی طاقت کو کمزور کرنے اور گھیراؤ جاوا کرنے والی جماعتوں کی راہیں پیہ پیہ سے برہمن امداد کی جائے اور جب ریاست ان کی آواز دینے یا ملک کی سیکورٹی پر مامور ادارے ان پر سختی یا کٹھنوں کرنے لگیں تو جمہوریت اور انسانی حقوق کی آواز میں واہیا پیا گیا جائے۔ اسی لئے کئی صوبائی فیصلے ایٹمی بھی صوبائی تھے اور بھی مشکل گروپ، لشکر اسلام، دہشت گردانہ سامنے آتے رہے۔ طالبان بھی پاکستانی تحریک طالبان، محمود اللہ گروپ، جند اللہ، خاندانِ خراسانی گروپ اور کئی فرقہ واران تنظیمیں اسراہلی کی سیاسی اور فوجی تنظیموں کی قیادت پرست جماعتیں بلوچ لبریشن آرمی پر ہار گئے ملک میں ٹوٹ ہو کر غوام کے خون سے ہونی چھلکی رہیں۔ صرف کراچی شہر جہاں ملک کا 40 فیصد کاروبار اور انڈسٹری ہے کو آٹھ ممالک تخریب کاری کے لئے فہمگد کر رہے ہیں۔

مسلمانوں پر ایٹلا کا دور

بین الاقوامی کے بعد دنیا کی بڑی سپر پاور کا سربراہ خارج پیش مسلم ممالک اور مسلمان عسکری تنظیموں پر دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر اس طرح سے نوٹ پڑا گویا یہ کوئی صلیبی جنگ ہو اور آکر دکھانے والے ممالک افغانستان اور عراق (صدر صدام) کو تہ تیغ کر کے رکھ

امریکی فوج کے انخلا کا وقت

یہ وہ وقت تھا کہ جب 13 سال تک افغانستان میں برسرِ کار امریکی فوج واپس جا رہی تھی۔ اسے واپس جانے دیا جاتا۔ امریکی بائیس فورسز کے انخلا کے وقت فورسز ہی اور ہم دھماکوں کی دہشت و جہالت ہو سکتی ہیں۔ ایک تو پاکستان جیسے ملک میں بھی اتنی ہی، انفرانٹری کے سے حالات پیدا کر دیے جائیں کیونکہ اس وقت کئی مذہبی اور عسکری گروہ پاکستان دشمن ممالک اٹھ باؤ اور اسرائیل کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی سپہ لے کر یہ کام کر رہے ہیں۔ دوسرے امریکہ بھی جیسا چاہے گا کہ اس کی فوج کے انخلا کے بعد طالبان کی طاقت بھی تیز ہو جائے لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اصل طالبان کون ہیں اور کون؟ اسیے طالبان اور نہ طالبان کی تخصیص ختم ہو چکی ہے۔ اس وقت صرف اپنے ملک دنیا کی، آمد انہی طاقتوں، جیسا سر فہرست ہے اور پاکستان کو بنانے تک لے یعنی جی فہرست اور جی پڑے مہنگا سوانہیں ہے۔

معصوموں کی قربانی راہ متعین کر گئی

پشاور میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرنے والے 132 معصوم شہداء اور ان 19 سالہ اور فوج کے غیر مسلح کزنوں، باپا، دادا، شہادت مدوں لوگوں کو زانی رہے گی۔ اگر ہم اپنے شہریوں میں جھانک کر دیکھیں تو یہ شہریوں کی حقیقت نظر آئے گی کہ مسلمانوں کو ہمیشہ غداروں سے مراد رہا ہے۔ سناہ، لیبیا، مصر، پاکستان، عراق میں مسلمان ہی مسلمان کے خون سے ہولی میل رہا ہے۔ مسلمان ہی مسلمانوں کے خون کا چہا سا ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں کا کام ہم خود ہی نہ مانے دئے ہیں۔ ان کے اسلام دشمن اور مسلم کش پروگرام میں ہم

اس وقت امریکہ کا ساتھ نہ دینے کو مطلب امریکہ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف تھا گویا اپنی ہی مادی۔ اس وقت کی اعلیٰ فوجی قیادت نے حکمت عملی سے ملک کو ان خطرات سے بچانے کے لئے پھونک پھونک کر فوج رکھا کیونکہ اس کے پیش نظر 18 کروڑ مسلمان عوام تو سنی ہی، ایشیائی اٹانے اور برزائل ٹیکنالوجی کو بچانا بھی اہم ترین فریضہ تھا۔ جنرل مشرف حکومت، اپنے ملک، اس کے ایشیائی اٹانے بچانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ نہ ہی لوگ جذباتیت میں مبتلا و ڈرلہ ہے کہ جس نے بھی مسلمانوں کو بچانے یا ایشیائی مضبوط بنانے کی خاطر کربکبا برہمی کے خلاف ہو گئے۔

سلفان صلاح الدین ایوبی کا دور اور بارزکی میں اپنی قوم کو نیست و نابود ہونے سے بچانے والے کمال انہی ترک کاروں، بلکہ بنانے والی عظیم شخصیت قائد اعظم جنرل ذہبی جنونی اپنے اوپر مذہب کا لہاؤ اور کراہنے آپ کو سچا اور ان تمام اسباب کو غلط ثابت کرنے کے لئے میدان میں اترتے۔ یہی حال طالبان، القاعدہ اور جس قسم کی دیگر مذہبی عسکریت پسندوں کا تھا۔ انہوں نے اپنے سے وابستگان کے ذہن میں ڈال دیا تھا کہ جو کافر کا ساتھ دیتا ہے وہ اسی کا ساتھی ہے۔ اسی لئے چھوٹی عمر کے بچے ذہن کے نوجوانوں کی برہنہ داشتہ کر کے وہ مسلسل تیز چورہ سال سے اس ملک کے مہم جوئیوں، خواہ مخواہ، بڑھوں، جرانوں کو ہم دھماکوں سے اترانے کی مذہبی حرکات میں ملوث ہونے رہے۔ انہوں نے عقل و شعور پر جذباتیت اور جنونیت سوار ہونے کی وجہ سے یہ نہیں سوچا کہ مسلمان ممالک کے پوری دنیا سے نگر لینے کی وجہ سے امریکہ سے نگر لینے کی وجہ سے جہاں صرف مسلمانوں کی ہی ہوگی کیونکہ سپر پاور امریکہ سے خود ہی اور نئی اور نئی پاور چین بھی نگر لینے لے سکا چھوٹے ممالک کی حیثیت نہا تھا ہے۔

دل میں بغض تھا اور وہ دوقطی پالیسی چل رہے تھے۔ اسی سو یہ خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ خٹک ان آٹھ لاکھ ساڑھین کھسٹون کے سنبھالنے کی بجائے لاؤ فلنگ، پروٹوکول اور سینکڑوں سیکورٹی اہلکاروں کے جلو میں اسلام آباد ہر دوسرے روز پہنچتے رہے۔ دھڑوں اور جلسوں کے لئے ہزاروں کی تعداد میں پولیس و دیگر سیکورٹی اہلکار تعینات کرنے پڑے۔ ملک کی تمام اعلیٰ جنس انجینئریوں کی نظریں اور توجہ انہی دھڑوں پر لگی۔ پورے ملک کا سینہ با سچ سے شام تک دھڑوں کی خبریں دے رہا تھا اور نمائش بین اور چسکے لینے والی قوم کا ہر فرد سچ سے لے کر شام تک ٹی وی سکرین پر نظریں جٹائے بیٹھا تھا۔

اُس دور کی با تازہ ہو گئی جب بغداد کے چوراہوں میں عالم حضرات بیٹھ کر مناظرے اور بحث مباحثہ کیا کرنے لگے تھے۔ ملک کی کوئی ٹکر نہیں تھی۔ آخر ہلاک و مذابا لگی بن کر آباد اور بغداد کی اہمیت سے اہمیت بجا دئی۔

سلمان علی ان کی عداوت کر رہے ہیں۔

پہلی حکومتوں کی مصلحتوں، سیاسی مفادات اور خوف کی وجہ سے چھوڑے جانے والے آپریشن کو وجود اور آرمی چیف جنرل رائل شریف نے ضرب منسوب نہ نام سے شروع کرنے کا اعلان کیا تاکہ اپنے ملک کو روز روز کے بم دھماکوں، ٹارگٹ کلنگ اور انسانیت کش اقدامات سے محفوظ رکھا جاسکے۔ ان ملک کی سیاسی فسادات، مذہبی اور سیاسی نیڈروں نے ہم دلی سے اسے قبول کیا۔ ان مذہبی اور سیاسی لیڈروں کے دلوں میں بھی حکومت تھا۔ ان کا اند اور باہر صاف نہیں تھا۔ ان پر خوف بھی سوار تھا۔ ووٹ یا سیاسی مفادات کی خاطر ان کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ ہشت گردوں کے بارے میں حقیقت سامنے لائیں۔

8 لاکھ افراد کو آپریشن سے متاثر ہو کر گھر بار بھی چھوڑنا پڑا لیکن سیاسی و مذہبی جہاتوں کے لیڈروں کے

بہ



R.T.M. 370796

ڈائریکٹرز، الیکٹریکل موٹر، برقی مدالی، واشنگ مشین، گیس ایپلیٹس، روم کولر

کال کسٹمر سروس: 0300-363333

Email: master_0613@yahoo.com/ hotmall.com

پٹنہ والی ایسی ہی اوز بھی چند لوگوں کو لے کر آؤ۔
کر مظاہرے کر کے اپنا ٹمک حلال کرنی نظر آئیں۔

پندرہ لوگ آپ کے ملک کے شہریوں کو تو موت کی
ٹھکانے اتار رہے ہیں، موصوم بچوں کو ذبح کر رہے ہیں
لیکن آپ نے ان عزموں کو کھنڈ کر کے سمجھایا ہوا ہے۔
امریکہ جو پرمختیافت ہے اور جمہوریت کا چہرہ بھی بنتا ہے
ہزاروں میل دور سے دہشت گردوں کو ختم کرنے کی آڑ
میں گزشتہ 13 ماہ سے افغانستان میں مصروف عمل ہے
کیونکہ اسی کے مفادات کا یہی مقناض ہے۔

انڈیا نے آزادی پسندوں کی سرکوبی کے لئے
اڑھویں کی تعداد میں اپنی فوج مقبوضہ جموں و کشمیر میں
قیادت کر رہی ہے۔ اگر پاکستان بھی کراچی سے پشاور
اپنی فوج دہشت گردوں کا قلع قمع کرنے کے لئے قیادت
کرتی ہے تو یہ 18 گروڑ پاکستانیوں اور ملکی معاشی کے
لئے اٹھایا جانے والا اہم اقدام ہوگا جس کو ملک کے تمام
عوام کی حمایت بھی حاصل ہے۔ دہشت گردی، مارگت
تلگ کے ذریعے عوام الناس کو بے گناہ اور بلاوجہ ہلاک
کرنے والے عناصر کے خلاف یہ آپریشن بلا امتیاز کراچی
سے لے کر پشاور تک ہونا چاہئے اور اس میں کسی کے
سیاک یا مذہبی اثر و رسوخ یا پشت پناہی کا خیال نہیں رکھنا
چاہا جائے۔ انکم این اسے، انکم ہی اسے اور دوسرے بااثر
اور غیر قانونی کام کرنے والے افراد جرم گارڈز وغیرہ
رکھتے ہیں یہ آپریشن ان کے خلاف بھی ہونا چاہئے کیونکہ
یہ سارے مافیاز ایک ہو کر مضبوط ہونے کی وجہ سے اپنے
خلاف آپریشن کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ مجرم صرف مجرم
ہے خواہ کوئی بھی چھوٹے یا بڑے خاندان کا فرد ہو یا اس کا
تعلق کسی بھی سیاسی یا مذہبی گروہ سے ہو۔ تبھی اس ضرب
مضبب آپریشن کے مثبت نتائج سامنے آسکیں گے۔



ہیروان ملک سے ریگوت کشمیر، است پٹنہ والے
سلسلہ طاہر القادری بھی گروڑوں رو پٹنہ لے کر تھینڈر میں
بیٹھ کر ہر گروں کی روٹی بڑھانے آچکے تھے۔

پشاور صوبہ پنجو ٹھوٹا کا اہم شہر ہے نہ ملنی تاریخ
کے اہم فوجی آپریشن ضرب المفسد سے متاثر ہونے لگا تھا اور
اس آپریشن کا روٹل اس شہر میں خراب کاری کی صورت
میں آسکتا تھا۔ اس شہر میں صوبائی حکومت اور سے نہ بدو
سیکورٹی کے انتظامات کرنا چاہئے تھے کیونکہ سیکورٹی پر اس
سے پہلے بھی ملے ہوئے تھے ہیں لیکن یہاں نا اہل جوانی
ٹھکے لگانے کے لئے ہر روز اسلام آباد روانہ ہوتے رہا اور
اس ہارنگ موٹو پر اپنے صوبائی رئیسوں کی توجہ نہ دینے کی
وجہ سے موصوم بچوں کو اپنی تعداد میں گھسیٹنے کے کا نتیجے
سائبروں ہوں ہونی، بھیس پال قوم اور قوم کے آنکھ اور
کان کے دھو۔ کرنے والے سینڈے، بے گناہوں
شاہ اپنے، پر نفس و دانش کا پھیل چوہے و شہریوں کو اس
انداز سے دکھا رہے تھے گویا کوئی ملک نہیں ملک پر حملہ
کرنے جا رہا ہے اور مار چلا کر سڑکیں بند کرنے اور
ایسا نہیں روک کر شہر کو زبردستی بند کرایا جا رہا ہے۔

قوم کی بے کسی، مینا کی دہشتی لیڈروں کی ممانعت
کی وجہ سے سرعام لوگوں کو مارنے والوں کو کینڈر گروڈر تک
پہنچانے کا کام عرصہ دراز سے لگا ہوا تھا۔ فوجی جرنیلوں،
عام سپاہیوں، خواتین، موصوم بچوں کو مارنے والوں، بیہ
دماغے اور مارگت تلگ سے توام کوشتان بنانے والوں،
عدالتیں موت کی سزا سن رہی تھیں لیکن ساتھ ہی اس پر عمل
درآمد بھی نہیں کیا جا رہا تھا جس سے دہشت گردوں کا
حوصلہ بڑھتا جا رہا تھا اور ملک کے شہریوں کا جانلی دانی
نقصان ہو رہا تھا۔ کئی کوئی سیاسی جماعت، کئی کوئی مذہبی
تعلیم اپنے مجرموں کو بچانے کے لئے تھیراؤ باڈوں کی دھمکی
دیتی۔ جو ملی تنظیم نے سزائے موت دینے ہانے پر
اقتصادی امداد بند کرنے کی دھمکی دے رکھی تھی۔ اس کی

بین الاقوامی سائنس دان پاکستانیہیات



☆ 0345-8599944, 0301-3005908 گزرا راختر کا تقیرری

گزشتہ سال سے پاکستانی فوج اور آئی آئی کے خلاف عالمی سائنس دانوں کی طاقتور فوج کے خلاف اس لیے بے شک پاکستان کے وقار کے اعتبار سے پاکستانی فوج بڑی موثر فوج ہے اور آئی آئی کے خلاف تیار کی جاتی ہے ان کو کام چاہئے پاکستان کے خلاف تیار کی جاتی ہے ان کو کام چاہئے ہے۔ اس لیے عالمی فوجوں ان کے خلاف ہیں مگر ہر جعفر اور صحیح عداوت عالمی فوجوں سے پیسے لے کر پاکستانی فوج اور آئی آئی کے خلاف کا کارائی کر رہے ہیں۔ ان میں سیاسی شخصیات بھی ہیں اور سینہ پھینکے ہیں۔ سیاسی لوگ ہوسکتا ہے کہ کبھی کہہ دیا کہ کسی کے خلاف کام کر رہے ہوں۔

گزشتہ سال سے پاکستانی فوج اور آئی آئی کے خلاف عالمی سائنس دانوں کی طاقتور فوج کے خلاف اس لیے بے شک پاکستان کے وقار کے اعتبار سے پاکستانی فوج بڑی موثر فوج ہے اور آئی آئی کے خلاف تیار کی جاتی ہے ان کو کام چاہئے پاکستان کے خلاف تیار کی جاتی ہے ان کو کام چاہئے ہے۔ اس لیے عالمی فوجوں ان کے خلاف ہیں مگر ہر جعفر اور صحیح عداوت عالمی فوجوں سے پیسے لے کر پاکستانی فوج اور آئی آئی کے خلاف کا کارائی کر رہے ہیں۔ ان میں سیاسی شخصیات بھی ہیں اور سینہ پھینکے ہیں۔ سیاسی لوگ ہوسکتا ہے کہ کبھی کہہ دیا کہ کسی کے خلاف کام کر رہے ہوں۔

مگر سماج کی طرف سے دہشت گردانہ بھی اس موقع سے جبر و فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے نہیں ہے

ایک سیاسی جماعت کے ذریعہ انہوں نے گزشتہ پانچ سالوں سے مختلف ممبران قومی اسمبلی میڈیا اور مختلف ذہنی فن اوز کے ذریعے قومی سلامتی کے اداروں کو نشانہ بنا کر شروع کر رکھا ہے۔ وہ فوج جو بیرونی خطرات کے ساتھ ساتھ اندرونی طور پر دہشت گردی کا شکار بھی اور ہے۔ اس کے خلاف نئی نئی روٹیں پھیلنے لگی ہیں۔ ایچ او اور دولت کے پیڑوں کے ذریعے دشمنوں کے کئی

دیکھو کہ پاکستان میں داخل کیا گیا جنہیں پاکستانی کنٹرول ڈیپارٹمنٹوں سے کھینچیں گے یا نہیں۔ ایسے پابندی کے ذریعوں لوگوں کو بڑے جہاد کے لئے بھیجتے ہیں۔ اس وقت کچھ اہم شخصیات کے ذریعے دہشت گردوں سے بھی متکڑوں دشمن کے ایجنٹوں کو پاکستان میں داخل کیا گیا۔ جن کی مثال ریمنڈ ڈیوین اور اس کے ساتھیوں کی سب کے سامنے ہے۔ لہذا بڑا معاملہ جس کے کھرب پیسے فراہم کرنے کے تمام کاروبار بیرون ممالک میں ہیں اور جن کا بیشتر سرمایہ غیر ملکی بینکوں میں ہے۔ وہ اپنا سرمایہ پاکستان نہیں لاتے ہیں وہ غیر ملکی پارٹنریٹیاں بنانے پر توجہ دیتے ہیں۔ ایک طرف وہ 50 ارب ڈالر کے غیر ملکی جن میں سے 35 ارب ڈالر عوامی ہے جو یہ چین کے پراجیکٹس پر خرچ ہوتے ہیں کوئی چیز ہے۔

دوسری طرف مغربی ممالک کے دباؤ اور کچھ بااثر دوستوں کی وجہ سے پاک ایران کس منصوبے کو تائید دینا شروع کر رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ ملین ڈالر میں وہ پائپ لائن خود تعمیر کر کے دیں کیونکہ اہم امریکی دباؤ اور پابندیوں کے ذریعے وہ جہاد سے ایسا نہیں کر سکتے۔ مغربی ممالک اور بھارت کو یہ ذرا ہے کہ یہ پائپ لائن تعمیر کرنا راستے سے چین چلے جائے گی۔ اس لئے وہ اس راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔

1- یہ دنیا کی کونسا ک ترین دہشت گردوں میں ہے۔
2- اس نے جہادوں کو کونوں کو اور انے عدالت نقل کر دیا ہے۔

3- جہادوں لوگ اس نے لاپتہ کئے ہوئے ہیں۔

4- یہ شہر کے مجاہدین کو منسکری تربیت دے کر ہندوستان کے خلاف لڑا رہا ہے۔

5- سسٹہ کشمیر اور بھارت کے ساتھ دوستی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

6- اس کی ایجنسیاں قانون سے بالاتر ہیں اور کسی کو جواب دہ نہیں ہیں۔

7- USSR کے خلاف جہاد میں جہادوں کی انہوں نے مدد کی اسے گھنٹہ کی اور اسے کو اور کچھ

دیکھو کہ پاکستان میں داخل کیا گیا جنہیں پاکستانی کنٹرول ڈیپارٹمنٹوں سے کھینچیں گے یا نہیں۔ ایسے پابندی کے ذریعوں لوگوں کو بڑے جہاد کے لئے بھیجتے ہیں۔ اس وقت کچھ اہم شخصیات کے ذریعے دہشت گردوں سے بھی متکڑوں دشمن کے ایجنٹوں کو پاکستان میں داخل کیا گیا۔ جن کی مثال ریمنڈ ڈیوین اور اس کے ساتھیوں کی سب کے سامنے ہے۔ لہذا بڑا معاملہ جس کے کھرب پیسے فراہم کرنے کے تمام کاروبار بیرون ممالک میں ہیں اور جن کا بیشتر سرمایہ غیر ملکی بینکوں میں ہے۔ وہ اپنا سرمایہ پاکستان نہیں لاتے ہیں وہ غیر ملکی پارٹنریٹیاں بنانے پر توجہ دیتے ہیں۔ ایک طرف وہ 50 ارب ڈالر کے غیر ملکی جن میں سے 35 ارب ڈالر عوامی ہے جو یہ چین کے پراجیکٹس پر خرچ ہوتے ہیں کوئی چیز ہے۔

دوسری طرف مغربی ممالک کے دباؤ اور کچھ بااثر دوستوں کی وجہ سے پاک ایران کس منصوبے کو تائید دینا شروع کر رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ ملین ڈالر میں وہ پائپ لائن خود تعمیر کر کے دیں کیونکہ اہم امریکی دباؤ اور پابندیوں کے ذریعے وہ جہاد سے ایسا نہیں کر سکتے۔ مغربی ممالک اور بھارت کو یہ ذرا ہے کہ یہ پائپ لائن تعمیر کرنا راستے سے چین چلے جائے گی۔ اس لئے وہ اس راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔

1- یہ دنیا کی کونسا ک ترین دہشت گردوں میں ہے۔
2- اس نے جہادوں کو کونوں کو اور انے عدالت نقل کر دیا ہے۔
3- جہادوں لوگ اس نے لاپتہ کئے ہوئے ہیں۔
4- یہ شہر کے مجاہدین کو منسکری تربیت دے کر ہندوستان کے خلاف لڑا رہا ہے۔
5- سسٹہ کشمیر اور بھارت کے ساتھ دوستی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔
6- اس کی ایجنسیاں قانون سے بالاتر ہیں اور کسی کو جواب دہ نہیں ہیں۔
7- USSR کے خلاف جہاد میں جہادوں کی انہوں نے مدد کی اسے گھنٹہ کی اور اسے کو اور کچھ

مردی نے پانچ مطالبات کر کے وزیر اعظم کو بے بس کر دیا جبکہ بھارت کا ایک اعلیٰ عہدیدار عدالت میں بیان صحافی جمع کروا چکا ہے کہ بھارتی مسلح فوج بھارتی ایجنسیوں نے مخصوص مقاصد حاصل کرنے کے لئے کراہا تھا۔ یہ مطالبات منظم فوج اور پاکستانی فوج کوشناتے بنانے کے علاوہ کچھ نہ تھے۔ ہمارے بعض سیاستدان کہہ رہے تھے کہ وزیر اعظم بننے کے بعد مردی بدل جائے گا مگر اس نے اپنا اصلی ہندو ہونا ظاہر کر ہی رہا ہے۔ بھارت کی موجودہ صورت حال میں وہ سیاستدان اب کیا کہیں گے؟ اس نے بھارتی آئین میں کشمیر کے لئے رقم 370 کو ختم کر دیا اور بھارت میں آؤ ان پر پابندی لگانے کا جو فیصلہ کیا ہے اب نہ وہ کھیل کر سانسے آچکا ہے۔ ہندوستان اور اس کے مغربی اتحادی آقا کیا چاہتے ہیں؟

1۔ پاکستان کی حیثیت نفس ایک مظلوم ریاست کے زور ہندوستان کی منڈی کی ہو۔
 2۔ پاکستان مسئلہ کشمیر کو مہلت کے لئے بھول جائے۔
 3۔ مقبوضہ کشمیر میں جاری آزادوں کی فوج کی حمایت سے خواہ اور سفارتی بااعظافی فی ہوشیروارہ، جائے۔
 4۔ پاکستان اور چین کے درمیان تعاون اور رابطے ختم کئے جائیں۔ پاکستان چین میں پانچ لاکھ امریکی ڈالروں، شاہراہ فرانس، گواڈری، ہندو رگھو سے چین تک شاہراہ، ایشم کے زراعتی منصوبے ختم کرنے کی، چین کرسٹل کی جائے۔

5۔ بلوچستان کو پاکستان سے علیحدہ کر لیا جائے اس کے ذخائر ضبط کر لیا جائے۔
 6۔ پاکستان کو بیحد عرصہ استحکام کا کارڈ لکھا جائے۔
 7۔ انواج پاکستان اور آئی اینی آئی کو کھل طور پر بس کر دیا جائے اس پر ملک میں اعلیٰ عہدوں پر فائز

کرنے ہوئے گرم پانیوں میں جانے سے روکا جس کی وجہ سے 30 لاکھ سے زائد افغانی پاکستان میں آ گئے اور وہاں جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔
 8۔ ملک کا 80 فیصد بجٹ کھارہے ہیں جس کی وجہ سے ملک ترقی نہیں کر سکا غیر اوغیر۔

اس پر پینٹڈ ویمن ٹی وی کی بھی منافق لوگوں کی کتابوں کے ذریعے، کبھی مغربی میڈیا کی رپورٹوں کے ذریعے اور کبھی بعض پاکستانی سیاست دانوں کے بیانات کے ذریعے۔ ایک میڈیا گروپ جو اس میں پیش پیش رہا اور ان کے حوالے سے آپ بیانات آپ سب لوگ دی وی پر رکھتے رہے ہیں اب جبکہ بھارت میں زبردست مردی جیسا مذہبی اہنہا پسند فرد جو مسلمانوں کا کٹر دشمن ہے براہقہ آرا چکا ہے۔ جو سانحہ گوہرہ گجرات کا خالق ہے۔ اس کی دعوت ملنے پر ہمارے حکمرانوں کو ہانا ہونا چاہئے ہیں۔

بغول ان کے آئین تو سینڈین بنی ہندوستان سے آئی کی طاہرہ۔ چھٹا پارٹی، ہے یو آئی، ایم پی ایم، اسے اپنی نے خوشی کا اظہار کیا اور امن کی آواز کے گئے گئے۔

عمران نے بھی خوشی کا اظہار کیا لیکن جماعت اسلامی اور پاکستانی عوام اس پر پریشان ہو گئے کیونکہ وہ حکمرانوں کی طرح مصلحت کو نہیں جانتے وہ ہندو کی ذہنیت کو خوب جانتے ہیں۔ پانچ روزہ راج کے مطالبات جب اپنے بھائی کے ذریعے انواج پاکستان کی رائے گئی تو انہوں نے اپنے اختلافات کا اظہار کرنے ہوئے انہیں حاکم سے آکر کہا اور کہا گیا کہ اگر جانا ہی ہے تو اپنے کسی وزیر کو بھیج دیں، ایسے موقع پر وزیر اعظم کا جانا ان کی شان میں نہیں ہے۔ وہاں جو ہونے والا ہے وہ کوئی زبور بہتر نہیں ہوگا۔

انواج پاکستان کو وہاں کے حالات کا درست اندازہ تھا کہ بھارتی وزیر اعظم کہا کرنے جا رہا ہے مگر نواز شریف اس کے باوجود خود گئے۔ وہاں حادثہ گزرتی نے جو گل کھلانے دو دن بنے دیکھا جس اور سنا جس۔ زریہ

ہذا ملک کے اہم ترین اولوں کا کوئی باقاعدہ سربراہی نہیں جو پروفیشنل طریقے سے ادارے کا نفاذ کر سکے۔

یہاں ملک فی جزیں کاٹنے اور افواج پاکستان کو بدنام کرنے والے لوگ محفوہ ہیں اور اپنی ہی فوج کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ اس پر بدبخت وطن پاکستانی پر بیان ہے۔ افواج پاکستان نے وزیراعظم کا ۱۰۰ بھارت کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ ترقی کا سرحد سنہ وبہشت گروہی روکنے کا واضح پیغام کشمیر یوں کی حمایت سے باجمہانے کا مطالبہ ہے۔ سوہی تو کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کر کے ان کو ہندوستان میں ضم کرنا چاہتا ہے۔ اہل اسی ہی مسلسل خاکساروں کا نفاذ مشکل ہے۔

یقین کیا جاسکتا ہے کہ سابق آرمی چیف آئی کے ٹیگہ اور رائے مل کر ہندوستان میں سینیٹوں جیسے ذرائع کا تباہ کار بنا کر رہا ہے جس کا ہر نام براہ راست پاک آرمی پر ڈالا جائے گا۔ ان مقصد کے لئے بھارتی میڈیا اور مولو کر رہا ہے۔ ہمارے حکمران تو ہندوستان سے امن چاہتے ہیں مگر سوہی نے کچھ اور پلانٹ کی ہوئی ہے۔ راستے کی رکاوٹ آئی اس آئی ہے۔ ہندوستان نے کشمیر کو بھارت میں ضم کرنے کی عملی پابندی کر لی ہے۔ بھارتی 8 لاکھ فوج کشمیر کے اندر موجود ہے جبکہ مزید دس ہزاروں میں تیار پوزیشن میں بیٹھے ہیں۔

پاکستانی فوج اس وقت خراب ہیں افغان سرحد پر ہزاروں دے رہی ہے۔ دہشت گردوں کے خلاف بھی نبرد آزما ہے اور سترتی سرحدوں پر بھی نظر رکھے ہوئے ہے۔ پاک فوج دنیا کی تاریخ میں واحد فوج ہے جس کے نفع درجن جرنیل دہشت گردی میں شہید ہوتے ہیں جبکہ بریگیڈز اور کرنل رینگ کے افسران درجنوں میں ہیں جو شہادت کے دہے پر ناز ہوئے۔ دوسری طرف موجودہ حکومت میں وزیر اعلیٰ اکثریت بھارت سے ہے۔

لوگوں اور مخصوص مہذبہ گروپ سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

8- پاکستان کے غلام پانچوں پر قبضہ کر کے اسے بخر بنا دیا جائے اور برصورت میں کالا باغ ڈیم بننے سے روکا جائے۔ تب تک مقبوضہ کشمیر میں پانی کے ذخائر کا رخ جنوب اور جنوب مشرقی سرحدوں کی طرف نہ ہو جائے سرگرمی کی باری زور و شور سے جاری رہے۔

9- پاکستان کا اتر اور مغرب افغانستان سے عمل طور پر ختم کر دیا جائے اور اہل ان سے پاکستان کے فعلیات فراب کر رہے جائیں؛ کہ وہ پاکستان کی امداد کے لئے تیار نہ ہو۔

10- پاکستان سے افغان نوازینٹ فریڈینکے پاس پر شمالی ہندوستان سے ہزاروں سبیل دور زمینیں اور ولایت کی بندرگاہوں اور وہاں سے ایران کی چاہ بھار اور ہندوستان کی بندرگاہوں وہاں سے کئی ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے افغان ترین پہاڑی راستوں سے افغانستان پہنچنے کے بجائے جو کہ از کم زمین بنتے کا راستہ ہے کے بجائے گڈا سنگھ فیروز پور اور واہگہ کا مختصر ترین راستہ جس سے انڈیا سے افغانستان صرف 12 گھنٹے کا راستہ ہے حاصل کیا جائے جس کا گزرتا اور موجودہ حکومت نفعی اصولی فیصلہ کر چکی ہے جبکہ ٹرانسپورٹ ٹرکوں کی صلاحیت بھی نہیں لی جائے گی۔

11- پاکستان ہندوستان کو پسندیدہ ترین ملک قرار دے۔ ایسے حالات میں پاکستانی حکمرانوں کا حالیہ ہے۔

یہاں اس ملک میں باقاعدہ پروفیشنل وزیر خارجہ ہی نہیں ہے۔

یہاں کوئی عملی باقاعدہ وزیر قانون بھی نہیں ہے۔ پروڈیوسر کے کندھے پر یہ اضافی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔

اندازہ ہو رہا ہے کہ حالات بہتری کی طرف نہیں جا رہے۔
جبکہ ہندوستان ایک خطرناک دوا کا آغاز کر چکا ہے۔
حکمدوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہے جبکہ حکمران ذاتی
مفاہمت کے لحاظ کے لئے سرکف ہیں۔

﴿﴾

انتقال

انا محمد شاہد مرتب! دھر ا دھر سے
کی والدہ محترمہ انتقال کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ
راجعون! اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند
فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
آمین! ادارہ ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔
تاریخین سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

ان میں بھی اکثریت کا تعلق اہل وہ اور گورنر انوار ڈیو جرن
سے ہے جبکہ سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا سے تعداد
آنے میں نمک کے برابر ہے۔ پاکستان چاہتا ہے تو
دوسرے صوبوں کو بھی اہمیت دی جائے۔ 1971ء سے
سبق حاصل کرنا پانچ سو اسی روپے بھی کچھ ایسی ہی صورت
حال تھی۔ دوسرے صوبوں کی اپنی ہی جماعت! انصاف
جماعتوں پر اعتماد کریں ان کو بھی نمائندگی دین تاکہ ملک
میں تعصب پیدا نہ ہو۔ بین الاقوامی سازشوں کو سمجھیں اور
ان کا مذاق کریں۔

ساری پاکستانی قوم سے گزارش ہے کہ شمولوں کے
اور کارکن نہیں اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ اپنے ملک کی
حفاظت کے لئے سر میں آ کر بہاؤ میں انصاف اور افغان پیدا
کریں ان سازشوں کا مقابلہ افغان اور اتحاد سے ہی ممکن
ہے۔ اپنی سخی افواج پر اعتماد کریں اور ان کا دھملا
بڑھائیں یہ لوگ آپ میں سے ہی ہیں، اس حالت سے

بچوں اور بڑوں کے معروف ادیب

خادم حسین مجاہد

کی طلبہ کے لیے وطن کی محبت سے بھرپور

کہانیوں پر مشتمل کتاب

حُرمت و وطن

شائع ہوگی ہے

ملنے کا پتہ ادارہ مطبوعات طلبہ

ادارہ مطبوعات پارک اچھرہ لاہور 042-7553991

ادھر ادھر

ذنیالہ سے دلچسپ و عجیب خبریں



✽.....0345-7094506..... رانا محمد شہید

بادوں کا ختم ہونا ضروری ہے۔ حالیہ تحقیق کے مطابق
 بڑوں کے دماغ میں ایسے لحمیات ہوتے ہیں جو ان کو
 پرانی باتیں بھولنے نہیں دیتے جب بھی انسان کچھ نیا
 سیکھتا ہے تو اس کے دماغ کے غلبوں میں کچھ نئے کنکشن
 پیدا ہوتے ہیں اور جب غلبوں کے بیچ براہیلے کمزور ہو
 جاتے ہیں تو یادداشت کمزور ہو جاتی ہے۔ ماہرین کا کہنا
 ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس سے بے کار معلومات نئی
 معلومات کے حق میں دستبردار ہو جاتی ہیں۔ عمر بڑھنے
 کے ساتھ ساتھ فوری اور قریب کی یادداشت کمزور ہو جاتی
 ہے۔

چھوٹے قدم کی گوریاں یاد دلا ہوتی ہیں: چھوٹے قدم

نئی باتیں یاد رکھنے کے لئے پرانی

یادیں بھلانا ضروری ہے

نئی زبانوں سمیت اور بہت ساری چیزیں سیکھنے میں نئے
 بڑوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ ایک طرح سے یہ کہا جاسکتا
 ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑوں کے دماغ "بھرنے"
 ہوتے ہوئے ہیں کیونکہ وہ پرانی باتوں کو بار بار سمجھتے ہیں اور
 یوں اس میں نئی معلومات کے لئے جگہ نہیں رہتی۔ یہ تحقیق
 ایک امریکی جریدے سے سائنٹفک امریکن ہائیڈ نے کی تھی۔
 ؟ بدو کہتا ہے کہ کوئی بات یاد رکھنا یاد کرنے کے لئے پرانی

اپنے کتے کے اس کارنامے کے متعلق سماجی رابطے کی ویب سائٹ پر لکھا ہے کہ اس کا کتنا حقیقت میں ایک بہرہ ہے اور اس نے اس وقت میری جان بچائی جب میں سوت کے منہ میں تھی اور کسی کو اپنی مدد کے لئے نہیں پکار سکتی تھی۔

اے ٹی ایم مشین سے دودھ نکلنے کا: اے ٹی ایم مشین سے پیسے تو نکلنے ہی ہیں لیکن اگر دودھ کے پیکٹ بھی اے ٹی ایم مشین سے نکلنے لگیں تو کبسا ہوگا۔ جی ہاں Milk any time سے اے ٹی ایم مشین جیسے بھارت کی رباست گجرات میں مقامی کمپنی نے تیار کیا ہے۔ اس سے دودھ کے پیکٹ کسی بھی وقت خریدے جا سکتے ہیں۔ اب دودھ واسلے کا انتھاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس مشین میں دس دوپے ڈالیں اور نین سوئی لپنر دودھ فریڈ لیں۔ مشین کو بھارت کے دیگر شہروں میں بھی متعارف کرایا جائے گا۔

برف پر دوڑنے والی سائیکل: برف باری کے بعد سڑکوں پر چلنے پر سائیکل سے سائیکل چلا نا ممکن ہو جاتا ہے۔ جس کے باعث کئی حادثات بھی زد نما ہوتے ہیں۔ نیدرلینڈز میں چند ذہین افراد نے اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے سائیکل کے چنڑوں کے لئے ایسی منفرد سائیکل تیار کی ہیں جن کی بدولت اب سدیہ برف باری میں بھی سائیکل چلا نا آسان ہو گیا ہے۔ ان سائیکل سائیکس کو سائیکل سے بنا کر ان پر کانٹوں کی طرح الجھڑے ہوئے مضبوط کٹڑے لٹا دیئے گئے ہیں جو سڑک پر چلنے پر برف میں چنڑوں کو چھٹلے سے محفوظ بناتے ہیں۔ برف باری ختم ہونے کے بعد ان سائیکس کو بنا کر سائیکل سڑکوں پر چلنے کے قابل ہو جائے گی۔

نوجوان نے مسلسل ایک گھنٹہ پر کھڑا ہو کر کار جیت لی: چینی بائسکو سے دنیا کو حیرت میں مبتلا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھنے ہیں اور اور اکثر دیکھو اس کا عملی مظاہرہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن کے سوبے جیان شی میں

کی خاتون باوقار نامہ عمر ساتھ بھانے والی ہوتی ہے۔ اس کا دعویٰ گزشتہ دنوں لندن کی اوپن یونیورسٹی کے ڈیر اہتمام ہونے والی ایک تحقیق میں کیا گیا۔ تحقیق میں 1958ء سے پیدا ہونے والے دس ہزار جوڑوں پر تحقیق کی گئی جس کے مطابق چھوٹے بچوں کی حامل خواتین بچے نڈ کی خواتین کی نسبت سوہروں کا ساتھ زیادہ دیر تک بھائی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بچوں کے معائنے میں بھی حساس ہوتی ہیں۔ تحقیق کے مطابق برطانوی خواتین کا اوسط نڈ 5 فٹ 4 انچ ہے۔ لیکن تحقیق میں 5 فٹ 2 انچ کی حامل خواتین کی اکثریت باوقار ثابت ہوئی ہے۔ اس تحقیق کے ذریعے ایک لارڈ کشف بھی کیا گیا ہے کہ چھوٹے بچوں کی حامل برطانوی خواتین عموماً چھ فٹ قد کے حامل مردوں کے ساتھ شادی کرنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ ان کے نزدیک بڑے قد کے حامل مرد چھوٹے نڈ والوں کی نسبت زیادہ باوقار مخلص ہوتے ہیں۔

بانٹو کتے نے مالک کی جان بچائی: جانوروں کی وفاداری کے متعلق فوسب ہی جانتے ہیں اور یہ اکثر اوقات اپنے مالکان کی زندگی بچانے میں کامیاب رہتے ہیں۔ حال ہی میں دیکھ ایسا ہی واقعہ ایک امریکی خاتون کے ساتھ پیش آیا۔ جس کی جان اس کے کتے نے بچائی۔ امریکی میڈیا کے مطابق مکمل نامی چالیس سالہ خاتون اپنے گھر کے کچن میں کام کے دوران خود کو چبھتی تھی کہ اچانک خود کو اس کے طعن میں پھنس گئی اور اس کے لئے بولنا تو درد کی بات سانس لینا بھی مشکل ہو گیا اور وہ تکلیف کے باعث دہری ہو کر کھنٹوں کے بل پینہ گئی۔

اس کا بانٹو کتا جو پاس ہی کھڑا تھا، نے ایسی صورت حال دیکھ کر فوراً اپنی مالک پر چلا گیا۔ لگائی اور اس کی کمر پر دوڑ دوڑ سے اپنی ہاتھوں کی مدد سے دھکے مارنے شروع کر دیئے۔ اس کی اس کوشش کے نتیجے میں خود کو جو رکھنے کے طعن میں پھنس گئی تھی، باہر زمین پر آگری۔ مکمل نے

ایک ٹانگ پر سب سے زیادہ دبر تک گھڑے رہنے کا مقابلہ ہوا جس میں ہونے ملک سے زیادہ سو سے زائد نوجوانوں نے شرکت کی۔ اس مقابلے کا اہتمام ایک کار ساز کمپنی نے کیا تھا۔ فائنل مرحلے میں صرف 20 نوجوان رہ گئے۔ دو کہتے ہیں کہ مقابلہ فونل نائوال نے خوب کیا مگر مقابلہ دوڑ پیگنی ٹی نوجوان نے جیتا۔ جس نے مسلسل سات گھنٹے اور پچیس منٹ تک ایک ٹانگ پر گھڑے ہونے کا مظاہرہ کیا۔ شکرگاہت کے باعث گھڑے جنہیں ٹیلی امرادری تھی۔ اس نوجوان نے یہ کارنامہ انجام دے کر ایک تیس فیصد لی ایم ڈی ایو کا رتو جیت لی لیکن وہ بھارتی شہری سریش کا ایک ٹانگ پر مسلسل 76 گھنٹے گھڑے رہنے کا عالمی ریکارڈ نہیں توڑ سکا۔

باب جان، پاپا اور ڈیڈی

پاکستان میں 70 فیصد بچے اپنے والد کو "بابا جان" اور 13 فیصد "پاپا" جبکہ 9 فیصد "ڈیڈی" کہتے ہیں۔ ایک معروف سماجی تنظیم کی جانب سے جاری کردہ دلچسپ اعداد و شمار میں بتایا گیا ہے کہ 2 سال سے 39 سال کی عمر تک بچے چچاں اور کے لڑکیاں اپنے والد کو سب سے زیادہ بابا جان کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مغرب زدہ معاشرے کا شکا اور ارا اپنے والد کو "پاپا" اور "ڈیڈی" کہتی ہیں۔ اس طرح سے 13 فیصد اپنی ماں کو "مام" اور 48 فیصد "ممی جان" کہہ کر پکارتی ہیں۔ سماجی تنظیم کا کہنا ہے کہ چچاں اپنے والد سے بے پناہ محبت کی وجہ سے بابا کہہ کر پکارتی ہیں جبکہ لڑکے ممی جان کی دیکھا دیکھا والد کو پاپا جان کہتے ہیں۔ 3 فیصد والدین خود ہی اپنے بچوں کو پاپا جانی، پاپا اور ڈیڈی کہنے پر مجبور کرتے ہیں۔

چار لاکھ کتابوں کا خلاصہ: حضرت شیخ منیرؒ نے اپنی استاد میں تحریر فرمایا کہ میں بننے چاہتا لاکھ کتابوں کا مطالعہ کر

کئے ان میں سے چاہ، باشی، اعجاز کہیں۔ اپنے دل میں سے کہتا ہوں کہ (1) نے نفس، اکثر نو عبادت کیا ہے تو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کرو۔ اس کا دیا ہوا وزنی ٹھکانا چھوڑو۔

(2) اسے نفس! جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو منع فرمایا ہے اس سے باز رہو ورنہ اس کی زمین سے باہر نکل جا۔

(3) اسے نفس! جو کہ اللہ نے قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی ہو، ورنہ اللہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا پروردگار، ذمہ لے۔

(4) اسے نفس! اگر تو کسی گناہ کا ارادہ کرے تو پہلے اپنی نجویز کر جہاں تجھ کو خدائے پاک نہ دیکھے۔ ورنہ اگر نجات کی خواہش ہے تو ہرگز گناہ کا نام نہ لے۔

یہی وہی..... پیار و محبت خریدیں: کہا جاتا ہے کہ پیار و محبت جیسے بڑے غلوں میں جذبوں کو دولت سے نہیں خریدا جاسکتا۔ تاہم روز بروز ہمیں نامناسب عبادت بدل رہے ہیں اور حال ہی میں چین کے ایک سکول میں نئی تنظیم متعارف کرائی گئی ہے جس کے تحت بچوں کو صرف 13 ڈالر ماہانہ کی ادائیگی پر سکول میں روزانہ منجھری کی جانب سے چھٹی ملا کر کے گی۔ تنظیم کے ذمہ دار کا رتا تو بہت سے سکولوں میں جاری ہے اور عام طور پر نئی سکولوں میں نئی تنظیمیں متعارف کرانے لگتی ہیں، اسلئے کہتے ہیں۔ اسی سلسلے میں چین میں بے سبب شروع کی گئی ہے جس میں 13 ڈالر ماہانہ کی ادائیگی پر ایک مرتبہ سکول چھٹنے نہ ہون دوسری مرتبہ سکول سے چھٹی کی وقت پر چھٹی دینا کوئی ایگریگیشن کا حصہ ہے اور اس کا مقصد بچوں کی خوراقتاری کو بڑھاانا ہے۔

تفصلاً بیان کیا احساس دینا ہے۔
یعنی کامل: ایک بزرگ سفر پر جانے لگے تو جوی سے کہا۔
"میں گئی تاکہ شہر سے دور ہوں گا تمہارا، سے لئے کس قدر شہر دے کر جاؤں؟" بیوی نے جواب دیا۔ "جس قدر آپ کو میری زندگی منظور ہے۔" بزرگ نے کہا۔
"تمہاری زندگی میری ہاتھ میں تو نہیں ہے۔" نوجوان نے

سے شکایت یا بحث نہ کریں۔" برٹش میڈیکل جرنل میں شائع ہونے والی تحقیق میں ماہرین نے اندازہ لگایا کہ صرف 12 روز لے کر بے کے دو دان شوہروں کو برقی طرہ سے متاثر کیا۔ جس کی وجہ سے تحقیق کو کچھ میں ہی ترک کرتا پڑا۔ تحقیق میں شریک شوہروں کا کہنا تھا کہ اگرچہ بیویوں کے مطالبات پورے کئے گئے لیکن ساتھ ہی ان کے ہر کام پر بیویوں کی وجہ سے تنگدہم بنی جا رہی تھی۔ محققین نے اپنی دانے پیش کرنے ہوئے کہا کہ کسی ایک فریق کی ضرورت سے زیادہ خود مختار وی شادی شدہ زندگی پر منفی اثرات مرتب کر سکتی ہے۔

43 سال میں کیا گریجویٹیشن عمل: کسی شخص کو گریجویٹیشن مکمل کرنے میں 43 سال لگ سکتے ہیں۔ مائیکل جی شخص نے اپنی گریجویٹیشن مکمل کرنے میں 43 سال لگا دیے۔ مائیکل نے 1971ء میں 22 سال کی عمر میں برطانیہ کی اوپن یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا لیکن پھر وہ اپنی زندگی اور کاروبار میں اس وقت میں اپنا مصروف ہو گیا کہ اس کے لئے کوئی وقت پر حاصل کرنا ممکن نہیں رہا۔ اب جبکہ وہ خود پونوں اور نواسوں والا ہو گیا تو اس نے دوبارہ ڈگری کے حصول کے لئے امتحان دیا اور کامیاب ہو گیا اور 43 سال کی عمر میں سائنس گریجویٹ بن کر دنیا کو بہ چٹام دیا کہ نظم کی بھی عمر میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

شیطان کو جہانے کا نبھوار: زمانے مختلف زمانے میں شیطان سے نفرت کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ وسطی امریکہ کے ملک گوٹے والا میں شیطان سے نفرت کا اظہار اسے جلا کر کیا جاتا ہے۔ یہاں ہر سال شیطان کو جہانے کا سالانہ نبھوار منایا جاتا ہے اور سب لوگ شیطان کے پتلے کو آگ لگاتے ہیں۔ اس نبھوار میں لوگ اپنے گھر کا پانا سامان نکال کر سڑکوں پر ڈھیر لگا دیتے ہیں جس کے بعد اس سامان سے شیطان کے پتلے بنا کر انہیں آگ لگا کر اس رسم کو پورا کیا جاتا ہے۔

روزی بھی آپ نے ہاتھ میں رکھیں ہے۔: دنیا نے جو اب اپنا بڑا کام اپنے لئے کیا کی بیوی سے ایک عورت نے پوچھا۔ "حضرت آپ کے دانے کئی روز کی بیوی کے لئے جواب دیا۔" حضرت نو خود ہی روز کی کھانے دانے لئے، جو کھانے والا تھا، وہ چلا گیا اور جو بیٹے والا ہے، وہ نہیں ہے۔

مالا کھا کبھی...: زیادہ عرصہ تک جوان وہیں: ایک مالا روزانہ کھانے سے طویل عرصے تک جوان بھرا آنے میں مددگاری ہے۔ امریکی ماہرین نے ایک تحقیق کے نتائج جاری کرنے ہوئے کہا ہے کہ مالا میں خمیدگی سوا کثیر تعداد میں پایا جاتا ہے جس سے پیرے پر کھل مہا سے اور چھانٹا نہیں ہو گیا اور چہرہ شفاف و تر تازہ و صحالی رہتا ہے۔ روزانہ ایک دن کھانا اگر معمول بنالیا جائے تو اس سے 50 سال میں بھی جوان نظر آنے میں مددگاری ہے۔ ماہرین کے مطابق مالتے میں دکان لی تا اور مستقیم پایا جاتا ہے جس سے ایسویکولین کی نشوونما میں مددگاری ہے اور اس سے بلڈ پریشر بھی ثابت ہوتا ہے۔ مالتے میں دکان کی بھی وافر مقدار میں موجود ہوتا ہے جس سے چہرے پر قدرتی کھار آتا ہے۔

بیوی کی ہاں میں ہاں ملانے دانے: بیوی کی ہر بات ماننے دانے شوہر اندر سے بہت دلی ہوئے ہیں۔ ایک نئی تحقیق میں انکشاف ہوا ہے کہ شوہروں کا بیویوں کی ہاں میں ہاں ملانے کا وہ انہیں اندر سے دلی بنا دیتا ہے۔ محققین اس بات کا جائزہ لیتے جا چکے تھے کہ بیویوں کی دانے سے اتفاق کرتے دیکھنے کی عادت کیا شادی شدہ زندگی میں بہتری لاسکتی ہے؟ آکلیڈ یونیورسٹی کے محققین کی جانب سے تجربے میں شامل شادی شدہ مردوں کے گروپ سے کہا گیا کہ دو دن تجربہ وہ اپنی بیویوں کی ہر دانے اور مطالبے سے اتفاق کریں۔ اگرچہ وہ سمجھتے ہیں کہ بیوی کی دانے صحیح نہیں تو پھر بھی وہ اپنی بیوی

خوش

انداز وہی نہیں سبھی، اطوار وہی ہیں
 مدت گزر گئی، ترے انکار وہی ہیں
 میں غم کے جزیروں سے یوں ہجرت نہ کر سکا
 کشتی نئی ضرور ہے۔ پتوار وہی ہیں
 کیسے کہوں کہ حال کہن اب بدل گیا
 دکھ درد کے وہ ڈھیر وہ انداز وہی ہیں
 میری ضرورتوں کا سفر رک نہیں سکا
 کام آسکے نہ اب بھی میرے یار وہی ہیں
 تیرے غموں کو اب بھی خوشی سے خرید لوں
 گو تو بدل گیا، میرے انکار وہی ہیں

مجھ کو بس اس کے ہاتھ میں پتھر برا لگا
 ورنہ تو ستم گر مرے ہر بار وہی ہیں
 میری ہر اک اپیل بھی یوں رایگاں گئی
 حاکم، وکیل، منصف و سرکار وہی ہے
 اس سال بھی خلوص کا بھاء وہی رہا
 بدسے نہیں بازار، خریدار وہی ہیں
 میں پھر ستم ظریف کی چابوں میں آ گیا
 حالانکہ داد بیچ وہی آوار وہی ہیں
 کس نے کہا کہ وقت نے عاقب بدل دیا
 اس کی وہ ضد وہ ہٹ، انا، تکرار وہی ہیں

(ریاض عاقب کوہلر کے مجموعہ کلام ”روداد کوہلر“ سے انتخاب)

فرس

آیا تھا پچھا! سال تو رنگِ جفا لئے
 اب سالِ نو بھی دیکھتے آتا ہے کیا لئے
 ابھرے تو غیر نے بھی پھار کے تھے پہول
 ڈوبے تو دوستوں لئے بھی پھراٹھا لئے
 کچھ خواب تھے کہ جا چکے اس بے وفائی کے ساتھ
 کچھ درد تھے جو ہم نے گلے کرتا گیا لئے
 مل ہی گئے ہیں راہ میں سُرِ اتفاق سے
 برسوں کے آشناؤں نے چہرے چھپائے لئے
 فرصت ملے تو خاک نشینوں سے مل بھی
 بیٹھے ہیں یہ بھی لوگ یدِ کیمیا لئے
 اس آس پر کہ ہونے لگی ہے سحرِ ضیا،
 لوگوں نے اپنے گھروں کے دینے بھی بھالے لئے

پنجاب پر سکھوں کا قبضہ کیسے ہوا؟ مغلیہ سلطنت کیسے برباد ہوئی؟
پنجاب کے ساتھ ساتھ برصغیر کی اصل تاریخ کا حال

سنا جاگے

رشتہ دار قسط: 5



شیش محل میں قتل

ماگھ کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، سردی اب بھی زردوں پر تھی، راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہو گئے تھے۔ ایک دو دن سورج چہرہ نہ دکھائے تو دانتیں اور بھی لمبی اور ششدری محسوس ہوئی تھیں۔ اسی ہی ایک رات کو طہماس خان پہریڑاروں کے کسب میں الٹاؤ کے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا، ان نے شام اچھلے شہباز خان کو ملاقات کا پیغام بھجوایا تھا۔ صبح کی اذان ہونے کو تھی مگر شہباز خان ابھی نہیں آئے۔ مغلائی بیگم شہباز خان پر سب سے زیادہ اصرار کرتی تھی۔ پورے ایک اور سرفراز خاں کے بعد اگر کوئی بیگم کے مشورے پر عمل کرے تو اس کے لئے کام کرتا تھا اور شہباز خان تھا۔ انھار اور انھیں ساری کاٹنے خود بصورت نوجوان بھی مہرمنو کے گھر لے کر خریدے مار بھیا کے مردانہ حصہ میں ملے۔ نوجوان ہوا تھا۔ طہماس خان کی اس سے دوستی بھی تھی اور قربت بھی۔ گل بنفشہ شہباز خان سے مسکرا کر باتیں کرتی تھی، طہماس خاں کو یہ پسند نہیں تھا۔ گل بنفشہ اس سے نفرت کرتی تھی اور خود غرض سمجھتی تھی جبکہ شہباز خاں جوانی اور حسن کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود صاف ولی تھا۔ اس میں اعلیٰ کردار کی اور سب خوبیاں موجود تھیں جو حکمرانوں کے خطن کی در کثیر میں پسند کرتی ہیں جو بکنڈلوں سے دور رہنا چاہتی ہیں۔ طہماس خاں کے دل میں اس کے لئے کوئی عیب نہیں تھی لیکن جس کام پر خوب مرزائے اسے لگا تھا۔ اس کی ذاتی ترقی کا داد و مدار اس میں کامیابی پر تھا اور وہ کامیابی شہباز کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھی، اور اس کے ذریعے بیگم کا اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا۔

صبح کی نماز کے بعد مغلائی بیگم نے قرآن اور روحان حافظ منگوائے۔ تلاوت کے بعد دعا کی اور روحان حافظ سے قال نگوائی کہ اس کے مفرد کے بارے میں

اشعار کیا کہتے ہیں۔ پاس کھڑی گل بنفشہ کا چہرہ کھل گیا، وہ اپنی مالک کے چہرے کے تاثرات سے آنے والے حالات و واقعات کا اندازہ کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ مغلائی بیگم نے قرآن مجید اور وہاں حافظ اس کے حوالے کیے اور خود سجدہ میں گر گئی۔ کافی بار بعد جب اس نے سجدہ سے سر اٹھایا تو گل بنفشہ نے بتایا کہ شہباز خان قدم بڑی کی اجازت چاہتا ہے۔ دن کے اس حصہ میں ملازمین کو قدم بڑی کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ مغلائی بیگم نے کچھ سوچ کر اجازت دے دی اور گاؤنگی سے ٹک وگا کر بیٹھ گئی۔ شہباز خان نے فریضی سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر بتایا کہ طہماس خاں باہر کمانڈہ کے خیمے میں موجود ہے اور اس سے ملنا چاہتا ہے۔

کوئی مضامین نہیں اس کی مشین اور اپنی اپنے دل میں دیکھیں۔ مغلائی بیگم نے اجازت دے دی۔

شہباز کو دیکھتے ہی طہماس خاں لپک کر اس سے لپٹ کر باہر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، پہریڑاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیے۔ طہماس خاں شہباز کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور اپنی دو کئی اور نطوں کے اوراق کھول کھولی کر پیش کرنے لگا۔ مغلائی بیگم کی خدمت کے لئے اپنی جان چھین کر دی۔

”نواب منظور اور بیگم عالیہ کے اس فریب پر اتنے افسانہ نگار ہیں کہ جان دے کر بھی بدلہ نہیں چکا سکتا، اس مشکل میں ان کے کام آجائز تو خوش قسمت ہوں گا۔“

”میں آپ کی خواہش اور جذبہ بیگم عالیہ تک پہنچا دوں گا۔“ شہباز نے جواب دیا۔

”میں رات بھر ان مردوں کے درمیان بیٹھا رہا، جب تک بیگم عالیہ مجھے قدم بڑی کی اجازت نہیں دے گی میں حوصلے کے روزانہ پر بیٹھا رہوں گا۔“ طہماس خاں نے التجازت سے کہنا۔

ظہماس خاں نے ایک بار پھر فریسی سلام کیا اور
انے قدموں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکلی گئی۔

"نہارے کسی عمل اور بات سے کبھی غلابرت ہو کہ
ہم ظہماس خاں پر اٹھاؤ نہیں کرنے۔ میاں خوش فہم کو سمجھا
دو اور اس کا وغیرہ ادا کر دینے دہو۔" مغلانی بیگم نے
شہباز کو ہدایت کی۔

شہباز نے حیل میں سر جھکا دیا۔
"ہم سمجھتے ہیں مار بیک کے بیٹوں کی دیکھ بھال
تھیک ہو رہی ہے۔" بیگم نے پوچھا۔

"ابنیں مسجد و زبوحاں کے عقب میں ایک مکان
میں منتقل کر دیا گیا ہے اور دیکھ بھال نسلی بخش ہے۔" شہباز
خاں نے بنا۔ "مار بیک بھی دو روز تک آنے والے
ہیں۔"

"ہمیں سرفراز خاں کی ضرورت ہے۔" بیگم نے
کہا۔

"تھک سہاول کو حضور کا پیغام پہنچا دیا گیا ہے۔"
شہباز نے جواب دیا۔

"ظہماس خاں وکل مسما وقت ہائیں کر دے وہ نہ
جانے کہ ہمارا ختم ہے۔ اس پر ظاہر کر دے تم اس سے دو بار
اور بھکاری خاں کے بارے میں خبریں جاننا چاہتے ہو۔"
شہباز نے ایک باہر جھکا باور دایس لوٹ گیا۔

ظہماس خاں زبوحاں میں منتظر تھا، شہباز سے اپنے
کمرے میں لے گیا اور دو بریک زوہر آدھر کی بانیں کر دے
رہا۔ بھکاری خاں اور نوبہ مرزا خاں کے باہمی گفتگوات
کیسے ہیں، مثل مرداروں اور امراء کا کیا دور ہے، بننے
تکمران کے بارے میں اٹل شہر کی کیا رائے ہے؟ ظہماس
خاں بھی سنی چاہتا تھا کہ مغلانی بیگم کے ملازم اس سے
دو بار، شہرا، امراء، اور نئے تکرانوں کے بارے میں مکمل کر
بات کریں تاکہ دران کی سوچ کا اندازہ لے سکے۔ اس نے
بڑی تفصیل سے حالات بتائے اور، احدہ کہا کہ وہ کل

"بیگم عالیہ کا جرم بھی حکم ہو گا تم تک پہنچا دوں گا۔"
شہباز نے کہا اور واپس چلا گیا۔

ظہماس خاں کماندار کے خیمے میں واپس آ گیا، وہ
انہی دوسرے کے پاس اور حال سے واقف تھے۔

نموزاؤں چمے شہباز آبا اور ظہماس خاں کو ساتھ
حوالی کے اندر لے گیا۔ نشست گاؤں میں قدم رکھتے ہی
ظہماس خاں کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے۔ فریسی
سلام کر کے اس نے بیگم کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شہباز
خاں ایک طرف کھڑا رکھ دیا تھا، گل بنفشہ کمرے میں
داخل ہوئی اور ظہماس خاں کو سجدہ ریز دیکھ کر جلدی سے
واپس لوٹ گئی۔

"ہم نے اپنے گھر میں پردوش ہانے والوں کو ایسی
ترتیب نہیں دی تھی، ہمیں آشنوں سے کدہم پندی دونوں
میں ہماری تربیت بھول گئے۔ کوئی مشکل آن پڑی ہے تو
کمزے ہو کر ہٹ کر دو، ہم جو مدد کر سکتے ہیں کریں گے۔"
مغلانی بیگم نے حاکمانہ انداز میں کہا۔

ظہماس خاں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گیا۔ "خادم کی
سب سے بڑی مشکل حضور کی ناراضی ہے۔"

"ہم نے تمہیں کبھی ان لوگوں میں شامل نہیں کیا جن
پر ہمیں ناراض ہونا چاہئے۔"

"خاکسار کے پاس ایک جان ہے اور وہ حاضر
ہے۔"

"ہمیں جانوں کی نہیں انسانوں کی ضرورت
ہے۔"

"بندہ کبھی آپ کے اعتماد کو نہیں نہیں پہنچائے
گا۔"

"جب ضرورت ہوگی ہم تم پر ضرور اعتماد کریں
گے، جسہیں وغیرہ ملتا رہے گا جو جلی میں رہے تو تم بھی مفید
ہو جاؤ گے۔ میاں خوش فہم سے رابطہ رکھو اور جو حکم وہ دیں
اس پہنچا کر دو۔" بیگم نے حکم دیا۔

”ہمارے کرم سے حضور کو کبھی شکوہ نہ رہے گا۔“
میں خوش فہم نے اس انداز میں کہا کہ تمہاس خاں کے
لئے کھڑے رہنا دشوار ہو گیا۔ اس نے اجازت لی اور
حوبلی سے باہر نکل گیا۔

دوسری شام اس نے دربار امراء اور بھکاری خاں
کی بہت سی خیریں شہباز کو سنائیں۔ پھر پورے دائرے پر
دوسرا نونہل مسجد کے پاس گیا تھا اور اسے اپنی کامیابی
فی جملہ نصیبات سے آگاہ کیا تھا مگر بھکاری خاں کے
ہاتھ میں شہباز کی دلچسپی اسے کبھی اتنی تھی، اس نے
زہد کا یہ چاکھی مناسب موقع کے لئے بجا لیا تھا۔

”تم کیا سمجھتے ہو بھکاری خاں حالات سے مطمئن
ہو، پھر یہ کیا ہے؟“ شہباز نے پوچھا۔

”اس کے لئے اطمینان کے سوا چاہے ہی کیا ہے؟
خود میرا اس کا حالات پر قابو ہے، فونٹ اس کے ساتھ
ہے، سب حکومت میں نے پاس ہے، مناسب باہر خاں کو
کے ذریعے اس نے قدرے سے بھی تعلق قائم کر لیا ہے۔
درکار میں بھی سنا جاتا ہے۔ بھکاری خاں اپنی خداری کی
سزا کاٹ رہا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”اس کی سزا تو اللہ کے حضور بھی ملے گی، مگر
حرامی سب سے برا گناہ ہے۔“ شہباز نے کہا۔

”ہم نے تو دیکھا جس نے نواب مسعود کا نمک
کھا، اسی نے خداری کی۔“ تمہاس خاں نے اس کا
اعتماد بحال کرنے کہا۔

”اللہ سب خداریوں کو دوزخ میں ڈالے گا، آزار
ایمان ہے۔“ شہباز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے
جواب دیا۔

”اس ایمان اور وفا کے لئے تمہیں وہاں ضرور اجر
ملے گا، تم نے بر حال میں بیگم عالیہ کی خدمت کی ہے۔“

”بیگم عالیہ تو تم پر بھی بہت شفقت فرماتی ہیں۔ کل
یہ تم کو باہر تمہاس خاں کا خیال رکھیں۔ ہم نے اسے اس

بھکاری خاں کے بارے میں اور بھی خبریں لائے گا۔

میں خوش فہم نے تمہاس خاں کو حوبلی سے باہر
جانے دیکھا تو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ ”مرزا اسے
روکنا کہاں قابو رہے؟ یہ بھی نہ سوچا کوئی اس بے نیازی
پر ہنس مرگ سے لٹ جائے گا۔“ مرزا کا خطاب مکران
کسی کی اعلیٰ کارکردگی پر دیا کرتے تھے، کسی گھریلو ملازم کو
”مرزا“ کہہ کر خطاب کرنے میں جو طرز پوشیدہ تھا اس
کے ذمہ چھپانے کو تمہاس خاں نے جسبانی مٹی پٹن
ہوئے کہا۔ ”میں بندہ تو خوب ہنس مرگ سے اٹھ کر آیا
ہے۔“

”اللہ شفا دے، مرزا کی حکیم کو جو دیکھا ہوتا، ہم
جاننے تو خود مزاج پری کو حاضر ہوتے۔ ان جھمک کو
پانچ پیسے کا تیش شاہی مسجد بھانے ہیں، کسی بہت کچھ ہیں
شکرانہ کے سونے ہارنے۔“

”بندو کے حق میں آپ فی دعای شفا ہے، اپنی
دعاؤں میں ایک اور کا اضافہ کریں۔“

”ہم ہی کیا، مرزا اس حوبلی کے سب پاسی دعا کے
لئے وضو کر رہے ہیں۔ آپ کا چہرہ تو نصیب ہوا، ہم اسید
رکھیں کہ اب آپ ناباب نہ ہوں گے۔“

”آپ کا حکم ہو تو ہر روز حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔“
”ہم کون ہیں، حکم دینے والے۔ مرزا آپ ذرا
سفر سے پرہیز کریں، بیماری کی فضا بہت بھی تو ہو گی، ہر
روز نہیں دوسرے چوتھے چہرہ دکھانے آ جائیں تاکہ کسی کو
زباہہ پریشانی نہ ہو۔“

”آپ کے ارشاد کی قبولیت سے اس ناچیز کی صحت
بحال ہو جائے گی۔“

”ہم اپنا ارشاد واپس لئے لیتے ہیں، آپ اس کے
بغیر ہی اپنا فرض نبھاتے رہیں، اللہ جزا دے گا۔“

”بندہ یقین رکھتے کہ حضور کا کہہ شامل حال رہے
گا؟“

"کسی قبیلہ سے دو الٹی ٹوٹی ہوئی، بیگم عالیہ نے؟"
 طہماس خاں نے اس سے بھی زیادہ گھر مندی ظاہر کی۔
 "حوالی میں بیگم کہاں؟ باہر سے حکیم منگوانے کے
 لئے دو کسی سے کوئی درخواست کرنا پسند نہیں فرمائیں۔
 ایسی درخواست خود مرزا خاں کے پاس جائے گی اور ان
 سے کوئی رعایت ناممکن نہیں گوارا نہیں۔" شہباز خاں نے
 جواب دیا۔

"بیگم حضور کی زندگی ہمیں اپنی جانوں سے مزید
 ہے۔ کیا ہم کچھ نہیں کر سکتے اس بارے میں؟" طہماس
 خاں اور بھی پریشان ہو گیا۔

"فہم جانے ہو اس حوالی کے سب، ہائی قبہ کی
 حالت میں ہیں، وہ کہا کر سکتے ہیں؟" شہباز نے جواب
 دیا۔

"یہ ناچیز تو قبہ میں نہیں بیگم حضور حکم دیں تو میں کوئی
 انتظام کروں، مگر اعدا سیرا دست ہے۔" طہماس خاں نے
 کہا۔

"بڑے نواب مغنورا اور چھوٹے نواب مرحوم کو زہر
 دینے جانے کے بعد سے بیگم عالیہ کسی پر بھروسہ نہیں کر
 سکتیں۔" شہباز نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

اسیام خوش فہم کو آتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔
 میاں بھت پریشان تھا ان نے شہباز کو ایک طرف لے جا
 کر کوئی بات کی فوراً پھر دونوں بھاگتے ہوئے زمان خانہ کی
 طرف چلے گئے۔ ملازمین کو دوزخے بھاگنے دیکھ کر
 طہماس خاں اپنے مستقبل کے نقشہ پر غور کرنے لگا۔
 مغلائی بیگم کو کچھ ہو گیا تو خواب کے لئے اس کی کچھ بھی
 اہمیت نہ رہے گی۔ وہ غلوں بیل سے بیگم کی صحت اور
 روزی عمر کے لئے دعا کرنے لگا۔ اگر یہ گھر اجڑا تو کل
 بنشہ کہاں جائے گی؟ وہ ضرور شہباز کو پسند کرے گی۔ اگر
 میں کسی طرح کسی مرتبہ تک پہنچ جاؤں تو ضرور اسے حاصل
 کروں گا۔ بیگم عالیہ مرگئیں تو یہ امید بھی ختم ہو جائے گی۔

گھر میں بچے سے جوان ہونے دیکھا ہے، وہ کبھی محسوس
 نہ کرے کہ اب بہ اس کا گھر نہیں۔" شہباز اپنے منصوبے
 پر کام ہاتھ۔

"یہ بیگم عالیہ کا اس ناچیز پر کرم ہے، ان کے لئے
 خادم کی جان بھی حاضر ہے۔" طہماس خاں نے زمین کی
 طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ایک ملازم نے آ کر بتایا کہ بیگم
 صاحب نے شہباز کو طلب فرمایا ہے، وہ جانے کے لئے اٹھا
 تو طہماس خاں نے کہا۔ "خاکسار کا سلام پہنچا دیں تو
 نوازش ہوگی۔"

شہباز کے جانے کے بعد وہ اپنے منصوبے کے
 مختلف پہلوؤں پر غور کرنے لگا۔ وہ خوش تھا کہ بیگم اب بھی
 اس پر شفقت فرماتی ہیں اور اس کی خطا میں بھانپ کر دی
 ہیں۔ اپنی دور دوزکی کا وکرگی اور کہ سہا لی کا تجزیہ کر کے اس
 نے اپنے آپ کو شاباش دی۔

شہباز نے طہماس خاں سے ملنے والی ساری
 خبریں بیگم کو پہنچا دیں اور میان میں سوال پر چونہ گروہ مزید
 معلومات حاصل کرنی رہیں۔ شہباز واپس جانے لگا
 کہا۔ "ہو سکتے تو اسے اپنے پاس ٹھہراؤ، وادت کھنگڑے
 مزید مکمل جائے گا۔ ہمیں اس سے کچھ کام لہنا ہے۔"

شہباز نے واپس آ کر دوبارہ امر اور بھکاری خاں
 کی بجائے اپنے بچپن اور گروہ سے ہوئے دنوں کی باتیں
 شروع کر دیں۔ طہماس خاں جانا چاہتا تھا کہ اس نے
 بیگم عالیہ تک اس کا سلام پہنچا ہوا تھا نہیں اور بیگم صاحب کا
 رد عمل کیا تھا مگر شہباز اس کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔
 "بیگم حضور کی صحت کیسی ہے؟" طہماس خاں نے
 بات کا رخ سوزنے کی کوشش کی۔

"بیگم عالیہ کی طبیعت نامساوی ہے مگر ہم کسی کو بتا
 نہیں چاہے۔ جب سے حوالی میں نکل ہوئی ہیں چار
 رہتی ہیں۔ کوئی مناسب علاج نہ ہونے کی وجہ سے اتفاقاً
 نہیں ہو رہا۔" شہباز نے گھر مندی سے سرگوشی کی۔

مظفانی بیگم کی پیادگی کی خبریں کر خوب مرزا خاں پریشان ہو گیا اگر وہ قید میں مرگتی تو اس کی موت کا اثر ام اس پر آنے کا۔ شہر کے لوگ پہلے ہی بیگم سے ہمدردی رکھتے ہیں وہ مرگتی تو عماد الملک بھی خاموش نہیں رہے گا۔ بھکاری خاں کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ شہ تھا کہ اس نے میر منگو، ہر ولوا، باغیاں وجہ سے امراء درباری، علماء اور بادشاہ اس سے بدظن ہو گئے تھے۔ مظفانی بیگم کو زہر دینے کا شہ اس پر کیا جانے کا کیونکہ وہ اس کی قید میں ہے۔ اس نے نواری طور پر خوب سعید کو بلا با، جب دونوں بھائی کئی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تو بھکاری خاں کو مشورہ دے لے بلایا گیا۔ اگرچہ خوب مرزا خاں بھکاری خاں کے منصوبہ اور دعوایں سے حاکم پنجاب بنا تھا مگر دل سے وہ بھی مرزا خاں سے ناخوش تھا۔ اس کا خیال تھا کہ خوب مرزا خاں اس کی خدمات کے اعتراف میں اسے امیر الامراء کے عہدے پر بحال کر دے گا مگر اس نے ہمارے عہدے پہنچے بھائیوں اور دوستوں میں تقسیم کر دینے تھے۔ بھکاری خاں نے یہ ناخوشی کس پر ظاہر نہ ہونے دی تھی! مظفانی بیگم کی پیادگی کا سن کر اسے خوشی محسوس ہوئی۔

”ہم سمجھتے ہیں بیگم صاحبہ کے علاج کے لئے نواری حکما کو بھیجا لازم ہے۔“ بھکاری خاں نے رائے دی۔
 ”ہم سنتے ہیں کہ وہ کسی حکیم سے علاج ہر آوارہ نہیں۔“ خوب مرزا خاں نے اپنی بجموری بیان کی۔
 ”ان سے دریافت کیا جا سکتا ہے اور ان کی پسند کا حکیم بھیجا جا سکتا ہے۔“ بھکاری خاں نے تجویز کیا۔
 ”یہ بہت مناسب مشورہ ہے مگر ان سے پوچھنے کا کون؟“

”ان کے ماسوں خوب عبداللہ خان اس کام کے لئے سب سے مناسب رہیں گے۔“ بھکاری خاں نے بتایا۔

”سوچ کر اس کی دعا میں غلطی بھر گیا۔“ دات گہری ہو رہی تھی اس کا دل چاہتا تھا وہ دات سےیں گزار دے۔ شہباز کو آج: کچھ کر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ”بیگم عالیہ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ اس نے پوچھا۔

شہباز نے اپنے ہونٹوں پر ہلکی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ”بیگم عالیہ کو بے ہوشی کا دورہ پڑ گیا تھا۔“ اس نے سرگوشی کی۔ ”یہ خبر حویلی سے باہر جانا نہیں کھوارا نہیں۔“

”مرض کیا ہے؟“ طہاس خاں نے فکرمندی سے پوچھا۔

”کچھ معلوم نہیں، ان کا جسم بھی اپنی طرح بٹلا پڑ جاتا ہے جس طرح بڑے نواب اور گھوڑے نواب کو ہوا تھا۔“

”خدا نہ کرے بیگم عالیہ کو بھی۔۔۔۔۔“
 ”ایسی بات منہ سے نہ نکالو۔“ شہباز نے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کی آنکھیں جھپک رہی تھیں۔

”کیا تم بھی میرے غلطی پر شبہ کرتے ہو؟“
 طہاس خاں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔
 ”میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ شہباز بھی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

”خدا کے لئے مجھے بیگم عالیہ کے حضور نے چلو۔ میں ان کے پاؤں پکڑ کر التجا کروں گا کہ اجازت دیں تو حکیم لادوں۔ میں ان کے پاؤں تک نہ چھوڑوں گا جب تک وہ مان نہ جائیں۔ ہمیں کچھ کرنا چاہئے، بیگم عالیہ اس دنیا سے اتنا آخری سہارا ہیں۔“ اس نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیئے۔

”اب تو ان کی طبیعت اس قابل نہیں صبح بحال ہوئی تو میں درخواست کروں گا کہ وہ میرے تو تم سےیں ظہر جاؤ مگر کمرے سے باہر نہیں جانا ہوگا، کسی اور نے دیکھ لیا تو شکایت نہ کرنے۔“

اس لئے فوری طور پر خولید مرزا خان کے پیغام کے ساتھ ایک سواد دست ملک پور روانہ کر دیا گیا۔

خولید سعید کی پریشانی کتنا داری آگھوں میں جھٹکنے لگی، بیگم کی حویلی کے پیریدار چاک و چوبند تھے لیکن خولید سعید میں پہلے دلی چستی اور جوش نہیں سمی معلوم ہوتا تھا اس کا جسم تو خبیہ میں ہے مگر روح کہیں دور چلی گئی ہے۔

ملک سجاد صبح حویلی میں داخل ہوا تھا۔ اب دو پہر ڈھلنے والی تھی، ملہماں خاں نے کچھ دیر پہلے بتایا تھا کہ بیگم عالیہ کو پھر بے ہوشی کا دررہ پڑ گیا ہے۔ اس لئے ملک سجاد کو ان کے حضور پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ظہر کی اذان ہوئی تو وہ بے دلی سے اٹھا لیکن سجد نہیں کیا۔ کتاہار کو پانی اور جانم زلانیہ کا حکم دیا، اپنے رستہ کے سواروں کے ساتھ

دو جن نماز پڑھی۔ نماز کے بعد وہ چائنا ڈپو کانی دیر تک بیٹھا سوچتا رہا کہ اس کے بھائی کا مروجہ ان کے خاندان کی باستان زوال کا باب اولیں تو نہیں بن جائے گا؟ اس لئے بیٹا چاہے اس کا اپنا کردار کتنا ہے؟ بھکاری خان نے دینی فرائض ان کے پردہ میں ان سے اپنی گرفتاری اور حراست کا بدلہ تو نہیں چکا دیا؟ اگر سلفانی بیگم کو بھی زہر دیا گیا ہے تو کس سے دیا ہے؟ ان کے بھائی نے تو نہیں

ولاہا؟ بیگم بھکاری خان کی سازش تو نہیں؟ سلفانی بیگم مرگئی تو خولید مرزا خان کو خراب دینا پڑے گا۔ بھکاری خان زہر دلا کر دونوں سے بدلہ تو نہیں لے رہا؟ خولید سعید ایک سابق فضا، وہ اکتدار کے تھیل کی جالوں سے واقف نہیں تھا، سلفانی بیگم کی بیاد نے اس کی سوچ کو اچھائی راہوں پر زوال دیا تھا۔ بھکاری خان نے سلفانی بیگم کو اکتدار سے محروم کر کے خولید مرزا خان کو حاکم پنجاب بنانے کا منصوبہ ان کے ذریعے خولید مرزا خان تک پہنچایا تھا۔ اب تک ہر مرحلہ پر بھکاری خان نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ خولید مرزا خان نے اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا

خولید مرزا خان بیگم کے ماسوں کا نام سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ اسے سمجھنا چاہئے یا نہیں، اسے خدشہ تھا کہ ماسوں بھانجی مل بیٹھے تو کوئی نیا فتنہ کھڑا کر دیں گے۔ بھکاری خان ان کے چہرے کے ادراج حاد کا جائزہ لیتے دگا، اس نے خولید سعید اللہ کا نام بلا جواز پیش نہیں کیا تھا۔ خولید مرزا خان کے لئے ان کی جو بڑا ماننے سے اسے مسز ذکرا اور بیگم دشاوتھا۔

”خولید سعید ہم چاہتے ہیں خولید سعید اللہ تک ہماری خواہش پہنچا دی جائے اور ان کے بیگم سے ملنے کا جلد از جلد اجازت کیا جائے۔“ اس نے مجبوراً اٹھ رہا۔

خولید سعید نے قہر لکھ کر سر جھکا دیا۔ ”خولید سعید نے نہ پھر تک نہیں بیگم کو وہ پہنچا دیا جائے گا۔“

”آپ کو بیگم کی بیادوں کا حکم کیسے دیا؟“ بھکاری خان نے پوچھا۔

”ملہماں خاں نے ابھی صبح خبر دی ہے۔“

”گو باہا اور نجور کو کہہ دیجئے کہ خبر مفید رہا۔“

”ہم آپ کی فرمائش کے ہمیشہ سے مستزف ہیں۔“ خولید مرزا نے جواب دیا۔

سلفانی بیگم کی بیماری کے بعد دونوں شہر اور صوبہ کے حالات پر بنا لہ خیال کرنے لگے۔

خولید سعید نے واپس آ کر بتایا کہ خولید سعید اللہ خان سلفانی بیگم سے ملاقات کرنے پر بنا نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ان کی بھانجی نے اس کے خاندان کے لئے نیک نامی نہیں کمانی۔ خولید مرزا خان کے لئے اب در بھی پریشان کن خبر تھی۔ پرانے امراء سے مشورہ کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ ملک سجاد کو سلفانی بیگم کے پاس بھیجا جائے۔ میر منوکی وفات کے وقت ملک سجاد کے کردار سے تو خولید مرزا خان واقف تھے لیکن انہیں یہ علم نہ تھا کہ سلفانی بیگم اس پر اتنا اعتماد کرتی ہیں۔

اس جو بڑ پر عمل سے کسی سازش کا بھی خطرہ نہیں تھا،

”بیگم صاحبہ کے ملازمین میں سے کسی سے نہباہا تعلق ہے؟“ خوب نے کماندار سے پوچھا۔
 ”ایک دو ملازم جو باہر کے کام کے لئے آئے ہیں، ان سے کبھی بات چیت ہو جاتی ہے۔“ کماندار نے عرض کیا۔

”کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ حویلی کے حالات اور بیگم کی صحت کے متعلق ان سے معلومات حاصل ہوتی رہیں۔“
 ”حضور کے ارشاد پر ہم نے پہلے بھی ویش کی تھی مگر وہ کچھ بتانے پر تیار نہ ہوئے، اب بھر کوشش کرو کھینے ہیں شاید کوئی چیز ہو جائے۔“

”اب بہت ضروری ہے، اب تمھو پہرہ کے علاوہ کبھی نہباہا فرض ہے۔ جو انعام و بنا پزیرے تمھیں اس خاں کو اس کا نہیں ہو سکتا، وہ اسے طور پر کام کرتا ہے۔“
 ”حضور کے ارشاد کی تعمیل کے لئے پوری کوشش کریں گے۔“ کماندار و اہل خانہ سنے پر رکھ کر کوٹھ میں چلا گیا۔

مغرب کی نماز کے بعد خوبہ سجدہ نشست پر دراز دن بھر کے واقعات دہرانے میں مصروف تھا کہ کماندار نے اطلاع دی کہ ملک سجاد اور تمھیں خاں حویلی سے برآمد ہو کر اچھرا رہے ہیں۔ خوبہ سجدہ سہا ہو کر بیٹھ گیا۔

”ملک سجاد کو تھوڑے حضور و پیش کریں اور تمھیں خاں کو باہر روک لیں، ہم ان سے گفتگو میں بات کرنا چاہتے ہیں۔“ اس نے حکم دیا۔

کماندار سلام کر کے خیمے سے باہر نکل گیا، ملک سجاد اور تمھیں خاں خیمے کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ کماندار نے آگے بڑھ کر ملک سجاد سے اس طرح بات چیت مایا جیسے ان کے ہاتھ کی مضبوطی کا اندازہ کرنا چاہتا ہو۔ ملک نے ہاتھ دبا کر اپنے ادا و ادوت کا ثبوت فراہم کر دیا۔ ”خوبہ حضور آپ کے شکر ہیں۔“ اس نے خیمے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ابہ بھکاری خاں نے اسے ایکن آباد کے ضلع وار سے پنجاب کا حاکم بنا دیا۔ بھکاری خاں نے ایسا کیوں کیا؟ ضرور اس میں کوئی سازش ہے جیسے وہ سمجھ نہیں سکے گا۔ بھکاری خاں بھی کسی کا اٹا بھروسہ نہ تھا، اپنے دشمن خوبہ مرزا خاں کا اٹا بھروسہ دوست کیوں بن گیا؟ اس نے پہلے بھی ان پہلوؤں پر غور نہیں کیا تھا۔ شاید اس لئے کہ پہلے بھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس کو تباہی کے لئے اس نے اپنے آپ کو ملامت کی۔ اس کے آدمی حویلی پر پہنچا، ہیں۔ حویلی کے اندر سب ملازمین مسلمان بیگم کے اپنے ہیں، مگر بھکاری خاں نے ذہر دلوانا ہے تو کیسے؟ مگر جب ایکن الدین کو ذہر دیا گیا تو اس وقت بھی ملازمین تو مسلمان بیگم کے گھر کے ہی تھے۔ بھکاری خاں نے تمھیں خاں کی سازش کیوں کی تھی؟ وہ بھکاری خاں کی سازش اور مسلمان بیگم کی پاسوسی پر غور کرنے لگا۔

جب کماندار نے تمھیں خاں کی آمد کی اطلاع دی تو خوبہ سجدہ نے اسے ڈانٹ دیا پھر کچھ سوچ کر سبہ ولی سے کہا۔ ”حاضر کر۔“
 تمھیں خاں نے فریضی سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کہا خبر لائے ہو؟“ خوبہ سجدہ نے اس کی آنکھوں میں جمائکتے ہوئے پوچھا۔

”حضور! مسلمان بیگم ہوش میں آ چکی ہیں مگر ملک سجاد کو حاضر کر کے لئے ابھی نہیں بلا دیا۔ وہ پوچھتے ہیں انتظار کروں یا واپس چلا جاؤں۔“ تمھیں خاں نے جواب دیا۔

”جس کام کے لئے انہیں بلا دیا گیا ہے اس کی تکمیل ضروری ہے، بیگم صاحبہ کے حکم کا انتظار کریں، وہ جو حکم دیں ہمیں اطلاع دی جائے۔“

تمھیں خاں سلام کر کے خیمے سے نکل گیا۔

طہماں خاں ساتھ چلنے لگا تو کاغذار نے اسے روک رہا۔ "خوبہ ملک صاحب سے نکلنے میں بات کر بس گئے تم ادھر جمبو میں ابھی آیا۔" اس نے سپاہیوں کے خبر کی طرف اشارہ کیا اور ملک سجاول کے ساتھ خبے میں داخل ہو گیا۔

خوبہ سعید نے کڑے ہو کر ملک سجاول سے ہاتھ ملا با اور فالٹین کی طرف اشارہ کیا۔ "تشریف رکھیں، آپ کو زحمت ہوئی۔"

"ام نواب صاحب سے شکر گزار ہیں، انہوں نے اس لائن سمجھا۔" ملک نے ہنسنے ہوئے جواب دیا۔

"ہم سمجھتے ہیں بیگم صاحبہ کی طبیعت کچھ بحال ہو رہی ہے۔" خوبہ سعید نے پرچہ پڑھا۔

"میں نہیں کہہ سکتا، بیگم صاحبہ کی طبیعت بحال ہو رہی ہے یا نہیں۔ آپ کو خبر لگنی ہوگی کہ انہیں بے ہوشی کا پھر دورہ پڑا تھا۔ ان کا کہہ رہے ہیں کہ کئی روزوں کے باوجود انہوں نے حاضری کی اجازت رستے رہی۔" ملک سجاول نے جواب دیا۔

"میں امید ہے آپ نے بیگم عالیہ کو بتا دیا ہوگا کہ نواب خوبہ مرزا خان ان کی صحت کے بارے میں بہت فکر مند ہیں اور علاج کے لئے ان کے قلم کے حنظل ہیں۔"

"میں نے بیگم عالیہ کو سب کچھ بتا رہا ہے مگر وہ کسی طیب اور ایشاد کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکیں، انہیں شبہ ہے کہ..."

"میں سمجھتے ہیں ان کا شبہ جائز ہے مگر نواب خوبہ مرزا خان پر انہیں اعتماد کرنا چاہئے۔ بیگم صاحبہ جانتی ہے کہ اس میں نواب کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ نواب خوبہ مرزا خان ایسے نہیں۔" خوبہ سعید نے اس کی بات کا نئے ہونے کہا اور ملک سجاول کے پیرے کے ہاتھ چڑھاؤ سے اس کی بات کا جائزہ لینے لگے۔

"میں نے بیگم صاحبہ سے درخواست کی ہے مگر انہوں نے اتفاق نہیں کیا۔"

خوبہ مرزا نگر مندی سے اپنی راہگی میں اٹھیاں پھیرنے لگے۔ "بیگم صاحبہ اپنی پسند کے کسی طیب کو طلب فرماتا چاہیں تو ہم ہر سہولت فراہم کرنے کو تیار ہیں۔"

"اس شہر کے کسی طیب اور حکیم پر انہیں اعتماد نہیں، اس کی وجہ یہی سمجھ آئی ہے۔"

"وہ دہلی اور قندھار سے طیب منگوانا چاہیں تو نواب مرزا خان اس کا بھی اہتمام کر دیں گے۔"

"میں نے بیگم صاحبہ سے اس موضوع پر بات نہیں کی لیکن شاید پندرہ یا تیس مہلت نہ دے۔" ملک سجاول کے جواب میں پریشانی تھی۔

"پندرہ درخواست ہے کہ آپ آج کی رات ہی میں کھپ میں ٹھہریں آپ کے آرام کا پورا انتظام کر دیا ہے۔ بیگم صاحبہ کو اطلاع دی جاوے گی وہ جب مناسب سمجھیں آپ ایک ہزار حاضر رہیں اور انہیں بتائیں کہ باہر سے کسی طیب یا حکیم کو بلوانا چاہیں تو نواب مرزا خان کو بتا کر آئیں۔"

"بیگم عالیہ کی صحت کے لئے میں جب تک ضرورت ہو یہاں ٹھہرنے کو تیار ہوں۔" ملک سجاول نے جواب دیا۔

خوبہ سعید نے ساتھ ساتھ بلا بلا اور ملک سجاول کو قیام و آرام کا انتظام کرنے کا حکم دے کر دریائی علاقہ میں اس و امان کی صورت حال پر بات کرنے لگا۔



سردی اور کبر سے سرکڑے کا جنگل کسی سوختہ جاں ماش کی مانند ہو چکا تھا۔ لب جسمہ نم جاں اور نم سوختہ جنگل میں سے گھوڑوں اور جنگجو سواروں کے لئے راستہ مشکل نہیں تھا لیکن سمت کا نہیں دشوار ہو رہا تھا۔ کوہ شراک

ان کے حوالے کیا اور پھول جنگل میں غائب ہو گیا۔
 نالے کا پانی بہت شفاف تھا، اتنا سبک خرام کہ سبغ آب نہ
 چھوئے والی سورج کی کرن بھی گھرائی کی پتلیوں کے
 پرے سبز میں صاف نظر آتی تھی۔ اگر وہ تھک کر سبز پر
 ہوتے تو گھوڑوں سے اتر کر سبزہ کے فالین پر بیٹھ کر کسی
 ساتھی کو بھرسی سے ہم کام ہونے کو کہتے۔ ہم سب
 سو بیٹیوں کی سلامتی میں ہوتے تو جنگل ان کے گھوڑوں سے
 گھونچ جاتا۔ ہر سب خاصا سوسے تھے، کافی دیر بعد ان کے
 ساتھی کا سبزہ سر کندوں کے اوپر سوار ہوا تو ملک قاسم نے
 گھوڑے کی بائیں ذیلی چھوڑ دی۔

”مستکم۔۔۔ بے کدو آدمیوں سے زیادہ حاضر نہیں ہو
 سکتے۔“ واہس آتے والے ساتھی نے بتایا۔

”ملک قاسم نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔
 ”آپ کا جاننا ضروری ہے، ہم سبیں انکھار کرتے
 ہیں۔“ تو نوجوان اذ بیک سوار نے کہا۔
 ”ملک قاسم اور ان کا ساتھی جنگل میں غائب ہو
 گئے۔“

”یہ دہائیوں لوگ تو زیادہ لوگوں سے اتنا خوفزدہ کیوں
 رہتے ہیں۔“ اذ بیک دستہ کے کماندار نے اپنے ساتھیوں
 کی طرف دیکھ کر مستحکم ہونے پر چھا۔

”ان کے پاس حنائی دستوں کی تنخواہ کے لئے
 پیسے جو نہیں ہوتے۔“ دوسرے اذ بیک نے ہتھبہ لگایا۔
 ”ہم نے تو سنا ہے سکھ ان جنگلوں میں چھپے رہتے
 ہیں اگر وہ آج آجائیں تو ان کا کیا انجام ہو؟“ کماندار نے
 کہا۔

”ان کی واڑھیوں اور سر کے بالوں کو دیکھ کر دو
 سمجھتے ہوں گے یہ بھی اپنے بھائی بند ہیں۔“ ایک اور نے
 ہتھبہ لگایا۔

”وہ اٹنے بھی سکھ نہیں سب جانتے ہیں۔“ کماندار
 سمجھیدہ ہو گیا۔

سے آگے برف پڑی پہاڑ اور چٹانوں جب اپنا وجود
 سیٹ لیتی تھیں تو راوی بھی مسٹ جاتا تھا اور دو رنگ پھلے
 جنگل بننے میں چھوٹے موندے ندی نالے وجود میں آ
 جانے تھے۔ جیسے گھوڑوں اور عکرائوں کے مسٹ جانے
 سے چھوٹے موندے راہوازے نواب اور عکرائوں وجود میں
 آ جاتے ہیں۔ جب دربار اور عکرائوں کے مسٹ جانے
 ہیں تو یہ ندی نالے ان کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ملک قاسم
 نے ایک چھوٹے سے نالے کو عبور کر کے مسٹ کے غضب
 کے لئے گھوڑے کی لگام کھینچی تو اس کے ساتھی بھی رک
 گئے۔ آسمان پر سورج کا زہرہ باریاب کر بیٹھے تو ہرنوں کی
 زار چرکڑیاں بھرنی ہوئی ان کے دوش سے گارڈ پھینچ کر کے
 غائب ہو گئی۔ کسی نے ہرن پر ایک تیر بھی نہیں چھوڑا۔
 سر کندوں کا ہر گھوڑوں کے تھنوں میں داخل ہوتا تو وہ
 خاص قسم کی آوازیں نکال کر سفر کی گوارائی کا اظہار
 کرتے تھے۔ سبیلوں پھیلے جنگل پھیلے پر مسلط خاموشی ٹوٹ
 جاتی۔ گھوڑوں کے مسٹوں کے نیچے پھلے جانے والے
 سر کندوں اور گھوڑوں کے تھنوں کی آوازیں ہوا کے دوش
 پر دو رنگ پھیل رہی تھیں۔ سواروں نے سر کندے کے تیز
 زخموں سے بچنے کے لئے موندے لباس پہن رکھے تھے مگر
 گھوڑوں کو سسکلیں زخم مہتا پڑ رہے تھے۔ جنگل کے
 درمیان میں درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس پہنچ کر ملک
 قاسم نے سوا بھنگا ہوں سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔
 ”خوفزد آگے جو نالا ہے اس کے اوپر کی طرف۔“
 ساتھی نے کہا۔

وہ نالے کے کنارے پہنچے تو سینکڑوں سر عابوں
 نے فضا میں بند ہو کر فز سرائی شروع کر دی۔ وہ نالے
 کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف چلنے رہے۔

”آپ رک جائیں پہلے اطلاع دینا ضروری
 ہے۔“ ان کے ساتھی نے کہا۔

سب نے گھوڑوں کی دگائیں کھینچ لیں اس نے گھوڑا

ہونے تھے جیسے کسی مندر میں کالی دیوی کا بت پہلی بار دیکھنے سے ہونے ہیں۔ ازبک سواروں نے آگے بڑھا کر سلام کیا، سلام کا جواب دے کر بزرگ دو دیش نے پنجابی زبان کا ایک شعر پڑھا۔ ازبک کماندار نے ملک قاسم کی طرف دیکھا لیکن اس کے جواب دہنے سے پہلے دو دیش نے ازبکوں کی مادری زبان فارسی میں اس کا ترجمہ کر دیا۔

”خدا نغالی کی اس سلطنت میں دنیاوی سحر انوں کے محافظوں کی حفاظت خدا خود کرتا ہے، جس میں تم با فکر کی ضرورت نہیں ہونا چاہئے۔“

کماندار نے فارسی میں خدا نغالی کی عنایات اور کرم فرمائوں کا ذکر کیا اور کہا۔ ”ہم خدا کے سیاسی ہیں، مادوی جان خدا کے لئے وقف ہے، ہمیں زندگی کا بھی خوف نہیں رہا۔“

”بہت خوب بہت خوب، مائا، اندہ خدا نغالی اپنے سپاہیوں کے سروں پر ہمیشہ اپنی رحمت کا سایہ رکھے۔ مبراوک کی سخی ہیں وہ مائا جن کے بیٹوں نے دنیاوی جانکوں سے ملنے والی تحواہوں کے بدلے اپنی جانیں خدا کے ہاتھ بچا دی ہیں۔ خدا کے ایسے سپاہیوں کو ہم ایک بار پھر سائیم عرض کرتے ہیں۔“

دو دیش کی بات ازبک کماندار کی ذہال چیرنی ہوئی اس کے سینے میں چاہو بست ہوئی۔ اس نے آنکھیں نیچی کر لیں اور پھر انھیں دو دیش کے چہرے کی طرف دیکھنے کی جرات نہیں کی۔

مغلائی جیمہ ریشمی فالینوں کے فرش پر آنکھیں بند کئے نیم دراڑیں، گل ہنشد کے قدموں کی آہٹ ہر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

”ملک سجاد لدم ہوتی کے لئے حاضر ہیں؟“ گل ہنشد نے عرض کیا۔

”اجازت ہے۔“ مغلائی تیمتھیوں کے سہارے

”کہا یہ درست ہے کہ سکھ مسلمان صوفیا کی روحانیت کو مانتے ہیں؟“ ایک سوار نے پوچھا۔

”ان کی روحانیت نو مغلائی تیمتھی بھی مانتی ہے، سکھ کیسے انکار کر سکتے ہیں؟“ دوسرے نے کہا اور سب ہنس پڑے۔

”ملک قاسم نو کہتا تھا، اس جنگل میں شیر اور چبھنے بھی آ جاتے ہیں۔“ ایک سوار نے کہا۔

”انہیں دکھ کر یہ دوخت پر چڑھ جانے ہوں گے، وہ بتا رہے تھے سخیل کے جس دوخت کے نیچے یہ رہتے ہیں وہ بہت گھنا اور اونچا ہے۔“ فوجیہ باز نے جواب دیا۔

”مغلائی تیمتھی کو اس جنگلی دو دیش کا علم کیسے ہوا؟“

”اس کے مرید ملک قاسم نے بتا ہوا۔“

”او دو خلیجہ مرڈانان مان سئے؟“

”مجبوری ہے، مغلائی تیمتھی کوئی ہم آپ جیسی مرلیض خود نہیں۔“

”اللہ انہیں صحت عمارت فرماوے، ان کی وجہ سے کتنے جوانوں کا روڈو لگا ہوا ہے، وہ مرلیض نو دوسرے نے ہی روز ہم سب کو ایسے جنگلوں میں سکھوں کو تلاش کرنے بھیج دیا جائے گا۔“

ملک قاسم اور دو دیش جنگل سے برآمد ہوئے تو وہ سب خاموش ہو گئے۔ دو دیش گھوڑوں پر سوار تھے، ملک قاسم اور اس کا ساتھی گلاس تھا، آگے پہلے آ رہے تھے۔ ملک قاسم کے گھوڑے پر سوار دو دیش کے سر کے لیے سفید بال ان کے شانوں پر گھرے تھے۔ سفید داڑھی گھوڑے کی کاٹی کو چھوری تھی، تورا چنا دگ سونی چکدا اور آنکھیں لمبی تاک اور تیکھے نفوس جسم ہیز جھ میں پوشیدہ جو کوئی ان کے چہرے کی طرف دیکھتا فوراً آنکھیں پٹی کر لیتا۔ دوسرے دو دیش کی داڑھی اور رنگت دونوں سیاہ تھے، سیاہ عمامہ، سیاہ چنڈ، سیاہ آنکھیں ان کی طرف دیکھنے سے خوف اور حیرت کے ایسے ہی طے طے جذبہات پیدا

سیدنا ہو کر بیٹھ گئیں۔

کا؟" بیگم نے پوچھا۔

"ملک سجادوں کے قبیلہ کے نوجوان بناؤ ہیں، آپ مناسب سمجھیں تو انہیں اجازت دیں۔" سیاہ پوش نے عرض کیا۔

"باجازت دینا پڑے گی مگر نوجوان ایسے ہوں جن کے دل دماغ اور بازو وقت قبل مجروح ہوں۔"

"وہ سفارت کی نزاکت اہمیت اور خطرات سے واقف ہیں۔"

"ہمیں ملک سجادوں اور ان کے قبیلہ پر ہمیشہ اعتماد اور فخر رہا ہے جنہوں نے آزمائش میں ہمارا ساتھ دیا۔ ہم نہیں جانتے اس احسان کا بدلہ کیسے اور کب دے سکیں گے۔ ان کے احسانات کا بوجھ بہت ہوتا جا رہا ہے۔" مظلانی بیگم کی آواز احساس بے بسی سے کانپ رہی تھی۔

"ہم چاہتے ہیں کہ خواجہ عبداللہ کی سفارت جلد از جلد روانہ ہو جائے، آج کے کا سوئم انہوں کے لئے گرم ہوگا۔"

"آپ نکل بیٹھ جگ پور روانہ ہو جائیں، رات تک خواجہ عبداللہ اور باور بیک آپ کے پاس پہنچ جائیں گے، انہیں روانہ کر کے آپس واپس آ جائیں۔" بیگم نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"بندہ صبح نماز کے بعد روانہ ہو جائے گا، شام تک سب سفر کے لئے تیار ہوں گے۔" ملک سجادوں نے جواب دیا۔

"قلندر بابا اور خان بابا چند روز یہاں رہیں گے، آپ بھی آ جائیں تاکہ خواجہ سعید کو کوئی شہ نہ ہو۔" بیگم نے کہا۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔" ملک سجادوں نے جواب دیا۔

"خان بابا رفت کی کراہت بھی قابل مجروح نہیں رہی، نہیں معلوم ہم تمہیں پھر خورج دیابت دے سکیں گے یا نہیں۔ سفارت کا نتیجہ کچھ بھی ہو مگر قلندر بابا کے ساتھ رہو

ملک سجادوں آداب سے فارغ ہو کر بات کرنے والا تھا کہ مظلانی بیگم نے پوچھا۔ "ہم سمجھتے ہیں آپ اکیلے نہیں آئے۔"

"حضور قلندر بابا اور خان بابا حاضری کے منتظر کھڑے ہیں۔" ملک سجادوں نے بتایا۔

"ہم ان کے منتظر ہیں۔" بیگم نے کہا۔

ملک سجادوں دروازوں پر روٹیوں کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا اور روٹیوں نے بیگم کو بیگم کو خوشی سلام کے اور ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

"قلندر بابا آپ نے تو خان بابا کی رنگت بھی تبدیل کر دی۔" مظلانی بیگم نے انہیں ہنسنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"زندگی کی آزمائشوں میں انسان کو بہت کچھ بدل پڑتا ہے۔" قلندر بابا نے جواب دیا۔

"ہماری خواہش تھی کہ باور بیک بھی موجود ہوں، ہم انہیں کچھ دیابت دینا چاہتے تھے۔" مظلانی بیگم نے کہا۔

"وہ خواجہ عبداللہ خاں کی حوصلی میں پہنچ چکے ہیں اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔" ملک سجادوں نے بتایا۔

"ہم سمجھتے ہیں آپ نے قلعہ حار کے سفر کی تیاریاں مکمل کر لی ہوں گی۔" بیگم نے پوچھا۔

"جی حضور! سب تیار ہیں مکمل ہیں، آپ کے حکم کا انتظار ہے۔"

سیاہ پوش نے عرض کیا۔

"خواجہ سعید تمہاری توقع سے زیادہ ہوشیار ہے۔ اس نے ملک فاسم کے ہمراہ اپنے سوار اس لئے بھیجے تھے کہ وہ قلندر بابا کا ٹھکانہ دیکھ لیں۔ اس کے خبردار بھی جا سننے ہیں اس لئے تم میں سے کوئی قلعہ حار کے سفر پر نہیں جا سکتے مگر خواجہ عبداللہ خاں اور باور بیک کا ہم سفر نہ ہونا

"بھگوان کی کرپا سے خادم نے کبھی شکر ہات نہیں کی۔"

"ہم قرض کی ضمانت کے لئے چند نایاب سیرے فراہم کر سکتے ہیں۔"

"حضور اگر مجھوں نہ دوست نہ ضمانت کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔"

"ہم جانتے ہیں ایک مندی کو جس کی رہائی کا بھی امکان دکھائی نہ دے بلا ضمانت کوئی قرض نہیں اے گا۔"

"خادم کو یہ سن کر دلی دکھ ہوا ہے وہ ہتھ لے حضور آج بھی حاکم کشور خجابت ہیں۔"

"ہم ضمانتیں چمن لال تک پہنچا دیں گے حسابات دور کئے گا۔"

"خادم کی جان بھی حاضر ہے، جب حکم ہو جیسا کہ دوسرے گا۔" سو من لعل کا سرفالین کو چھوٹنے لگا۔

"بم آپ کے جذبہ کی قدر کرنے ہیں اور امید کرنے ہیں کہ اس کا صلہ دینے میں کامیاب ہوں گے۔"

"حضور کے خادم دن رات پر اتما سے دعا نہیں کرتے ہیں کہ خداوں کو ان کے جرم کی سزا ملے، آپ کا راج تباری و ساری ہو۔"

"تجربہ سے پیام کا انعام شبیہا کرنے گا؛ خوبی مسجد کو کرنا ہے۔" بیگم نے پوچھا۔

"خوبی مسجد کتب میں ہمارے منتظر ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"منا سب بنی ہے حکم ان کے سہانہ بخو، جب ضرورت سمجھیں گے ہم پیغام بھیج کر بلوایں گے۔"

"دو منبوں اٹھے اور سلام کر کے باہر نکل گئے اور مغلانی بیگم نے پھر سے انجانی رباوں پر نیش کے راہوار ڈال دیئے۔"

"خوبی مسجد مغلانی بیگم کے مرض کے بارے میں جاننے کے لئے ہے، تاب تھے۔" قلندر بابا کے حریف نے

کہا۔

گئے اور یہاں سے واپس جا کر مرزا کریم بخش سے رابطہ کر دے۔ ہم نہیں سمجھتے اس کی سب سبیا مشنر ہو گئی ہے، انہیں ہمارا بیٹا نام دہیں کہ زیادہ سے زیادہ سپاہیوں سے رابطہ رکھیں اور ہمارے حکم کا انتظار کریں۔"

"قلندر کی لڑائی کے بعد سے یہ شتر سپاہ مشنر ہو چکی ہے، کچھ مرزا آؤ نہ بیک کی فوج میں شامل ہو چکے ہیں مگر مرزا کریم بخش نے بھوانی داس کی حکومت قبول نہیں کی۔"

ان سے ذرا بیک کا رابطہ ہے اور دو دفع ضرورت کچھ سپاہ جمع کر سکتے ہیں مگر اسلحا اور چھوٹا ان کے پاس نہیں۔"

"قلندر بابا اور تم کو بلوانے کا اصل مقصد اسی بارے میں سوچنا ہے، سفارت کے سفر کے لئے اس کی زیادہ ضرورت نہ تھی۔" بیگم نے کہا۔

"ہم حضور کی نوافذات پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے۔" خان بانے دریاں ہاتھ بیٹے پر رکھ دیا۔

"قلندر بابا ہم سببانی زبان سے بھی ابھر سکتا چاہتے ہیں۔" بیگم سفید پوش سے مخاطب ہوئیں۔

"خادم کو حضور سو من لعل کہہ کر ٹھہر دین تو اسے دلی خوشی ہوگی۔ یہ تو میر منو کے احسانات نے اسے قلندر بابا بنا دیا ہے ورنہ آپ کے لئے دو اب بھی سو من لعل ہی ہے۔"

سفید پوش نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"سو من لعل نہ سمجھتے ہیں تم مرزا کریم بخش کی سپاہ کی ایک ماوی نخواستہ کے ذریعہ قرض کا بندہ دست کر لو گے۔"

"امر سفر اور لا اور کے ساتھ کاروں کے خزانے حضور کے قدموں میں ذبح کر کے خادم کو سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔" سفید پوش نے خوشامناسانہ اعزاز میں کہا۔

"تھیذ گئی تعداد میں مل سکیں گے؟" بیگم نے پوچھا۔

"دو پہ ہوتو سکھ جئے دار پنے ذاتی کر پان بھی سچ دیں گے۔"

"ہم سمجھتے ہیں تم ای ری راہیں پر پرتے اندو گے۔"

خطاب ہوئے۔ "بہاؤی کے بارے میں کچھ بتایا؟"
"کچھ نہیں حضور! انہوں نے کوئی بات کرنا پسند نہیں کیا۔"

خوبہ مسجد کے راہبوں کی بے نیازی پر بہت غصہ آیا مگر سب کر سکتا تھا۔ کروٹ بدل کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔
"اجازت ہونو کھانا، ہیں بھجوا دیں، شاید راضی ہو جائیں نا" کماندار نے پوچھا۔

"اس کی ضرورت نہیں، ہم ملک سجاوٹ کو بلاواؤ۔"
ملک سجاوٹ خوبہ مسجد کے لئے آراستہ خیمے میں داخل ہوئے تو آگے آگے رہے۔ "قلندہ بابا نے کہا ہے ہم نہ کسی حکمران کا کھانا کھائیں گے، نہ ساہنہ حکمران کا اللہ تعالیٰ خود اس کا انتظام فرماں گے، کسی کو لگے مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" ملک نے بتایا۔

"بجبر صلہ کی بیماری کے متعلق کیا فرماتے ہیں قلندہ بابا؟" خوبہ سعید نے پوچھا۔
"وہ کچھ بتانے پر آمادہ نہیں، فرماتے ہیں آج رات خدا تعالیٰ ہے رہنمائی کی درخواست کریں گے اور جو کچھ حکم میں بالکل بتائیں گے۔"
"کوئی دوائی بھی دی ہے؟"

"آج تو کوئی دوائی نہیں دی حسبِ واجب صلہ کے پانچ پینچے تو ان کی محنت کافی مناسب تھی ان کی موجودگی میں دورہ بھی نہیں پڑا۔ وہ قلندہ بابا سے بیماری کے بارے میں باتیں کرتی رہیں، میر منور حرم اور اپنے مرحوم بیٹے کی اچانک بیماری اور موت کے بارے میں بتایا تو قلندہ واپا ان کی خرداک کے بارے میں پوچھے رہے۔ صبح شام دو دو شریف کا وظیفہ کرنے کو بتا آئے ہیں۔"

"کل کس وقت دیکھیں گے بیگم صلہ کو؟"
"کچھ معلوم نہیں، بیگم صلہ نے کہا جب ان کی طبیعت مناسب ہوگی وہ بتا دیں گی تو قلندہ بابا نے جواب دیا اگر اس وقت وہ فارغ ہوئے تو آج جاؤں گے۔"

برآمد ہونے کی خبر ملتے ہی وہ فیصے سے باہر نکل آئے اور آگے بڑھ کر سلام کیا۔ وڈوں رویشوں نے بڑی بے نیازی سے سلام کا جواب دیا۔

"ملک سجاوٹ! یہاں قریب کوئی مسجد ہے؟" قلندہ بابا نے قاضی سعید کی موجودگی کو نظر انداز کرنے کے انداز میں پوچھا۔

"جامع مسجد یہاں سے دو تیس، آپ آئیں خیمے میں بکثرت رکھیں، نماز میں ابھی وقت ہے۔" قاضی سعید نے خیمے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم فیصلوں کے لئے ہر وقت وقت بچہ ہے۔ کسی کو ساتھ کر دیں تو بہتر وقت ملے۔" انہوں نے فرمایا۔
"قلندہ بابا نے کہا، اپنے ساتھی کو جیلے کا اشارہ کیا ان کا ارادہ دیکھ کر خوبہ سعید نے کماندار کو ساتھ کر

دیا۔ دونوں درویش اور ملک سجاوٹ مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ خوبہ سعید کھڑا دیکھتا رہا۔ سبھیوں نے دو دیشوں کے ہاتھوں خوبہ سعید کو رسوا ہوتے دیکھا تو دل میں بہت خوش ہوئے۔

کماندار نے واپس آ کر بتایا کہ قلندہ بابا کہتے ہیں ہم ذاتِ مسجد میں گزاریں گے۔

"تم نے انہیں بتایا ہوگا کہ ان کے قبام اور طعام کا دھرا انتظام ہے؟" خوبہ نے پوچھا۔

"میں نے بتایا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا ہے؟"
"کیا کہتے ہیں؟" خوبہ مسجد واپس کا شکار ہونے

لگا۔
"ان کا جواب تو حضور کے کانوں کے لئے مناسب نہیں سمجھتا۔ مطلب یہ تھا کہ وہ اللہ کے گھر کے مہمان ہیں۔ اللہ کی طرف سے انہیں کھانا پہنچ جائے گا، تم فکر نہ کرو۔"

"اس کا مطلب ہے وہ انہوں کو بھی ہم پر شہ ہے؟" خوبہ نے اپنے آپ سے کہا پھر کماندار سے

تک قلندر بابا سلفانی بیگم دو کھینے نہیں گئے تھے۔ ایک روز طہماس خان نے بیگم کا پیغام پہنچایا تو قلندر بابا نے جواب دیا۔ ”ہم آج فارغ نہیں۔“ انہوں نے خوب سید کو بیگم کی بہاری کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ ان سے بڑا اس کے کسی آدمی سے ملے تھے۔ امام سجدہ کو اپنے گھر سے کھانا لانے کی اجازت دے دی تھی اور دن رات سجدہ سے لکھنؤ جبر سے میں بند رہنے لگے۔ بیگم کی صحت کی بہتری کے بارے میں بھی کوئی خبر موصول نہیں ہوئی تھی۔ طہماس خان نے حوبلی کے ملازموں کے حوالہ سے خوب سید کو بتایا تھا کہ قلندر بابا نے بتایا ہے کہ بیگم کو کھانے میں ایسا زبردی جا رہا تھا جو آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے اور خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس شر کے بعد سے بیگم اور ان کی بیٹیوں کے لئے شہزاد خان کی نگرانی میں کھانا تیار کیا جا رہا ہے اور بارہ چھوٹا ملازمین کے احاطہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ خوب سید اس خبر پر بہت پریشان ہوا، اس نے خوب سید کو بتایا کہ انہوں نے شہزادہ کے بعد وہاں بیٹی پر پہنچے گا اگر ایسا ہے تو یہ بھی بھکاری خان کی سازش ہے جو انقلابی بیگم کو باک کر کے ان داد بیگم اور اس سے بنا کر اجازت صاف کرنا چاہتا ہے مگر فیصلہ کیا کہ وہ اپنے روبرو کے بھکاری خان پر چاہ رہے ہیں ہونے لگے کہ انہیں ان پر مشہد ہے۔

ملک سجاد نے بیگم کے حضور حاضری دی اور منام کو قلندر بابا اور ان کے ساتھیوں کو انہیں بکھنے لے گئے، وہاں آ کر انہوں نے طہماس خان کی خبر کی تصدیق کر دی اور بتایا کہ قلندر بابا نے امید ظاہر کی ہے کہ چند روز تک بیگم کی طبیعت بہتر ہونا شروع ہو جائے گی۔ خوب سید جانتا چاہتے تھے کہ کب دہلی بارہ چھوٹا زبردی جا رہا ہے، ملک سجاد نے اس بارے میں کچھ بتانے سے معذوری ظاہر کر دی اور کہا کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔

قلندر بابا جس طرح ان سے بے نیازی رہت

”آپ رات بچھ میں قیام کریں ہم صبح جلد آ جائیں گے، جب بھی اندر سے اطلاع آئے قلندر بابا کو بیگم صلب کے حضور پیش کر دیں۔“

”میں تو اجازت جا ہوں گا، مجھے کل ہر صورت ملک پور پہنچنا ہے۔“ وہ فیصلوں میں لڑائی کا سخت خطرہ ہے، کل اور پھر وہاں تک پہنچنا ہے۔ آپ کا حکم تھا آ گیا وہ نہ اتنی کسیدی میں آنا مشکل تھا۔ ملک سجاد نے بتایا۔

”ہماری خواہش تھی آپ یہاں رہیں، اور دونوں کے ساتھ رہیں ملے جانے، آپ ان سے بھی بات کر سکتے ہیں، بیگم صلب بھی آپ براہ نظر کرتی ہیں، آپ ملے گئے تو مشکل ہو جائے گی۔“ خوب سید نے اپنی مشکل بیان کر دی۔

”مجھ کوئی نہ ہونی تو حضور نے تمہاری تھیل سے خوشی ہوئی۔ آپ کے دست کے گاندرے رائے اور گاؤں دیکھ لئے ہیں، جب آنا چاہیں آپ دست ساتھ کر رہیں، جنگیں میں ہم ساتھ آئی بیچ رہیں گے۔“

”ہماری خواہش ہے کہ آپ فارغ ہو کر جلد واپس آ جائیں اور جب تک قلندر بابا یہاں ہیں آپ ہمارے ہمراہ رہیں۔“

”اگر حضور کا حکم ہے تو تھیل لازم ہے، ورنہ میں اس کی کوئی ضرورت نہیں دیکھتا۔“ ملک سجاد نے جواب دیا۔

”ہم ان کی ضرورت سمجھتے ہیں۔“ خوب سید نے کھڑے ہونے کہا۔

خوب سید کی سواری اور محافظ دستہ جیسے کے سامنے تیار کھڑے تھے، کھپ کے گاندرے کو ملک سجاد سے بات چیت کی روشنی میں ضروری ہدایات دے کر وہ لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گیا۔



روز روز بعد ملک سجاد راہیں آ گیا، ان کے آنے

اس سے بڑے نئے اور بارعام میں اسے حاکم پنجاب تسلیم کرتے ہوئے تمام فرمائوں اور استاد بران کی صبر قلموں سے لگے تھے لیکن جیسے ہی اس کی فوجوں نے سکسوں سے نلاف کامیابیاں حاصل کرنا شروع کیں ان میں سے بیشتر نے ایسا طرز عمل اختیار کرنا شروع کر دیا تھا جیسے وہ خود بخود ہوں اور حاکم پنجاب سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو۔ لاہور میں منیم امر اور سردار کھانے کی دعوتوں اور باج رنگ کی منتقلوں میں اسے ہر قسم کے نفاذ اور فرمانبرداری کا بغینہ دلانے میں عمر ضائع نہ کوئی اس سے نفاذ کرنا نفاذ اس کا حکم مانا تھا۔ خوب مرزا خان کی سپاہ سکسوں کے نلاف کا مدد دینے میں مصروف تھی اس لئے وہ جانتے تھے کہ ان حالات میں خود ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔ اپنے مرتبہ بلکہ اپنے سے بھی کم مرتبہ کے ایک ازبک نوجوان کو دل دو ماہ سے اپنا حاکم نانا خان کی فطرت کے خلاف تھا۔ خوب نے لپھاس خاں کو سلاخی بیگم ازخان کی حویلی کی چاسوی پر لگا لگا تھا مگر اس خدمت کے ساتھ ساتھ خود سلاخی بیگم اور بھکاری خان کے درمیان کراہیل کا نام بھی کرنے لگا تھا۔ سلاخی بیگم نے بھکاری خان کو پچاس ہجرت۔

”اہم دونوں کے مصائب کی وجہ غلط فہمیاں نہیں جو بعض مفاد پرست سرداروں نے ہمارے درمیان پیدا کر دی تھیں۔ اب ہم وقت در سے دلگ ہو چکے ہیں، اس حویلی میں فیروز بند کے دوران سابقہ حالات و واقعات کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے میں قنوسوں ہوتا ہے کہ ہم نے سر منو کے جاں نثار پر اعتماد کرنے کی بجائے ان مفاد پرست عناصر پر بھروسہ کیا۔“ سلاخی بیگم نے نہایت ہوشیاری سے بھکاری خاں کو اپنے منصوبہ کے بارے میں شبہ نہیں ہونے دیا، وہ جانتی تھی کہ لاہور اور پنجاب کے سرداروں میں سب سے زیادہ ہوشیار و تجربہ کار وار باثر ہے۔ اگر وہ اس کی بے بسی دور احساس نداشت برپا نہیں کر لیتے تو

رہے تھے اور ان کی طرف سے کوشش کے باوجود اب تک ان سے بات نہیں کی تھی اس سے خوب سعید کی پریشانی دور ہو چکی تھی۔

”فلندرز بابا نے کچھ بتایا ہے کہ اس سازش کے پیچھے کون ہے؟“ اس نے سوال کیا۔

”ایسی باتوں کا علم خدا تعالیٰ کو ہے وہ کہتا ہے کہ نہیں۔“ ملک بھالہ نے جواب دیا۔

جامع مسجد بیگم پورہ کے حجرے میں ایک ہفتہ بند رہنے کے بعد جب فلندرز بابا اور ان کے ساتھی خرید مسجد کے سواروں کے دستے کے ہمراہ ملک بزرگی طرف روانہ ہوئے تو سلاخی بیگم کی سمت بحال ہونا شروع ہو گئی تھی، خوب سعید اور خوب مرزا خان اس پر توجہ تھے۔ خوب سعید نے فلندرز بابا کو خدراہ پیش کرنا چاہا تو اس نے دنگار کر دیا۔

”ایک کو دکھ دے کر پھینچتے ہو، دوسرے کو خوش کرنے کے لئے پیش کرنے ہو۔ ہم اس دہنے والے سے مانگتے ہیں جو اپنے خزانہ سے دینا ہے اور ہمیشہ دیتا رہتا ہے۔“

اس ایک ہفتہ کے دوران سواروں نے لاہور کے ہندو ساہوکاروں سے سلاخی بیگم کے لئے قرض کی بات چیت مکمل کر لی تھی اور خوب عبداللہ خان اور نادر بیگ قندھار پہنچ گئے تھے۔

خوب مرزا خاں بیگم کی صحت کی بحالی پر تو خوش تھے مگر زبردستی کے بارے میں اس سازش کا جان کر انہیں اپنی سکرانی خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ بلکہ اس کی خان بیگم کو ہٹا کر انہیں لایا تھا، اس کے اثر و رسوخ سے اس کے لئے نفل دربار سے سند حکومت جاری کی گئی تھی۔ کہا اب وہ اسے ہٹانے کے لئے سازشیں کر رہا ہے؟ اسے نئے اندیشوں نے گھیر لیا۔ پنجاب کے نفل اور ترک سرداروں اور امرا نے شروع شروع میں اس سے نفل نفاذ کیا تھا۔ بہت سے ان سرداروں نے بھی جو مقام و مرتبہ میں

نوبیس اسی کے اور اڑوں پر آستمبر ہوں گی۔ کسی منورج
خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے فوری تیاری درمنصوبہ۔
سازی پر زور دینے ہوسے اس نے اس نے خطرہ کی دہ
دار کی حاکم و پنجاب پر ڈال دی جو اصلاح احوال میں تاکام
ربانغا۔

آدینہ بیگ کا مراسلہ ملنے ہی بعد الملک نے
اسرا نے دربار کے مسعود سے خدیو مرزا خان کو متوقع حملہ
کے مقابلہ میں تیار ہونے کھل کرنے کے لئے مراسلہ بھیجا
اور آدینہ بیگ کو حکم دیا کہ ابدانی کے حملہ کی صورت میں
سلطنت مغلیہ کے حکم خوار اور قذواری حیثیت سے دو
خدیو مرزا خان کی مدد کرے مگر اپنی طرف سے کسی مدد کے
بارے میں اس نے کچھ نہیں سمجھا۔ کن میں جنے ہوئے
حالات تی بھتے سنا جہاں آباد حاکم و پنجاب تی فوجی حد
کے قابل نہیں غنائین ہیں تاکر ابدانی الملک خدیو مرزا خان کو
بایوں نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آدینہ بیگ سے مراسلہ سے دو
اگیا ساں در زوات کے بارے میں مدد بھی مگر مند ہو گیا۔
آدینہ بیگ کی رعوت پر احمد شاہ ابدالی لاہور پر حملہ کر
کے پھر دست و پنجاب کو اپنی سلطنت کا حصہ فرار دے کر
مغلانی بیگم کو خانہ بنا دیا۔ تو اس سے ان کے اپنے
سیاسی مستقبل پر خوشوارا بات پڑی ہے اور بارشاہ کے
بدظن ہونے کا خطرہ ہوا کہ انہیں کے مخالف امرار بادشاہ کو
درخلائے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پنجاب ہاتھ سے
نکل جانے سے مغلیہ سلطنت کا دفاع مشکل ہو جائے گا۔
خدیو مرزا خان کو خدیو عبداللہ کی سفارت کی خبر سے
بعد عماد الملک کی طرف سے آخری آوی تک لاہور کے
دفاع کا حکم موصول ہوا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے از
میلے۔ فوری انداز کے طور پر اس نے مغلانی بیگم کی حویلی
پر پیرہ مزید سخت کر دیا اور خدیو قاضی کو کھسوں کے خلاف
مجم ختم کر کے ابدانی کو واپس بھیجے جانے کا حکم دیا اور خود
اسرا نے دربار اور اعلیٰ سیر کی مدد حاصل کرنے کی کوششیں

اس کا سارا کھپ ان کی بجائے خدیو مرزا خان کے خلاف
سازشوں میں لگ جانے کا اور اسے اپنا پروگرام عمل
نہ کرنے کا وقت مل جائے گا۔ خدیو مرزا خان اور اس کے
بھائیوں کے عمل اور اقدامات سے بھکاری خاں محسوس
کرنے لگا تھا کہ وہ اسے ساتھ لے کر نہیں چلنا چاہتے،
اسے ان سے اس مرد مہری اور احتیاط پسندی کی توقع نہیں
تھی۔ اس لئے وہ سوچنے لگا تھا کہ اگر خدیو مرزا خان امن
و امان بحال کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان کے پاؤں
مضبوط ہو گئے تو پھر وہ ان کے ساتھ کیا سٹوک کریں گے؟
مغلانی بیگم کے بارے میں اپنے پرانے رویہ اور ان کی
سوچ میں نئی تبدیلی پر غور کر کے وہ خدیو مرزا خان سے دور
ہونے لگا۔ مغلانی بیگم کو اپنے منصوبہ پر عمل میں ان سے
بہت فائدہ ہوا۔ خدیو مرزا خان کو خدیو عبداللہ خان کی
قد حار سفارت کا بہت دیر تک علم ہی نہ ہو سکا کہ تکہ اس کا
جاسوسی کا نظام خود اسے اصل حالات سمیت بے خبر رکھ دیا
تھا۔

آدینہ بیگ کے کج بخت بھوانی واس آسوں لاہور کے
حالات کے بارے میں تفصیل سے مراسلہ ارسال کر دیا
تھا۔ آدینہ بیگ اس نئی صورت احوال سے فائدہ اٹھانے
کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ جب بھوانی واس کا
مراسلہ موصول ہوا کہ مغلانی بیگم کا موصول خدیو عبداللہ
خان لاہور سے قد حار پہنچ چکا ہے تو آدینہ بیگ نے اپنی
منصوبہ بندی تیز کر دی۔ بھوانی واس کا مراسلہ موصول
ہوتے ہی اس نے فوری طور پر عماد الملک کے لئے مراسلہ
نیاد کر دیا اور اسے خدیو عبداللہ خان کی سفارت کی خبر سے
کردہ ظہار کیا کہ اگر احمد شاہ ابدالی نے مغلانی بیگم کی
دکوت پر لاہور پر حملہ کر کے پنجاب اپنی براہ راست
حکومت میں شامل کر لیا تو اس سے سنا جہاں آباد میں
حکومت کی بھار خطرہ سے میں پڑ جائے گی اور ابدانی کی

"اُس وقت لاہور دوسرے ملکوں پر حملے کرنا تھا، کسی کی جرأت نہ تھی جو اس طرف سنی آنکھ سے دیکھے۔" بوز سے صلاح نے سینہ تان کر کہا۔ "ان کی آواز کی ٹھٹھک اور آنکھوں کی چمک سے محسوس ہوتا تھا جیسے کسی بولا بود کی طرف سنی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی لذت اس کے خوف کی وجہ سے نہیں ہو سکتی تھی۔" ہمارے بزرگوں نے تابا کہ ان کی زندگیوں میں بھی کسی نے لاہور پر حملہ نہیں کیا تھا۔ ہمارے اپنے بچپن اور جوانی میں بھی کسی کو معلوم تک نہیں تھا کہ حملہ کیا ہوتا ہے۔ لوگ امن سے زندگی گزارنے لگے۔ آخر اُس وقت ہوئے تو دیکھنے لاہور کیسا شیر تھا، یہ لڑائیاں جھگڑے اور شور میں فوج تباری پیدا ہونے کے بعد شروع ہوئے ہیں۔"

"یہ سادا کام اس نے پیدا ہو کر خراب کیا ہے اگر یہ پیدا نہ ہوتا تو لوگ آج بھی امن اور خوشحالی سے زندگی بسر کر رہے ہوتے۔" ایک جوان نے مذاق لیا۔

"جھگڑنے شروع تو اس کی پیدائش کے بعد ہوئے تھے مگر نہ ہارنے پیدا ہونے کے بعد یہ اسے بڑھے کہ ختم ہی نہیں ہو رہے۔" بوز سے صلاح نے سرکراتے ہوئے کہا۔ "اس بارڈ وار ہذا اور واقعہ ہذا۔"

"ہم دونوں ہی ان جھگڑوں کے ذمہ دار ہیں، ہمارے ساتھ باہد میں پیدا ہونے والوں کا بھی اس میں کچھ حصہ ہے؟" دوسرے نوجوان نے پوچھا۔

"اس خرابی میں سب کا حصہ ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا وہ ذمہ دار نہیں۔" بوز سے صاحب نے جواب دیا۔

"نو آؤ ہم سب مل کر آج فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اپنی بسنی میں اب ہم کوئی نیچا پدہ نہیں کریں گے تاکہ نساؤ ختم نہ بھی ہو تو کم از کم اور بڑھے تو نہیں۔" اسی نوجوان نے کہا۔

"لو بھئی، بچے پیدا کرنے کا افسار بھی اللہ تعالیٰ

شروع کر دیں۔ اس نے آؤ بند بقیہ کے ذمہ اسلحہ میں اس کی دانائی بجاہری اور انتقامی جہارت کی بہت تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ مغلیہ سلطنت کے ٹمک خواروں اور وفاداروں کو اس نازک مرحلے پر متحد ہو کر سلطنت کا دفاع کرنا چاہیے۔"

لاحوں کی بسنی میں بھونہڑیوں کے طویل ہوتے سائے ایک دوسرے میں گم ہو چکے تھے۔ چلبوں سے اٹھنے والے چھوٹے لڑکے اور نصاب میں پہنچ کر ایک دوسری میں حمل لڑ کر ٹیکہ سفید پانوں کی صورت میں شہر کی طرف اڑی جا رہی تھیں۔ رادنی کے اوپر سے آنے والی ہوائی کیم یا محو کی شام بہت خوشگوار بنادی تھی۔ بسنی کے نیم پر ہونے لگے بھونہڑیوں کے سامنے کھیل رہے تھے اور ان کی مائیں رات اور اپنے خاندانوں کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ بسنی کے بوز سے اور جوان چوہان میں کافی کی صفوں پر بیٹھے حقہ پی رہے تھے اور سب سے بڑھا صلاح فوجیوں والے اچھے دنوں کے فیصلے بنا رہا تھا جب لاحوں کے لئے کوئی موسم بھی سندے کا موسم نہیں ہوتا تھا۔ ملک اور سو بے میں ہر طرف امن اور خوشحالی ہوتی تھی۔ سرکردہ بخاؤ کے تاجروں کے شاہجہان آباد جانے والے تانگوں اور لاہور کے تاجروں کے کامل وقت حار جانے والے تانگوں کو وہ سادہ سال دو با سے آؤ ڈالنے رہے تھے۔ گندم اور چاول کی فصلوں کی پیاری پرستی میں اس قدر غلبہ آتا تھا کہ کشناس کم پڑ جاتی تھیں۔ جن نوجوانوں نے حکومتوں اور حکمرانوں کی کزوری اور بدامنی کے دور میں آنکھیں کھولی تھیں وہ ان باتوں کو ایسی جراتی سے سن رہے تھے جیسے یہ کسی اور ملک کے قسے کہانیاں ہوں۔

"اُس وقت لاہور پر حملے نہیں ہوتے تھے؟" ایک

نوجوان نے پوچھا۔

داوی خدا کی حقوق کی راہ نہ دو گے۔" بس اس راؤ سے ملاح راوی پر حکومت کر رہے ہیں، کئی بادشاہ آئے اور بچے گئے مکران کی حکومت کو لی نہ چھین سکا۔

"ادھی روٹی کا سوال ہے بابا۔" حسنی کے ایک طرف سے آواز آئی۔

کالو خاشوشی سے اٹھا اور اپنی جمبو پڑی کی طرف چل دیا۔

"تیرے بچے کے پینے سے پہلے ادھی روٹی کھانے جا رہا ہے تو کہ اس کی پتی اسے پوری روٹی نہ دے دے۔" ایک فوجوان نے اسے جاتا دیکھ کر کہا۔

ابلی مٹھل نے اس زور کا تہذیب لگا لگا کہ "ادھی روٹی کا سوال ہے بابا" تہذیب کی گونج میں دب کر رہ گیا۔

بسنی کی جمبو تیز زبان رات کے اندھیرے میں گھل مل گئیں تو جمبو تیزوں کے سامنے کھینے والے بچے جمبو تیزوں میں داخلین چلے گئے۔ چڑھوں کی دانشمندی کی بجائے زبانوں کی دانشمندی رات کے اندھیرے میں گھنٹا لگتی تھیں۔ اور حالمات باتیں کرنے کرتے بار بار زبان کی طرف دیکھتا تھا۔

"منہ بزم کی نیت آج کچھ خراب دکھائی دیتی ہے، آسمان پر ستاروں کے قدم ڈولنے ہوئے عکسوں ہونے ہیں جو بچے کے کشتیاں تو ٹھیک سے باندھ دی ہیں؟" اس نے فوجوانوں سے پوچھا۔

ابلی مٹھل بھی آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔

"غیب سناؤ سے کچھ چیزوں کو دیکھو، ان کی آنکھوں میں پہلے والی چمک نہیں۔ آج ضرور کوئی گزبڑ ہونے والی ہے۔" بوڑھے ملاح نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

"بس جب شام کو کشتی باندھ دیا تھا تو ایک بڑی سی چمکی ستاروں کی طرف سے گمبے پانی کی طرف کو گئی تھی۔" ایک فوجو نے کہا۔

نے اسے دبا ہے۔" پہلے فوجوان نے ہنر کیا۔

"خوب نصیر کی اولاد ذریعہ نواس کا راوی نوران ہو جائے گا۔" بوڑھے ملاح نے آسمان کی طرف اکتھنے ہوئے کہا۔

"بابا! سارا پنجاب وبران ہو رہا ہے، جسہیں داوی کی فکر لگی ہے۔"

"پنجاب کا حاکم اس کی ویرانی کا ذمہ دار ہے، ہم خوب کی طرف سے داوی کے حاکم ہیں، ہم اسے آباد رکھنے کے ذمہ دار ہیں۔ ہر کسی کو اپنا فرض پورا کرنا چاہئے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"پنجاب کے حاکم ہر دوسرے سینے بدل جاتے ہیں، کبھی داوی کے حاکم بھی بدلے ہیں؟" فوجوان نے پوچھا۔

"جب تمہارا وہ بازو دن میں لہروں سے لڑنے کی طاقت نہ رہے گی تو خوب نصیر کسی دوسرے حاکم کو لے کر آئیں گے۔ انہیں راوی کو آباد رکھنا ہے، مخلوق خدا کو نہایت بہنایا ہے۔ جب تک تم بہ کام ہو اور کرتے ہو خوب کو نئے حاکم لانے کی کیا ضرورت ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

فوجوان بوڑھے ملاح کی بات پر کچھ دیر خاشوش رہے جیسے اپنی حاکمیت کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگے ہوں۔

"بابا! جسہیں معلوم ہے ملاحوں کو راوی کی مکرانی کب دی گئی تھی؟" ایک فوجوان نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"جب خدا انسانی نے زمین کے سینے پر دو پا کھودے تاکہ پہاڑوں کا پسینہ اور بادوں کا پانی میدانوں میں رہنے والوں کو ٹھک نہ کرے اور ان دو بادوں کے راستے سمندر میں چلے جائے تو دو بادوں کی مکرانی خوب نصیر کو دے دی تاکہ وہ انہیں قابو میں رکھیں۔ خوب نصیر نے ہاؤسے جوئے بزرگ کو بلا کر کشتی چلاوا سکھا اور داوی کی حکومت اس کے حوالے کر کے حکم دیا۔" دیکھنا

جاؤ۔ جب رات آدمی گڑو جاتے تو اس اپنے دوست کے بیٹے خواجہ کی دعوت میں شامل ہو جاؤ۔ فقیر نے کالو کا ہاتھ پکڑ کر مٹی میں لہا اور مٹی دے کر اس کی مٹی بند کر دی۔

"مگر آج تو موسم خراب ہونے جا رہا ہے۔ کالو نے مٹی بند کرتے ہوئے کہا۔

"پیغام پہنچانا ہزار فرض تھا، انہوں نے مانوسہاری مرضی ہے۔" فقیر نے کہا اور "آدمی روٹی کا سوال ہے بابا" کی صدا لگا تاہوا آگے جھپکا۔

کالو کشتی کھانے سے ہاتھ رہا تھا ناشانی مسجد میں سڑک کی اذان ہو رہی تھی۔ اس نے جلدی جلدی ہاتھ منہ اٹھائے اور صاف کئے اور جو تین گروہے قدموں جھونپڑی کی طرف چلے گئے تاکہ کسی کو پتہ نہ چل جائے کہ وہ زیات کشتی لے کر گئے گیا تھا۔ اس کی بیوی رات بھر جاگتی رہی تھی، جب وہ گیا تھا تو طوفان زوروں پر تھا۔ طوفان بھگت گیا تھا مگر اس کا دل اب بھی کانپ رہا تھا۔ "تم کشتی کے راز کھینچتے تھے" کالو کی بیوی نے رادی کے پار کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں اوسر بھی جانا پڑ گیا تھا۔" کالو نے سرگوشی کی۔

"تم تو کہتے تھے خواجہ حضرتی! ادھر دعوت ہے؟"

"اُن کے کچھ مہانوں کو ادھر پہنچانا تھا۔"

"خواجہ حضرت کو یہ بھی پتہ نہ تھا موسم اور دروہا کی نسبت ٹھیک نہیں، کسی اچھے موسم میں دعوت رکھ لینے۔"

"خواجہ حضرت دریاؤں کے بادشاہ ہیں، بادشاہوں کے کاموں کے بارے میں جھک جھک نہیں کیا کرتے۔ تم یہ دیکھو وہ ہم پر کتنے مہربان ہیں، اور بھی تو طالع ہیں اس قسمی میں۔" کالو نے بیوی کو ڈانٹا۔

اس کی بیوی خاموشی سے ابھی اور صبح کی نفاذ کی تیاری کرنے لگی۔

"خدا اپنی مخلوق کو آنے والے خطرات سے پہلے خبردار کرتا ہے۔ تم بھی جاؤ اور اپنی اچھی کشتیوں کو مضبوطی سے باندھ لو، جھونپڑیوں میں جانے سے پہلے سب کشتیوں کو دیکھو کہ ٹھیک سے بندھی ہیں۔" بوڑھے نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ نوجوان چٹائیاں لپٹنے لگے، اپنی تیزی سے دریا کی طرف چل دیے۔

"آدمی روٹی کا سوال ہے؟" فقیر ان کے فریب پہنچ گیا تھا۔

"بابا! موسم خراب ہو رہا ہے، آج پوری روٹی کا سوال کرو تا کہ جلد واپس چلے جاؤ۔" بوڑھے طالع کے پیچھے صاف اٹھائے چلنے نوجوان نے کہا۔

"فقر میں لالچ اور خوف گنہہ ہیں۔ طوفان کو نہ دیکھو جس نے طوفان جمع کیا ہے اس کے کرم پر نگاہ رکھو۔" فقیر نے کہا اور "آدمی روٹی کا سوال ہے وہاں کی صدا لگا تاہوا آگے نکل گیا۔

"ان درویشوں نے اپنی کشتیاں نوکل اور رضا کے کھونٹے سے باندھی ہوئی ہیں۔ ان کی سلطنت کے اپنے اصول ہیں جو ہم آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ان کے معاملات میں دخل نہیں، بنا چاہئے۔" بوڑھے نے نوجوان کو نصیحت کی۔

فقیر کی صدا سے جھونپڑی کی سرکنڈے کی دیواروں میں لہریں اٹھنے لگیں تو کالو جلدی سے روٹیوں کی چنگبر اٹھا کر باہر آ گیا اور ساری روٹیاں فقیر کی جھولی میں ڈال دی۔

"خواجہ حضرت کی دعوت کے لئے کسی کو آدمی سے زباد روٹی دینے کی اجازت نہیں۔" فقیر نے آدمی روٹی نوڑ کر دکھ لی اور بانی روٹیاں واپس کر دیں۔ "طوفان آتے ہیں اور گڑو جاتے ہیں، اپنی کشتی کو کھونٹے سے اور دل کو اٹھ کی مرضی سے مضبوطی سے باندھ کر بے فکر ہو کر سو

مرزا خان نے بناوٹی اعتماد و بے رخ آنے ہوئے
 پڑھا۔ "بابا خان ولی کے بارے میں کہا خبری؟"
 "جسکو ناکام رہی، ان کا کچھ پتہ مکان نہیں مل
 سکا۔" خوبہ سعید نے جواب دیا۔

"کچھ معلوم ہوگا کہ طوفان کی شب مزار پر سے جو
 درویش غائب ہوئے وہ کہاں گئے؟"
 "مجھے افسوس ہے کہ اس طوفان میں بھی کامیابی نہیں
 ہوئی۔"
 "وہ لازماً ان کے ساتھ گئے ہیں۔"
 "جسکو کرنے والوں کا خیال یہی ہے۔"
 "ابا تو نہیں کہ وہ قہقہہ کی فوجوں سے جا ملے
 ہوں؟"

"حضور کے مکان سے اختلاف کی گستاخی کی
 جرأت نہیں کر سکتا مگر اس طوفان میں راوی پاؤں کا ٹکڑا ٹکڑا نہ
 تھا۔ اس صبح وادی پار جانے والی کشتیوں کے کلاحوں سے
 اچھی طرح پوچھا گیا سب نے کہا کوئی درویش اس روز با
 اس سے دو تین روز بعد واپس نہیں آئے۔ لیکن آباؤ کے
 پرکٹ کے خبروں اور پوچھو سوں نے بھی اس ہفتہ میں کسی
 ذرویش کے گزرنے کی خبر نہیں دی بابا خان ولی کے حضور
 پرکرم کو بیکہ کران پر شبکی گھاس بہت کم ہے۔"
 "جوانی تو اس کیا کہتے ہیں؟"

"وہ بھی کل صبح سے اپنی حویلی میں نہیں پاسے
 سکتے۔"

"قدحاری نو جیس تیزی سے چمھی آئی ہیں مگر
 مرزا آویہ بیگ نے ہمارے مراسلہ کا ابھی تک کچھ
 جواب نہیں دیا۔ شاہجہان آباد کی خاموشی کا مطلب خلاف
 ظاہر ہے، افغان فوجوں کا مقابلہ میں کیلے کرنا تو رکا۔ ان
 کے لئے ہم نے کیا کیا؟" خوبہ مرزا خان نے پوچھا۔
 "سب فوجیں جہاں کے محاذ سے واپس ہٹ چکی ہیں،
 شہر کا دفاع اسوار ہے اور اہل شہر مستعد ہیں۔" خوبہ سعید

"میں آج کشتی نہیں کھولوں گا، کوئی پوچھے تو کہہ
 دینا کالو کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" اس نے منہ پر کپڑا کھینچنے
 ہوئے کہا۔

خوبہ مرزا خان بے چینی سے ٹھل رہا تھا، خادم خاص
 کمرے میں داخل ہوا، جھک کر سلام کیا اور دست بستہ
 خاموش کھڑا ہو گیا۔ خوبہ کسی سوچ میں اس قدر مگن تھا کہ
 اسے پتہ نہیں چلا کہ خادم کب آیا اور کب رکوگ سے فارغ
 ہوا۔ کافی دیر بعد اس نے داخلہ کے دروازہ کی طرف نگاہ
 اٹھائی تو خادم نے جلدی سے اپنی نگاہیں فرش پر گارہ
 دیا۔

"آجے خوبہ سعید؟" اس نے خادم سے اس انداز
 میں پوچھا جیسے جتنا چاہتا ہو کہ وہ ان کی آمد کے ساتھ ہی
 خبردار ہو گیا تھا مگر کسی خاص وجہ سے اس کے روع اور
 وجود کا فوس نہیں لیا تھا۔
 "جی حضور! خوبہ حاضر ہیں اور اذن با واپسی چاہتے
 ہیں۔" خادم نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"ہم شکوہ ہیں۔" خوبہ کی گرفت آواز پر دوں نے
 ٹکرائی، خادم کا نپٹا ہوا کمرے سے باہر نکلا گیا۔

خادم کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ با نودہ
 خیریت سے نہیں یا پھر خوبہ مرزا کے کمرے میں خیریت
 نہیں۔ "تم نے بہت تاخیر کر دی واپس آنے میں؟"
 خوبہ سعید کے چہرے پر تشویش کی لہریں گہری ہو گئیں۔
 "حضور آپ کے انتظار میں تیزی سے نکل رہے
 ہیں۔" خادم بدحواسی پر قابو نہ پاسکا۔

خوبہ سعید نے اس کے جواب پر غور نہیں کیا وہ
 جلدی سے بھاڑی پردہ بنا کر کمرے میں داخل ہوا تو خوبہ
 مرزا خاں اپنی نشست پر ردنی افروز ہونے سے ابھی
 فارغ نہیں ہو سکے تھے۔ وہ آداب بھال کر سامنے خاموش
 کھڑا ہو گیا۔ ردنی افروزی کے مراحل مکمل کر کے خوبہ

ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔" خواجہ مرزا خاں نے فیصلہ سنا دیا۔

"بندہ حضور کے حکم کا پابند ہے۔"

"ہم چاہتے ہیں راوی میں چلنے والی تمام کشتیوں پر قبضہ کر لیا جائے، شہر میں آنے اور باہر جانے والوں کی پڑتال کی جائے، بھکاری خاں اور ان کے ساتھی ترک امر ایہی کی گرائی سخت کرو دی جائے۔"

"تعمیر ارشد میں بندہ دشمن اور دوست میں امتیاز نہیں کرے گا۔"

"خواجہ کاٹھی کی فوج راوی کے کنارے حائل ہو جائے، افغانوں کو کسی صورت ارھر سے روکا عبور نہیں کرنا چاہئے، اپنی فوج شاندار باغ سے ان طرف کھینچ لگائے گی، جتنا جلد ممکن ہو سو روچہ بندی مکمل کر لی جائے۔" خواجہ مرزا خاں نے حکم دیا۔

خواجہ مرزا خاں نے حکم سے خواجہ سعید کے ذہن میں لڑائی کا نقشہ جتنا شروع ہو گیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے بڑے بیٹے جہان خان کی کمان میں وہی ہزار افغانوں کے اور در کی طرف بڑھنے کی اطلاع ملی تھی۔ مرزا کریم بخش اور ہزار فوج بھرتی کر کے خاندان کی ایجنی ایک اور نئے سپاہ کی تعداد سو ہزار سے زیادہ تھی۔ دیگر ترک امراء اور مغالی سپاہ کو لگا کر انہیں افغانوں پر کالی زبارو بڑی حاصل تھی۔ اپنے خجلائی میدان جنگ میں اس نے دونوں فوجوں کو آمنے سامنے کھڑا کیا تو بھائی کی نفسیاتی پہچانی پر اسے صدمہ ہوا مگر ان تصور کو زبان پر لاکر وہ اسے مزید تاراشی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے وہاں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر ہٹا دیا۔

"ہم امید فرمے ہیں کہ کل شام تک ان سب امور کے بارے میں ہمیں آگاہ کر دیا جائے گا۔" خواجہ مرزا خاں نے اسے اذکار ختم دیتے ہوئے کہا۔

خواجہ سعید نے ایک بار پھر سر تسلیم خم کیا اور کرے

نے جواب دیا۔
"خبر اچھی ہے مگر کب ضرورت کے وقت اہل لاہور پر دستور کیا جائے گا؟"

"ان کی بقیوں وہابی پر یمنین کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"بھکاری خاں کا رویہ کیسا ہے؟"

"تو میں دشمن سے حضور کے ساتھ ہوں۔"

"مرزا کریم بخش کی سپاہ کتنے فاصلے پر ہے؟"

"فاصلہ زیادہ نہیں مگر جب تک قندھار کی فوج پہنچ نہیں جاتی مرزا آگے نہیں بڑھتے، ان منزل میں ان کا انتظار کرے گا۔"

"مقبذ خانوں سے شکست کے بعد ہم افغان فوجوں کو شکست دے سکیں گے، کیا ایسے کو دھوکہ دیا تو نہیں؟" خواجہ مرزا خاں نے بھائی کی آٹھوں میں آکھیں ڈال کر پوچھا۔

"حضور کے جاں نثار وہابی جانوں کی ہرگز پروا نہیں کر رہے گے۔" خواجہ سعید نے آکھیں جھکا لیں۔

اسے احسان تھا کہ مقبذ خانوں سے شکست کے ساری ذمہ داری ان پر زانی جا رہی ہے۔

"خواجہ سعید! ہمارے جاں نثار خدا دہم تم ہیں اور ہمیں دھوکہ دینے والے زیادہ ہیں، ترک امراء اور سردار قابل بھروسہ نہیں، اہل شہر اور وہ قباہتوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے، کشور و پنجاب کی حالت زار کے ترک اور غل ڈمہ دار ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کا سفر غلط نہیں کہتا۔" خواجہ مرزا خاں کی بات سے ان کی پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"حضور نے جو فرمایا بجا فرمایا۔" خواجہ سعید نے فزنی کی طرف دیکھتے ہوئے افغان کیا۔

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم افغانوں سے کھلے میدان میں لڑیں گے، شہر اور قلعہ کی تفصیلات زیادہ دیر ہماری حفاظت نہیں کر سکتیں، محصور امراء اور عوام زیادہ دیر

اوپ سے نگاہیں جھکا ئیں۔ بیگم کے بعد احمد شاہ ابدالی کے جرنیل جہان خان، ان کے بیٹے ایمان خان اور مغلانی بیگم کے ماموں خواجہ عبداللہ خان داخل ہوئے اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

مغلانی بیگم کے اہل خانہ کی عمر اور سب کی دواوی کی دعاؤں کے ساتھ دربار کی کارروائی کا آغاز کیا گیا اور سب سے پہلے خاندانوں کو پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔ افغان سپاہی خواجہ مرزا خان، بیکار خان اور خواجہ سعید کو لے کر دربار میں داخل ہوئے تو کسی نے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ ان خبیثوں میں سے کسی کو نہ کوئی جھٹکائی نہ کسی نے کسی کے بازو باندھے گئے تھے سرسئی کے سر پر کھانا نہیں تھا۔ دو نظریں جھکائے انہم خلق میں سے چلنے ہوئے پھر وہ کہہ سانسے پہنچے تو بیگم کے صدم سے انہیں نشنیں فریادیں کر دی گئیں۔ دوسرے جھکا کر بیٹھ گئے۔ ان کے بعد خواجہ مرزا خان کے امراء دو بار اور فوجی کاندھاروں کو پیش کیا گیا، ان سب کو بھی پھر وہ کہہ سانسے پھٹا پکا چٹکا تو بیگم نے خواجہ مرزا خان کے براہم سے حاضرین کو آگے کر کے کا حکم دیا۔

خواجہ مرزا خان بتائی ہوئی دعوایں آپ سب کے درمیان موجود ہیں، آپ کو گواہ بنا کر حکام کشور پنجاب عالی مرتبت مغلانی بیگم اعلان عام کا حکم فرماتی ہیں کہ دو با دعام میں بڑھی جانے والی خواجہ مرزا خان کی تعدادی اور ملک حرامی کی تفصیلی میں اگر کوئی بات خلاف واقعہ ہو تو انہیں بلا خوف و خطر اس کی تصحیح اور تردید کا پورا پورا حق ہو گا۔ یہ اعلان با آواز بلند کرنے کے بعد خواجہ کے خلاف فروری میں پیش کی گئی۔

خواجہ مرزا خان اپنے تین مہمراز ایک سو اسی سالوں کے ساتھ نواب مسیحین الملک مغفور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نواب مغفور نے انہیں عزت اور ملازمت دی اور مسکوں کے خلاف ان کی کارکردگی کے اعتراف کے طور

سے باہر نکھل گیا۔ شیش محل کے بیرونی دروازہ پر پہنچ کر اس نے وہیں مڑ کر دیکھا تو اس کی نظروں کے سامنے بن حاکموں کے چہرے ابھرائے جو اس میں تاجیات تمام کے خواب لے کر آئے تھے اور دشمن خوابوں کی گھڑیاں کندھوں پر لا دو کر کھل دیئے گئے تھے۔

قلعہ کے دیوان عام کو جانے والے راستوں کے دونوں طرف مسیح سپاہی تقاریریں باندھے کھڑے تھے۔ نیچے آستان پر چوڑی آب و تاب لائے جلوہ افروز سورج کی شعاعیں شاہی قلعہ کے ایوانوں اور دالانوں میں بنی زندگی کا منظر دکھانے کو جھک جھک کر جھانک رہی تھیں؛ بشہر اور نواح شہر کے امراء، مشرفاء اور شہری افغان نیاہون کے درمیان سے گزر کر دیوان عام کی طرف رواں دواں تھے، وانظر بنا کر سپاہیوں کو دیکھنے اور نظریں جھکا کر چھٹا شروع کر دیتے۔ اہل لاہور خواجہ مرزا خان کی کلکتہ پر خوش تھے پھر شہر اور قلعہ پر افغانوں کے قبضہ سے ناراض ہوئے تھے۔ پہلے جب بھی احمد شاہ ابدالی نے لاہور فتح کیا تھا اہل لاہور کو اپنی خارج فوج سے مکمل غمناک دیا تھا۔ جہان خان کی فتح کے بعد پہلی بار افغان دستوں نے شہر میں داخل ہو کر لوٹ ماوی کی کوشش کی تھی اور شہر اور قلعہ کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ جہان خان کے حکم پر کچھ لوگ خوشی سے دو بار دس شریک ہو رہے تھے اور کچھ خوف کی وجہ سے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا انہیں کس لئے بلایا ہے اور جہان خان کس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے۔

دیوان عام ایک سرے سے دوسرے تک بھر چکا تو چوہدری نے حکام کشور پنجاب عالی مرتبت مغلانی بیگم کی آہٹ کا اعلان کیا۔ حاضرین کے چہروں پر سے خوف ڈھلنے لگا اور وہ تمام نگاہیں چہرہ روک کر طرف اٹھ گئیں۔ مغلانی بیگم کے نمودار ہوتے ہی سب حاضرین کھڑے ہو گئے اور

ان کے ساتھیوں اور حاضرین کو غور سے دیکھا اور مجرم کو
بعد برخواستہ دو بارندہ خانہ پہنچا دینے کا حکم دیا۔

بھکاری خان و ستم جنگ اپنے خلاف فرد جرائم سننے
کے لئے کھڑے ہوئے تو ان کا سر جھکا ہوا تھا۔ اسی دوران
عام میں جس کی شخصیں ان کے جاہ و دلال کے سامنے آتے
پڑ جاتی تھیں، وہ ایک مجرم کی حیثیت میں کھڑے تھے۔ وہ
اپنے پاؤں پر نظر کر جھائے نیچے کی طرف دیکھ رہے
تھے۔ مظالمی بیگم، جہان خان، امان خان، خواجہ عبداللہ
خان، امراء، شرفاء، علماء، خواہیں سب کی نگاہیں محض
الٹک مہر منو کے دست راست امیر الامراء بھکاری خان
رستم جنگ کے چہرے پر سرکڑ تھیں۔ پنجاب کا دارالحکومت
لاہور وہی تھا شاہی قلعہ اور اس کا دیوان عام بھی وہی
تھے۔ امرائے دربار اور بہت سے خدام وہی تھے مگر زمانہ
وہ نہیں تھا اور بار بار ناہور کا سب سے اٹل ٹرپیکار اور ہوشیار
جرنیل سب سے بڑے مجرم کی حیثیت میں سب کے
درمیان ایسے کھڑا تھا جیسے اپنی روح کی جلد پرواز کی وعا
ناگسہ ہا ہو، اسے جرائم سے خود آگاہ تھا۔ حاضرین و
سنا محض سب ان کے گن ہوں سے واقف تھے۔ کسی کے
دل میں اس کے انجام کے بارے میں کوئی شبہ نہ تھا مگر
ابھی ستم فرد جرم پڑھنے والے کی آواز سننے کے لئے بے
چین ملبہ ہونے لگے۔

”بھکاری خان رستم جنگ بتا گی ہوش، حواس
بذات خود دربار عام میں موجود ہیں۔ حاکم کشور پنجاب
علی مرتبت مظالمی بیگم کے حکم سے انہیں معین دلا جا تا
ہے کہ ان کے جرائم کی جو تفصیلات جہنم کی چار دیواری ہے اس پر
اگر انہیں کوئی اعتراض، اور وہ کسی بات کی تردید باہج
کرتا چاہیں تو انہیں اس کا پورا حق ہوگا۔ انہیں اپنی مظالمی
میں گواہ پیش کرنے کی بھی پوری آزادی ہے۔“ با آواز
بلند اعلان کیا جا چکا تو فرد جرم پڑھنے والا ایک لمحہ کے لئے
رک گیا اور پھر سناؤ براہی کر پڑھنا شروع کیا۔ ”بھکاری

پر نہیں اور ان کے ساتھیوں کو انعامات سے نوازا اور
نہیاں دیں لیکن نواب مستغور کی وراثت کے وقت خواجہ
مرزا خان نے ان کی بیگم اور بیٹے کے خلاف بغاوت
کرنے کی کوشش کی اس سبب انہیں جہنم کے باوجود بیگم غالب
نے ان کی خطائیں صاف کرنے ہونے انہیں برکت ایمین
آباد کا ضلع دار مقرر کیا، ان پر اعتماد کیا، ان پر نواز تھیں کہیں
لیکن انہوں نے نمک حرامی کرنے ہونے غداوی سے
حکومت پر بقدر کے بیگم صاحب کو اور ان کی بچپوں کو قید کر
دیا۔ وہ بے جا نئے تھے کہ پنجاب بادشاہ معظم عالی جاہ احمد
شاہ ابدالی کے درمیان ہے۔ اس غداوی سے انہوں نے
بادشاہ، قندھار احمد شاہ ابدالی کے لقب و پیکار اور پنجاب کو
منظیہ سلطنت کا حصہ قرار دے کر غفلت و شہاد سے سند
حکومت حاصل کی۔ ان کی اپنے آقا سے غداوی اور نمک
حرامی کی وجہ سے کشور پنجاب میں لطم حکومت ہو گیا۔
حکومتوں کی شورش، کھینچنے کی ہم کام نوبتی تلخ خاندان کچر
گئے اور مسلمانان پنجاب کے جان، مال کا نقصان ہوا،
امت اور سلطنت کمزور ہوئی، دین کے دشمن مضبوط ہو
گئے۔ خواجہ مرزا خان نے بادشاہ کا تلبہ و قندھاؤ کی فوجوں
کے خلاف جنگ کی اور ذلت آمیز شکست اٹھائی۔ اس
لڑائی میں دونوں طرف مسلمانوں کے جان و مال تلف
ہوئے۔ ان کی نمک حرامی اور غداوی کی وجہ سے اہل جان
پنجاب اور دلا ہو و کٹکالف برداشت کر رہے ہیں۔“

فرد جرم پہنچ جا ہی تو خواجہ مرزا خان و حکم و دہ گیا
کہ وہ کھڑے ہو جائیں، وہ سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔
”اس بارے میں ہم کچھ کہنا چاہتا تو بیگم عالیہ کی
طرف سے اجازت ہے۔“ فرد جرم سنانے والے نے کہا۔
خواجہ مرزا خان سر جھکا کے خاموش کھڑے رہے۔
حاضرین ان کی اور مظالمی بیگم کی طرف دیکھنے
رہے انہیں امید تھی کہ ابھی جلاؤ بلا کر ان کی گردن تن
سے جدا کر دی جائے گی۔ مظالمی بیگم نے خواجہ مرزا خان

خدا کو اشارہ کیا وہ اسے پکڑ کر جھروکے کے سامنے لے آئے۔ "گستاخی اور کاودہائی میں داخلت کے لئے معافی کا خواستگار ہوں اگر یہ جرم دیگر فرمایا جائے اور اجازت بخشی جائے تو بندہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔" پاریش نوجوان نے آداب بجا لیا اور اسے دعا مانگی۔

"نہایتی عرض بھکاری خان کے خلاف فرج جرم سے متعلق ہے؟" مظانی بیگم نے پوچھا۔

"جی بیگم عالیہ بھکاری خان اس خاکسار کا بھی مجرم ہے اور اس کا وہ جرم اس فرد جرم میں شامل نہیں۔" نوجوان نے عرض کیا۔

"بہم سمجھتے ہیں نوجوان جو تہہ رہا ہے اس کا مطلب اچھی طرح جانتا ہے۔ بے نیاد التزام اگانے سے خود اسے سزا چھٹکتا ہوتی۔" بیگم نے ٹھوڑے ٹھوڑے ہوئے کہا۔

"بندہ غلط بات اور التزام کے لئے جو سزا حضور تجویز فرمائیں، خوش چکھنے کے لئے تیار ہے۔" نوجوان نے ایک دو پھر سلام کیا۔

"بہم ج سننے پر خوش اور بہت متین کر تاراض ہوں گے، بیان کرو۔" بیگم نے تسلیم کیا۔

"حضور میں ایک شاعر ہوں۔ بھکاری خان نے مجھے گرفتار کر کے قتل کروانے کا حکم جادوی کیا۔ حال سرکاو مجھے ڈھونڈتے رہے، وہاں پہلانے کے لئے بندہ کو گھرا اور شہر سے فراد ہو؛ چڑا اور دو کی ٹھوکریں کھائیں۔ اس سے سرے بال بچیں کو سخت مشکلات درپیش رہیں۔" نوجوان نے کہا شروع کیا تو بھکاری خان نے جلی پونگا دھا کر اس کی طرف دیکھا جس شاعر کو وہ اور اس کے مال تلاش کر کے ہاد گئے تھے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تمہارا جرم؟" مظانی بیگم نے پوچھا۔

"حضور! اس خاکسار کا جرم یہ تھا کہ اس نے خلیج لکھ دیا کہ بھکاری خان رستم جنگ نے اپنے اہلیاوات اور جبر سے خریب عوام سے دولت چھین کر مسجد بنا کر خدا تعالیٰ کو

خان اسامیان و پنجاب کا سب سے بڑا مجرم ہے۔ نواب معین الملک مغفور کی وفات کے بعد کشور پنجاب کے حالات کی خرابی کا سب سے زیادہ ذمہ دار بھکاری خان ہے۔ نواب مغفور نے اسے سب سے بلند منصب پر فائز کیا۔ اس پر سب سے بڑا کرفظ و کرم اور عقاب کیا مگر اللہ کی ہفات کے بعد سب سے زیادہ تنگ حرامی اور بے وفائی اسی نے کی۔ نواب مغفور کی وفات کے بعد اس نے کھلی بغاوت اور ستم بدولی کی، بیگم عالیہ، نواب امین الدین کے خلاف فوجی سرداروں کو بغاوت پانگسا با اس کے استے بڑے جرم سے ڈر کر گزرنے ہوئے بیگم عالیہ نے نہایت کرفظ و کرم سے کاہل لیتے ہوئے اسے امیر الامراء کے منصب پر بحال رکھا مگر اپنی سازشوں سے باز نہ آیا۔ نواب امین الدین کے خلاف بغاوت کے لئے فوج اور اسلحہ جمع کئے اور خلیفہ مرزا خان کو کشور و پنجاب کی حکومت پر نگرانی سے بندھ کرنے کی فریب دی اور

اس سازش میں اس کی مدد کی۔ اسی مجرم نے پنجاب کے امراء اور جاگیرداروں کو لاہور میں جمع کر کے ان سے دستاویز بنا کر دیا کہ شاہجہان آباد بھی اور سمل و شاداسے سندھکرائی کے حصول میں اس کی مدد کر کے بادشاہ کا بل و قہار احمد شاہ ابدالی کے غضب کو دعوت دی۔ بھکاری خان کی بغاوتوں اور سازشوں سے دین کے دشمن مضبوط ہوئے است اور سلطنت کمزور ہوئی۔ بھکاری خان جیسا

بے وفاتک حرام سازش اور احسان فراموش منصب دار پورے ہندوستان اور کاہل و قہار کی تاریخ میں نہیں گزرا۔"

فرج جرم عمل ہو گئی مگر بھکاری خان نے اس دوران ایک لمحہ کے لئے بھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا وہ اسی طرح ہے جس کھڑا رہا۔

دربار میں کھلی خاموشی تھی۔

ایک کو نے میں ایک نوجوان کھڑا ہو گیا بیگم نے

دربار میں کھلی خاموشی تھی۔

ایک کو نے میں ایک نوجوان کھڑا ہو گیا بیگم نے

دربار میں کھلی خاموشی تھی۔

ایک کو نے میں ایک نوجوان کھڑا ہو گیا بیگم نے

اور نظم شامل فروریہم کرنے چاہئیں۔
شاعر نے جھک کر سلام کہا تو بیگم نے کہا۔ "جو
منصب دار اسے آفا سے غداری کرتا ہے وہ دعا ہے مگر
انصاف نہیں کر سکتا۔"

"نواب بھکاری خان نوجوان کے اصرار کے
بارے میں کچھ کہنا چاہیں تو انہیں آگاد کیا جائے۔"
مغلانی بیگم نے چہرہ ادا کو مخاطب کیا۔

چہرہ دار نے با آواز بلند اعلان کیا مگر بھکاری خان
سر جھکے کھڑا رہا۔ دو بار میں بہت سے دو لوگ موجود
تھے جو اس "جرم" اور بھکاری خان کے احکامات سے
دوقت تھے۔

شاعر نے ایک بار پھر سلام کیا۔ "حضور کے کرم اور
انصاف کے لئے شکر گزار شاعر کی عرض ہے کہ محسن پنجاب
مہر منو منظور اور ان کے ہم سن فرزند کو زہر دے کر ہلاک
کرنے کا بھکاری خان کا جرم عظیم بھی فرد جرائم میں شامل
کیا جائے اور مسکن پنجاب کو اس باوے میں بھی
انصاف عطا کیا جاوے۔"

"تو یہ ہم سزا سنایا۔ پنجاب کے علاوہ ہماری ذات
سے بھی متعلق ہے۔ جب تک تفتیش مکمل نہ ہو جائے ہم یہ
درخواست قبول کرنے سے منظور ہیں۔ جرم ثابت ہونے
پر مناسب فیصلہ کیا جاوے گا۔" مغلانی بیگم کی آواز پہلی
بار کانپ گئی۔

شاعر نے جھک کر سلام کیا اور اجازت حاصل کر
کے چہرہ دار کے سامنے سے بہت گیا۔

"بھکاری خان کی خاموشی ان کا اعتراف جرم ہے،
انہیں بھی بعد برخواستہ دربار کے لئے برج کے خید خانہ میں
پہنچاوا جاوے۔" بیگم نے حکم دیا۔

ساتھیوں نے آگے بڑھ کر بھکاری خان کو گھیرے
میں لے لیا۔

"جن رُک اور مثل امراء نے غداری اور تک

دھوکہ اور رشوت پیش کی۔ خاکساروں جبر اور ظلم کو
برداشت نہ کر سکا۔ ایک شاعر کو انہیں اغما سکا، شعر کہہ
سکتا ہے۔ خاکسار نے شکر لکھ کر ان کی مسجد کے دروازے
پر چپاں کر دیئے۔ اس سچ کے جرم میں انہوں نے
خاکساری گرفتاری اور موت کا حکم جاری کر دیا۔"

جو حاضرین نکالیں تہی کئے بیٹھے تھے۔ سب
نوجوان کی طرف دیکھتے گئے جہاں خان اور امان خاں
دیکھی سے نوجوان کا بیان سننے لگے۔

"ہم چاہیں گے کہ اس نظم کا وہ حصہ پیش کیا جائے
جس کی بنا پر بھکاری خان کو وہ حکم جاری کرنا پڑا۔"
مغلانی بیگم نے حکم دیا۔

"نوجوان شاعر نے مجرا، کیا جب سے کاغذ نکال
کر نظم پڑھنے لگا جب وہ اس شعر پر پہنچا۔

"منا کر مسجد بھکاری خان
زود زود گرفت و از مردوشت۔"

نوجوان خان کے بیٹوں پر مسکن اہٹ پھیل گئی،
حاضرین نے آنکھوں پر آنکھوں میں دادی۔ حاضرین

اور امیر شاہ ابدالی کے خارج جرنیل کے تاثرات کا اندازہ کر
کے شاعر ایک باوجہ رکوع میں چلا گیا اور اک بار پھر یہ

شعر پڑھ کر کہا۔ "انصاف کا ازاد حضور کے ہاتھ میں ہے
کہ کیا اس شعر میں مجھ کی ملاوت ہے؟"

"تم نے تب ہم تک عرضداشت کیوں نہ کی؟"
مغلانی بیگم نے پوچھا۔

"حضور سارا شعر اور مثال اس نظم سے بھکاری خان
کے حکم اور ان فریب کی مصیبت سے آگاہ تھے، میں نے

سوچا حضور کے پرچہ نویسوں نے حضور کو آگاہ کر دیا ہو
گا۔"

"افسوس ہے کہ ہمیں اس بارے میں پے خبر رکھا
گیا اور اس وجہ سے شہیں مصائب و پیش رہے۔" مغلانی

بیگم نے کہا اور کاتب کو مخاطب کیا۔ "نوجوان شاعر کا بیان

سرداروں کی فہرست، جنوائی جو درباری سازشوں کے عادی ہو چکے تھے اور جن کی جاہ پسندی اور خود ساری کی وجہ سے پنجاب میں ہر طرف پر ہادی اور سرکشی پھیل رہی تھی۔

لاہور کا انتظام جن جن لال کے سپرد کرنے کے بعد افغان فوج اور چارٹے قلعہ کا چارج ٹاور بنگ کے سپرد کر دیا اور افغان فوج کا کیمپ راوی سے اس پار مقبرہ جہانگیر کے عقب میں کھنسل کر دیا گیا تھا مگر قلعہ کی چیل پر اب بھی افغان سپاہیوں کا سپرد تھا اور وہ سب درباری اور سردار کی جیل میں بند تھے۔ ایک شام فندیوں میں کھانا تقسیم ہو چکا تو سپردداروں کے کماندار کے حکم پر بھکاری خان کو اس کی کھڑکی سے نکال کر اس کے پاؤں میں جیراں زال ری کھیں اور ہاتھ آہنی زنجیروں سے کمر پر باندھ دیئے اور سب بند مرشد فندیوں کو ایک جگہ جمع کر کے بھکاری خان کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ کماندار سپاہی سپرینٹنڈنٹ بھکاری خان اور فندی سب خاموش رہے اس سادے محل کے دوران فندی نے منہ سے ایک لفظ نہیں کہا۔ جب سارے فندی اچھن طرح بھکاری خان کو منہ جگ کی بے چینی کا نظارہ کر چکے تو سپاہی انہیں جیل سے نکال لے گئے۔ جب تک وہ نظر آتا رہا فندی دیکھتے رہے اور جب نکالے گئے تو انہیں وہاں پر کچھ چشم تصور سے اس کے انجام کا اندازہ کرنے لگے۔

شیش محل کے بیرونی دروازے پر افغان سپاہی بھکاری خان کو دربانوں کے حوالے کر کے داخلے کے لئے لے گئے۔ دربانوں نے اپنے سابق امیر الامرا کو خوب سراؤں کے حوالے کر دیا اور خوب سراؤں سے شیش محل کے اندر لے گئے جہاں مغلانی بیگم جہان خان خولہ عبداللہ اور تاور بنگ بیٹھے اس کا نظارہ کر رہے تھے۔

ادو چمر برٹیل کو بھکاری خان کے ساتھ چلا کر لایا گیا تھا۔ اس کی سانس کھڑکی تھی اور جسم پسینے سے شرابور تھا اور چمرے پر دوچ اور جسم کے درد کے آثار نمایاں تھے۔

حرائق کی ہم انہیں منت اور سلطنت کی خدمت کا ایک اور سونفہ دینا چاہتے ہیں لیکن جن فوجی سرداروں نے اپنا فرض ادا کرنے کی بجائے غداری اور سازش میں حصہ لیا۔ ان کو سزا دینا سلطنت اور سلطنت کے مفاد کے لئے لازم ہے انہیں بھی فیہ خانہ میں ڈال دیا جائے۔ مغلانی بیگم نے کہا اور دو بار درخواست کر دیا۔

سورج شاہی مسجد کے مناروں کی بلند یوں سے اتر دیا تھا قلعہ کی بلند عمارتوں کے سامنے باہر جانے والے راستوں پر قابض ہو چکے تھے۔ جب شکر کاٹنے دو بار چانی رہ چو بند افغان سپاہیوں کے زونہاں سے گزرنے ہونے لگے بسا اپنے گمروں اور خود چوں کی طرف داپس جا رہے تھے۔

خولہ عبداللہ خان بیگم اتھو کی سازشوں سے اگے رہا تھا۔ اپنے بھائی ذکر باخان اور بیٹوں کو بھی خان اور شاہنواز خان کے دور میں بھی اس نے کبھی حکومت کا خواب نہیں دیکھا تھا۔ لہذا قلعہ موٹی آنکھیں رگورارنگ دربار ساؤڈا میں دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی اس سے متاثر ہونا شروع ہو جاتا تھا۔ ان نے درباری ماحول میں پرورش پائی تھی۔ روپاوی ادب اور طرز گفتگو جانتا امرا اور درباریوں کی سازشوں سے واقف تھا اس لئے جب دو مغلانی بیگم کے سفارت کار کی حیثیت میں احمد شاہ ابدالی کے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ ان سے بہت متاثر ہوا اور دو درباری کے وقت اسے نائب حاکم پنجاب کی سند عطا کر دی۔ احمد شاہ ابدالی کی خواہش تھی کہ پنجاب میں امن و امان قائم ہو اور مغلانی بیگم کا نائب کوئی باقاعدہ آدمی ہو جو حکم اور امن کے قیام میں فعال کروا دیا کر سکے۔ خولہ مرزا خان کو گرفتار کرنے کے بعد جہان خان نے خولہ عبداللہ خان تاور بیگم اور سرفراز خان کے مشورہ سے بھکاری خان اور خولہ مرزا خان کے ایسے ساتھی امرا اور

دو دیوان کے فرش کو ایسے دکھ رہا تھا کہ جیسے اسے کسی لار طرف دیکھنے کی عادت ہی نہ ہو۔

"جو منصب دار اپنے آقاؤں کو ہلاک کرتے ہیں، دو ایک ہزار بار ہلاکت کے حقدار ہیں مگر انہیں ہم تمہیں ایک سے زیادہ بار ہلاک نہیں کر سکیں گے۔" جہاں خاں نے کہا اور سب اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

اس کے ساتھ ہی پردوں کے پیچھے سے درجنوں کنیریں برآمد ہوئیں۔ ان کے ہاتھوں میں جو تے اور ڈنڈے تھے جن میں مینٹیں لگی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے بھکاری خاں فرش پر پڑا چینی رہا تھا اور کنیریں "یہ نواب حضور کے قتل کا بدلہ ہے۔" پکار پکار کر اس پر جوتے اور ڈنڈے برس رہی تھیں۔

جب دروئی کی طرح دھنک جائیگا تو بڑے کے پیچھے سے مظانی بیگم سرور آئی۔ اسے دیکھ کر سب کنیریں پیچھے ہٹ گئیں۔ "اس بھکاری لاش شہر کے باہر گنڈے تالے میں پھینک دی جائے۔" اس نے مردو جہنیل کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر حکم دیا۔

اگلی صبح جب اہل شہر ٹوٹیوں کی سموت میں گندے ہالے میں بھکاری خان رستم جنگ کی لاش دیکھنے جا رہے تھے تو جہاں خاں اپنی سپاہ کے ساتھ قندھار روانہ ہو رہا تھا اور خواجہ مرزا خان، خواجہ معبد اور ان سب اسرا اور سرداروں کو جو سازش اور سرکشی کے مجرم پائے گئے تھے، قندھار کے اپنے ساتھ قندھار لے جا دیا تھا۔

لاحوں کی ہستی اندھیرے کی چادر میں منہ پھپھانے سونے کی کوشش کر رہی تھی مگر نوجوان ابھی تک چو پال میں بڑھے ملاج کے گرد بیٹھے تھے۔ لڑائیوں اور بدامنی کی بہرہ سے تیار دانی قاتلوں کی آمد رفت بہت کم ہو گئی تھی۔ گندہم کی قتل آتی خراب وہی کہ لاہور کی منڈی میں باہر سے اناج بہت ہی کم آ رہا تھا۔ نواب عبداللہ خان کی

سامری کوششوں کے باوجود شہر میں گندہم کی قیمت مسلسل بڑھ رہی تھی اس نے پانچ شہر چمن نعل کو اس کے منسوب سے الگ کر دیا مگر حالات بہتر نہ ہونے کی بجائے مزید خراب ہو گئے۔ ملاج کی آمدنی کم ہو گئی تھی اور گندہم، چاول خریدنا بہت مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ بات بڑھے ملاج کی جوانی کے دنوں سے شروع ہوئی تھی اور گندہم آنے تک پہنچ گئی تھی۔ "لوگ کہتے ہیں اس عذاب کا سبب مظانی بیگم دو ہے۔" ایک ملاج نے بڑھے سے کہا۔

"سبب تو ہم بھی پر دو ہے، دوسرے گھر میں بیٹی ہمارے ذمہ کچھ پٹے نہ پڑے۔" دوسرے ملاج نے بڑگ کے جواب دہنے سے پہلے کہا۔

"جس گھر میں بیوہ راج ہو وہ وہ نہیں چلتا، پنجاب کبھی چلے گا۔ بات بالکل سیدھی ہے۔" سب ملاج بولا۔

"مورت ذات نوشہی۔ جلا سکے، ناپاڑا ملک کبھی چلائے گی۔" ایک اور بولا۔

بڑھے خاموش رہا۔

"ان کے بچے بھی تو ٹھیک نہیں۔" کسی اور نے کہا۔ کالو کو مظانی بیگم کے بارے میں الٹا بانس پنہ نہیں آتیں وہ اٹھ کر چلے گا۔

"اس کا وہ آدمی، ولی کے سوال والا بھی اب بھی نہیں آ جا جان کیا ہو گا ان کے گھر میں بھی مندا ہے۔" ایک نوجوان نے جیسے سے کہا۔

"کیا معلوم بھوک سے ہی سرگیا ہو، اب اسے کون دے گا وہ آدمی روٹی۔" ایک اور زانا آئی۔

کالو اور بھی افسردہ ہو گیا اس کی بیوی نے خوب خضر کے دہے جو سنہری رنگے بیج کر کے تھے دو کب کے خم ہو چکے تھے۔ مظانی بیگم کی تلوار میں وہ اپنی کوزیہ بہت دور باٹھا مگر ابھی تک اس کے خیر نے چکر نہیں لگا تھا۔ اس کی بیوی کی بار پوچھ چکی تھی کہ خوب خضر کھیں ناراض تو نہیں ہو

دیا۔" بڑا دکھ افسردہ ہو گیا۔

خوبہ عبداللہ خان کو نوج بھرنی کرنے اور صوبہ نظم چلانے کے لئے روپیہ کی سخت ضرورت تھی وہ اپنے جائیداد سے آرینہ بیگ نے کئی سال سے مالک کی رقم ادا نہیں کی تھی۔ خوبہ مرزا خاں کے دور میں جو رقم خزانہ میں آئی وہ اس کے ساتھ ختم ہو گئی تھی، جو بچی تھی وہ جہان خان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ صوبہ میں ہر طرف سرکشی اور بدعالی تھی، کئی سال سے مالک آئے کی امید نہیں تھی۔ سکھوں کی سرکشی ختم کرنے اور امن بحال کرنے کے لئے فوج کی ضرورت تھی اور فوج اکٹھی کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی۔ لاہور کے امرا اور شرفاء سے روپیہ حاصل کرنے کے لئے ان نے "من بہ بھکاری خان کا ساتھ دے بنے کا احترام لگا باور شہر کے دو دروازے بند کر کے شہر سے جو ملا نہیں لیا۔

جسوقت کا انتظام خوبہ عبداللہ خان اور لاہور میں احمد شاہ ابدالی کے نمائندہ مہدی خان نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ دونوں مل کر روپیہ جمع کرنے اور فوج بھرنی کرنے کرنے لگے۔ دونوں مظافی بیگم کی عزت اور احترام کرتے تھے لیکن صوبہ کے انتظامی معاملات میں اس کے اندک مات کی زیادہ پروا نہیں کرنے تھے۔ مظافی بیگم کو ان کی بد خوئی تھی، یہ پسند نہیں تھا کہ اب رہ مالی سیاسی اور انتظامی طور پر پہلے جتنی سنبھلا نہیں تھی۔ جاسوسی کا اس نے جو رپوٹ نظام قائم کر رکھا تھا۔ ابا خان ولی کے نائب ہو جانے سے وہ ابھی بحال نہیں ہو سکا تھا۔ جہان خاں کے حملے سے پہلے وہ لاہور سے فرار ہو گیا تھا۔ خوبہ عبداللہ خان کے نائب قائم ہو جانے کے بعد اس کو اس کام پر لگانا ممکن نہیں تھا کیونکہ خوبہ اس کی حیثیت سے واقف تھا۔ خوبہ مرزا خان کی بنیاد کے بعد احمد شاہ ابدالی کو احساس ہو گیا تھا کہ پنجاب میں کسی مضبوط حکمران کی ضرورت ہے جو سکھوں کی شورش دبا کر اس بحال کر سکے اور صوبہ کے شاہجہان آباد کے ساتھ جانے کا خطرہ نہ رہے اس لئے

مئے؟ اسے فکر تھی کہ کیسے خوبہ نے اس کی کوئی بات نہ سن لی ہو۔ کلاہر باہر جواب دیا۔ خوبہ صرف واوی کا عنصر ٹھوڑا ہے اسے اپنی بڑی خدا کی کے درباروں پر حکومت کرتا ہے کہیں اور نکل گیا ہو گا۔" مگر پہلے خوبہ اپنی جلدی چلادی کیسے آجائے تھے؟ اس کا رو کوئی مناسب جواب نہیں دے سکتا تھا۔

مظافی بیگم کے باوے میں اپنی برابری والوں کی باتوں سے اسے بہت دکھ ہوا۔

"با! آپ کے دونوں میں کبھی کوئی بیگم ہوتی پنجاب کی حاکم؟" ایک نوجوان نے بڑا دکھ سے پوچھا۔

"ہمارے دنوں میں تو رکھا ہمارے بزرگوں کے دنوں میں بھی ہم نے کسی بیگم کی حکومت نہیں کی۔ بڑا دکھ نے جواب دیا۔ "عورت ماتحت ہوگی تو تخت پر بیٹھا ہوا کی نور باوی لائے گی۔ ہم نے تو یہی سنا سکی دیکھا اب بھی سب دکھ رہے ہیں۔"

"مگر اب تو سنا ہے اس کا اپنا ماموں ہے اس کے ساتھ بہت بھگد اور بہادر بتاتے ہیں۔" ایک نوجوان نے کہا۔

"بھگد اور بہادر تو ہم تو اس سے لہتا ہے، مرضی تو اس کی چلتی ہے، اس سے نور خرابی آئے گی۔" بوڑھے حاکم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"مگر اس نے تو لاہور والوں کی خوب پٹائی کی، شہر کے دو دروازوں پر فوج بٹھا کر سب سے کہا۔ لاؤ پیسے جس کے پاس تھے وہ چھین لئے جس کے پاس نہیں تھے۔ اس کی چڑی اور ضروری لاہور میں ایسے تو کبھی باہر والوں نے بھی نہ کیا تھا۔" ایک حاکم نے دکھ سے کہا۔

"اتنا ظالم وہی مرد ہو گا جو کسی عورت سے خوفزدہ ہو گا۔ بیگم کو خوش رکھنے کے لئے وہ محسوسوں کو پھانسی بھی چڑھا سکتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے ہم شہر کی دیوار سے باہر ہیں ورنہ کیا معلوم وہ جاؤی جمہوریتوں میں بھی فوج بھیج

اور مرحومہ کی اولاد میں سے جو کوئی لاہور میں موجود ہوگا اس محل میں شرکت کرے گا۔

دن رات لاہور پر مسلمان کھل کر برسایا اور اہلکبار اچھی طرح وصل کئے۔ جب مغربی بیگم کا فائدہ سرد والا ممبرہ کے لئے روانہ ہوا تو نزل لاہور نوبل کی صورت میں راوی کی طلبان خزانہ کا نظارہ کرنے جا رہے تھے۔

افتداری اور غلہ میں ایسی کے بعد سے مغربی بیگم پہلی بار اپنی مانی کے حزر پر فرزند خوانی کی مجلس میں شرکت کرنے جا رہی تھی۔ حاجت مندوں و دو فرزند خودوں کے لئے بہت سے قیمتی تحائف، حزر کے لئے سنہری

خلاف اور پھولوں کی ٹوکریاں ساتھ میں جس کسی نے ان کے فائدہ کو دیکھا، لگے رائے دینی، "تو اسی مانی کے حزر پر حاضر کی سعادت حاصل کرنے چلی ہے۔" بیگم صلبہ نے زندگی بھر بیجاں نکائی، موت کے بعد اولیٰ و اولاد

نواب پنپتی ہے۔ "تک بان تک اولاد"۔ "حاکم پنجاب لوگوں پر اپنی دوڑ پائی دینی کی برتری کا وہب ڈالنے جا رہی ہے۔" مانی کہتے جا رہی ہے کہ وہ کچھ تیار ہوا تو

خاندان پنجاب کا حاکم خدا میں خود پنجاب پر حکومت کر رہی ہوں۔ توڑ کھوسری لادت اور حزرے کو۔ "افتداری میں وہ جس کے بعد اس پر قابض رہنے کے لئے اس تک نانون سے مدد حاصل کرنے پہلی ہے۔" مانی سے منت

حاجت کرنے چلا وہی ہے کہ اپنے بیٹے کو ہم ہی کچھ سمجھاؤ۔ "زندہ دلان لاہور پچی زندہ دلی کا مظاہرہ کرنے رہے اور حاکم پنجاب کا قائلہ باغ کی طرف رواں دبا۔"

حقاطی دست در خدا با باغ کی زودھی میں رک گئے بیگم پاگی میں بیٹھ کر مزار تک پہنچی، باغ کے گرد فوجی دست سنہیں تھا۔ اندر فکے کے خدام اور کئی سبھی بیگم کے ساتھ رہے۔ بیگم نے حزر کے سر ہانے بیٹھ کر خود ایک پاؤں

حکایت کہا۔ خشوع و خضوع سے دعا مانگی۔ نذرانے اور تحائف تقسیم کئے اور سنہری خلاف قبر کے توپڑ پر چڑھا دیا

اس نے مہدی خان کو اپنا ناندہ بنا کر لاہور میں مقیم کر دیا تھا مگر مغربی بیگم کو جو اقتدار سے آشنائی حاصل کر چکی تھی۔ شیش محل میں بنام اور عزت و احترام والی حکمرانی پسند نہیں تھی۔ اس نے ایک بار پھر فوج کو ساتھ لانے کا نسخہ استعمال کرنا شروع کر دیا اور تارہ بیگ کے ذریعے فوجی سرداروں سے خطابت فرمائی اور ہوازاوات کے بعد سے کرنے لگی۔

مغربی بیگم کے گھر علی ملازمین کو بھی خواجہ عبدالغنی خان کی طاقت اور مغربی بیگم کی کمزوری کا اندازہ ہو گیا تھا۔ طہاساں خاں نے جو پہلے بھکاری خاں اور خواجہ مرزا خان کی خدمات انجام دے چکا تھا، ایک بار پھر قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا اور خواجہ عبدالغنی خان کو مغربی بیگم کے ارادوں اور انہوں کی آکوشوں سے آگاہ کرنے لگا۔

خواجہ عبدالغنی خان کے والد فر مغربی بیگم کے نانا حاکم پنجاب نواب عبدالصمد خان نے غلہ سے تالا بار باغ جانے والی سڑک کے کنارے بیگم گرت کے فریب

ایک وسیع باغ لگوا تھا، اس باغ کے دویمان میں ایک نوبھورت بارہ دونی تھی۔ نوب کی بیوی شرف النساء بیگم دن کا زیادہ حصہ اس بارہ دونی میں فرآن خوانی میں گزارتی تھی۔ غروب آفتاب کے فریب وہ فرآن بند کر کے اس پر کھوڑ کر اپنے محل روانہ ہو جاتی اور اگلے روز آ

کر وہیں سے فرآن پڑھنا شروع کر دیتی۔ راب عبدالصمد خاں کی وفات کے بعد بیگم نے اپنے تمام زیورات اور زر و جواہر کچ کر شاد چرام کے حزر پر سمجھا دو

علا کے لئے حجرے تعمیر کر دئے اور وصیت کی کہ جب در فوت ہو تو اسے نواب مرحوم کے باغ کی اسی بارہ دونی میں دفن کیا جائے اور در قرآن اور کوار بھی اس کے ساتھ ہی دفن کر دئے جائیں۔ اس کے بیٹے نواب زکریا خان نے ماں کی قبر پر خوبصورت ممبرہ تعمیر کرا دیا تھا۔ ہر ماہ کی

پہلی بھرات کو اس سرد والا مقبرہ پر قرآن خوانی ہوتی تھی

دو ہزار سلع سواران کے مختصر کھڑے تھے۔ اس نے پاکی کو بردہ کرادیا۔ کباروں نے پاکی اٹھائی اور سواروں نے جلوں کے ساتھ بیگم پرور میں دوران بیگم کی حوٹی پہنچا دیا۔ پاکی حوٹی کے اندر چلی گئی تو اس کے ساتھ آنے والی فوج نے حوٹی کے سامنے کھپ رکھا۔ اسی شام بیگم محل سے بیگم کے خدام خواجہ سرور کتیر بنا بھی وہاں پہنچا دینے گئے۔ دوسرے روز طہماس خاں نے اطلاع دی کہ خواجہ عبداللہ خاں نے نادر بیک اور برخز خان کی گرفتاری کا حکم دے دیا ہے۔

آزادی اور نیم حکمرانی کے تیرہ بننے مگر مارنے کے بعد ایک بار پھر مغلانی بیگم اپنی ماں کی حوٹی میں نیم بندی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا جہاں کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں تھی اور چند ماہ زمین کے علاوہ کوئی حوٹی سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ دوسری فوج بندی پہلی کی نسبت زیادہ سخت اور دوستانہ تھی۔

مغلانی بیگم کو حوٹی میں بند کرنے کے بعد مہدی خان اور خواجہ عبداللہ خاں نے حکومت اور حکم پر گرفت مضبوط کرنے کی دستاویزیں تیار کر دیں۔ سب سے بڑی مشکل ان فوج تیار کرنا تھی۔ ہر صوبہ میں امن بحال کر سکے۔ اس میں ایک رکاوٹ وہ تھی کہ کئی نئی اور دوسری نگر یہ کارفرمی سرداروں کا نہ ملنا۔ مغل اور ننگ سرداروں میں سے کچھ جہاں خان اپنے ساتھ تھک سارے گیا تھا۔ کچھ بھکاری خان کے قتل اور اس کے حامی امراء کی تہلیل کے بعد لغھون پر آواہ نہیں تھے۔ مرزا کریم بخش اور اس کی سیار پر خواجہ عبداللہ استاد کے لئے نادر تھا اس کے فوجی بھرنے کے لئے تو ایک شہ مجب اٹھا کر رہ بھی چکے سے روانہ ہو گیا تھا۔ ان ساری مشکلات کے باوجود خواجہ عبداللہ خاں یہ ثابت کرنے کی کوشش فرما رہا تھا کہ وہ پنجاب پر حکومت کی اہلیت رکھتا ہے۔

(جاری ہے)

گہا۔ وہاں سے فل بیگم کئی ہی روز فرنگی کے سر ہانے کھڑی رہی اور پھر آہستہ آہستہ چینی ہوئی باہر آئی۔ اس کی چال اور چہرے سے اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ بہت زیادہ افسردہ لوٹ رہی ہے۔ کباروں نے پاکی میں سوار کر کے پروردگار دیا تو خدام ان کے پیچھے چلنے لگے۔ ڈیڑھ گھنٹے کے فریب پہنچ کر خورخورد منبریوں کی چھین تن کر بیگم نے پروردگار کو بکھا تو بندوں سے سب سوار دستہ نے انہیں گھیرے میں لے لیا تھا۔ بیگم نے بڑے اطمینان سے مسودے میں حال کا جائزہ لیا اور جاگرتا اندازہ میں پوچھا۔ "اُم کو کون ہوا، تمہارا کماندار کون ہے؟"

ایک جاق و پوبند نوجوان نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور خاموش کھڑا رہا۔

"یہ کیا قبیری ہے؟" بیگم نے غصہ سے پوچھا۔
"ہم حضور کے خادم اور خواجہ عبداللہ خاں کے ملازم ہیں۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"یہ کبھی خدمت ہے؟" بیگم اور بھی غصہ میں آ گئی۔

"ہم اپنے آقا کے حکم سے ہائند ہیں۔" نوجوان نے سر ہٹا کر جواب دیا۔

"کیا حکم ہے تمہارے آقا کا؟" بیگم نے پوچھا۔
"ہمیں حکم ہے کہ حضور کو عزت و احترام کے ساتھ حضور کی والدہ محترمہ کی حوٹی پہنچا دیا جائے۔" نوجوان نے بتایا۔

"اگر ہم نہ جانا چاہیں تو؟"

"ہم اپنے آقا کا حکم ماننے پر مجبور ہوں گے۔"

نوجوان نے اعتماد سے جواب دیا۔
مغلانی بیگم کے حواشی دستہ کا کوئی بھی سپاہی وہاں موجود نہ تھا۔ ان کے خاندان سے ساتھ آنے والی سوار جاں غائب تھیں۔ ان کے ساتھ صرف پاکی اٹھانے والی کتیریں اور چند خادموں کے گھنے بٹے اور ہانڈے سے باہر کچھ

نہایت کی

پنڈت نے اسے کہا تھا کہ لڑکی اب تم ہاری نہیں تاکن بن
 نکلے ہو تم اپنے کسی بھی دشمن کو جب چاہو ہلاک کر سکتی ہو۔

محمد افضل رحمانی

0314-4652230, 0303-9801291

قسط: 10



رہنا کافی ثبوت تھا کہ دو نادبی نہیں، تاکن ہی ہے۔ اب مجھے اس سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ دو میرے قریب آئی تو میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ بادیوں، تاکن میں تمہارا شکوہ گزار ہوں کہ تم نے مجھے دس نہیں۔

"دیکھو جوان! میرے بھائے تمہیں جوگی مہاراج کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے۔" اس نے کہا۔ "اگر وہ مجھے منع نہ کہ گئے ہوتے تو ہوسکتا ہے میں تمہیں دس نئی اور پھر تمہارے سروے شریر میں زہر دوتا مہرتا اور جلدی تمہارا کہ یا آرام ہو جاتا۔"

"لیکن تم تاکن ہو تو بھی اتنی سند رکھو کیوں ہو؟"

"یہ سندرتا تو کچھ بھی نہیں۔" اس نے کہا۔

"اُدھے تھکنے بعد دیکھنا میرے سندرتا سے میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔" او، پھر کچھ دیر بعد جب وہ بارہ میرے کمرے میں آئی تو اس کے روپ میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ بازاری رنگ کی سازھی میں ملبوس تھی، اس کا ایک لٹخاٹھا نچا جس سے اس کا کندھ رنگ اپنی بہار دکھار رہا تھا۔ اس کی ہانک میں سیندر بھرا ہوا تھا، چولی سیاہ رنگ کی، تھکنے کی طرح اس کی کمر سے نیچے تک نہرا رہی تھی، آنکھوں میں کاجل، ہونٹوں پر دندا سے کارنگ، اوہری دانتوں کے خلا سے چھوٹے دالی روٹھی، آنکھوں میں ایک خاص قسم کی مغناطیسیت، دو دانہ کسی تاکن کی طرح علی کھاتی، لہرائی ہوئی میری طرف بڑھی تو مجھ پر اس کے حسن کا ظلم جاری ہونے لگا۔

"دیکھو سندری!"

"سندری نہیں تاکن۔" دو جلدی سے بولی۔

"پلو تھک ہے، سندری تاکن۔"

اس کے منہ سے بھول بھرتے لگے۔ "دیکھو جوان!"

تاکن بھی کھی سندری ہوئی ہے تم مجھے صرف تاکن کہو۔"

"لیکن تم نے مجھے سندری کہنے کی اجازت دی تھی۔" میں نے اسے باد لایا۔

نے روراؤ کھولا، جوگی اور اس کے ساتھ ایک لڑکی اور آدی اندر آ گئے۔

"مہاراج! اس لڑکی کو سائب نے ڈس لیا ہے۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "اسے بھائے کی کوشش کر دو۔"

"ہانک، کچھ نہیں ہوگا، تاکن کو ہانک نے ڈس لیا

اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" جوگی نے اطمینان سے

جواب دیا۔ "تم بتاؤ ہنڈی میں درد وغیرہ تو میں اور سیا

بھوجن وقت بریل جاتا ہے؟"

"مہاراج بھوجن وقت پر بھی اور ہر فن میں مرضی کا

بھی۔" میں نے کہا۔ "یہ لڑکی نسبت اچھی ہے، وہ اس نے

میری بہت خدمت کی ہے لیکن کیا یہ واقعی تاکن ہے؟"

"ہاں، ہانک! یہ واقعی تاکن ہے۔ اس نے کھلی

دھکی پٹی ڈھنی ہے۔ تم نے یہ نوٹا ہوگا کہ سونڈال بچہ

سائب اپنی دھکی پلت سکتا ہے۔"

"مہاراج! یہ تو میں نے سنا ہوا ہے۔"

"تو نہیں، تاکن سو سال کی ہو گئی ہے، اب اس نے

چھی پٹی ہوئی ہے اور اب یہ ایک سند رہی کے روپ

میں آ گئی ہے۔" میں نے ایک بھر بھری لی اور فور سے

لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو بولے ہوئے مسکرا رہی تھی اور

اس کے اوہری دانتوں کے خلا سے روشنی پھوٹی پڑ رہی

تھی۔

"میں جاتی دندا سے منگ کر گیا تھا کہ تمہیں ڈسنے کی

کوشش نہ کرنے۔" جوگی نے مزید کہا۔ "دیے جب تم

مجھے ٹوٹی ہنڈی کے ساتھ ملے تھے تو اس وقت میں بہت

خوش ہوا تھا کہ تاکن کو ڈسنے کا موقع مل گیا ہے لیکن

تمہاری آپ بیتی سن کر میں نے ارادہ بدل لیا تم جیسے سند

جوان کو زخم دہنا چاہیے۔"

جوگی کی زبانی سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی یہ

لڑکی نہیں تاکن ہی ہے، دیے بھی اگر دو لڑکی ہوتی تو اب

کتک مر گئی ہوتی۔ سائب کے ڈسنے کے بعد اس کا زند

"اچھا جوان! جوگی مہاراج مجھے بلا رہے ہیں۔"
"ٹھیک ہے تاکن! ہم جاؤ لیکن جلدی دو اس آئے
کی کوشش کرنا۔"

وہ تینوں در تک بانس کرنے رہے حتیٰ کہ مجھے
اپنے اسکے پن کا شدت سے احساس ہونے لگا تاکن کی
ذاتی ہی جدائی بھی مہری حد برداشت سے باہر ہو گئی تھی۔
مزید ایک گھنٹہ اور گزر گیا ہو گا کہ جوگی اور دوسرا آدمی
کمرے میں میرے پاس آئے۔ نو وارو نے مجھے سلام کیا
میں سمجھ گیا کہ یہ مسلمان ہے۔ وہ چہرے سے ایک سسزہ
اور بارعب آدمی نظر آ رہا تھا۔

"رکھو! یہ مہاراجم مذہب آدمی ہے۔" جوگی نے
کہا۔ "ان کا یہ حکیم فیض اللہ ہے۔ بھگوان نے ان کے
ہاتھ میں بڑی شفا رکھی ہے۔ میں نے تمہاری ٹوٹی ہوئی
پنڈلی سے منظر یعنی نہیں تباہ ہے اور ان سے کچھ مزید
مشورے لئے ہیں۔"

میں نے سعادت مندوں سے ہاتھ ان کی طرف
بڑھایا۔ انہوں نے بڑی مگر کوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور
مجھے تپتی دلا سونے لگے کہ تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔
اچھا اب میں چتا ہوں خدا جاننا!"

"رکھو! انہیں اذوار کہ توں میں ابھی
آؤ۔" جوگی نے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج! لیکن دو ذمکن کہاں چلی
گئی؟" میں نے پوچھا۔

"دو ابھی آ جاتی ہے باہر میرے لئے بھوجن بنا
کر رہی ہے۔" ان کے باہر جانے ہی میں نے زور سے
آواز لگائی۔ "ذمکن چار دیباگن!"

"میں جڑوں انھوں ساسا اتجاہ (انظار) کریں ابھی
آئی۔" اس نے باہر سے آواز لگائی۔ وہ جلد ہی میرے
پاس آ گئی اور چکر کھینے لگی۔ مندروان! اس کا دل مجھے بڑا
رہے ہو؟

۱۷ زور سے ہنسی اور پھر یک دم سنجیدہ ہو کر کہنے لگی۔
"دیکھو جوان! اگر میں تاکن سے ناراض ہوں تو میں شیو
کی مہاراج کی سوگند (قسم) کھا کر کہتی ہوں کہ تم سے ایسا
پریم کروں گی کہ تیری آتما خوش ہو جائے گی لیکن جب
تک میں ناراض نہ ہوں جاؤں تم مجھے تاکن ہی کہیں۔ تم کو
معلوم نہیں کہ میں ایک دیوہادی ہوں جسے اجروہیا کے
ایک مندر کی بھیبت نے مٹا دیا گیا تھا۔ میرا کام نہ چناؤ گا؛
اور پنڈت پجاریوں کا دل بہانا تھا۔ دیوتوں کی کرپا
ہے جو انہوں نے مجھ ابھانگن کو اپنی سیوا کے لئے شخص کر
لیا۔

"پھر تم جوگی مہاراج کے پاس کہا کر رہی ہو؟"
میں نے پوچھا۔ "تمہیں تو کسی مندو میں ہو چاہئے
تھا۔"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے اور میرے دھرم کا ایک راز
بھی جو میں تمہیں بتانا نہیں چاہتی۔"

"کیا تمہیں مجھے سے پریم نہیں ہے؟"
"کیوں؟ تمہیں یہ بات پوچھنے نہیں ہے؟"
"نہیں، تم مجھ سے کچھ چھپا رہی۔"

"ہاں، جوان! تم ٹھیک کہنے ہو پر تو ابھی بتانے کا
سے نہیں آتا۔"

"اچھا یہ تاکہ تیرے نفس کا راز کیا ہے؟" میں
نے پوچھا۔ "رات سے صبح کے وقت تو زیادہ حسین تھی اور
اب صبح سے ابھی زیادہ۔"

"یہ میرا نکسن ڈگ دھونکا کمال ہے۔ جب تاگ
دھونکا اپنا دل میرے جسم میں ٹھکرتا ہے تو میرا سارا شریر
کندن کی طرح دھونکتے لگتا ہے اور اس پر مزید یہ کہ میں نے
تمہارے روشن کے لئے اپنے آپ کو سناوا سجاا بھی
ہے۔"

ابھی ابھی! میں کہتی رہے تھے کہ باہر سے جوگی کی
آواز آئی، وہی ابھر باہر آؤ۔"

آ گیا۔

”مہاواج! تم نے کل مجھ سے کہا تھا کہ بیون اس دھرتی پر سب سے سندر چیز کا تم ہے۔“ میں نے اسے کہا: ”اور اگر اس کی سندرتا میں کسی فن پسند کنیا کا پر ہم بھی مل جائے تو منٹش کے لئے یہ دھرتی سوڈگ سٹان بن جاتی ہے۔“

”ہاں، میں اب بھی کہتا ہوں دھرتی کے بغیر تو منٹش کچھ بھی نہیں ہے۔“ جوگی نے کہا۔

”پھر تم نے اتنی خوبصورت ماری کو کسی لڑو کے حوالے کیوں کر رہا؟“ میں نے کہا۔ ”اس کے جانے کے بعد تو یہ گھر نہ تو تانوسا لگتے دگتے۔“

”دیکھو دیکھو! میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا ہے کہ وہ ماری نہیں ناگن ہے۔ اگر وہ ماری ہوتی تو میں بھی تمہیں اس کو اپنے سے جدا نہ کرتا۔“ کھانا تو یہ کہتا ہے کہ میں نے اتنی سندرتا کنیا کو منٹش کی مرضی سے جدا کیا ہے؟ مجھے چند ہے وہ میرا بردنے (دل) بھی اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ تمہیں اسے بھلانے میں کافی بے لگ جائے گا۔“

”آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں مہاواج!“ میں نے حنیف کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

”یہی حال میرا بھی ہے۔“ جوگی نے کہا۔ ”لیکن ہم مرد ہیں، ہم کھاناؤں کو کھیل جائیں گے لیکن وہ عورت جات این کھاناؤں کو برداشت نہیں کر سکتی، وہ تو جو ہم جنم کی بنیادی ہے۔ مجھے اس خاتمہ کے شیطانی دماغ پروردہ کر ہند آ رہا تھا جس نے ہادی کو ناگن بنانے کا گراہباد کیا۔“

”ہادی کو ناگن بنانے کا شرا!“ میں نے چمکتے ہوئے کہا۔ ”مہاواج! مجھے اس گورکھ و ہند کی بالکل بھی کچھ نہیں آ رہی۔“ کبھی تو تم کہتے ہو وہ ماری نہیں ناگن تھی، اب تم کہتے ہو اسے ہادی سے ناگن بنا گیا ہے۔ ہادی سے ناگن کیسے بن سکتی ہے؟ کبھی تم کہتے ہو ناگن

”میں نہ ہا اور من کرنا چاہتا ہوں۔“

”ٹھیک رہا جوان! میں ابھی اسی رشتہ میں اس سے سدھار رہی ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”لو تو ناچ سچ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ وہ مجھے کنیا کے روپ میں نہیں دیکھنا چاہتے اور وہ کھوئے مجھے نرنت بھولنے کی کوشش کرنا، ناگن سے پریم نہیں کرنا چاہئے۔ ویسے تم میرے من میں ہمیشہ وہو گے جوان! تم دو جوتا ہو دو پوتا۔ اگر تمہاری آگیا ہو تو نہاؤ سے چرن چھو کر من میں آنے والی آخری خواہش کو پورا کر لوں۔“ اس سے جو شتر کہ میں کوئی جواب دیتا وہ جھگی اور اپنا ماتھا میرے قدموں پر دھک دبا۔ میں نے دیکھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہ کر مال کھائی رہنما ہوں پر ایسے دکھ رہے تھے جیسے گلاب کے پھول پر شہم کا ترہہ۔“

ناگن کی حقیقت

ہند جوگی جلد ہی واپس آ گیا، اس نے ناشتہ کیا اور میرا کھانا میرے سر ہانے دکھا اور پھر کہنے لگا۔ ”دیکھو دیکھو! میں ان لڑکی کو ایک آدمی کے حوالے کرنے کے لئے جا رہا ہوں، بھگوان کی کرپا ہوئی تو شام سے پہلے ہی واپس آ جاؤں گا۔“

”لیکن مہاواج! تم اس لڑکی کو کسی کے حوالے کیوں کرنا چاہتے ہو؟“ میں نے بے چینی سے پوچھا۔ ”اس کی ساوی کھانا وہی پر تمہیں سادوں گا۔“ جوگی نے کہا۔ ”اب اس کا یہاں دھنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ مکان میرا ذاتی نہیں ہے بلکہ اس کے گھن کیوں گئے ہوئے ہیں، کچھ دنوں تک دو آنے ہی دالے ہیں۔“ پھر اس نے ناگن کو آواز لگائی۔ ”راج گور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“

”تیار ہوں مہاواج!“ اس کی سر ملی آواز سنائی دی اور پھر وہ مجھے ہنسا کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ دن ڈوبنے میں ابھی تھوڑی سی دیر باقی تھی کہ ہند جوگی واپس

فرائض میں شامل ہوتا ہے۔ خصوصاً پوجا کے وقت بھجن گانا
 لیکن حقیقت میں وہ مظلوم ہوتی ہیں۔ دھرم کے پجاری
 مذہب کے نام پر ان کے جوان جسم سے محفوظ ہوتے ہیں
 اور جب وہ بوزرگی ہو جاتی ہیں تو کوئی ان کا نہ مان، حائل
 نہیں ہوتا۔ بظاہر تو وہ دھرم کے کوٹھڑیوں کے لئے
 ایک مقدس مذہبی فریضہ انجام دیتا ہے لیکن حقیقت میں
 سادھوؤں، پجاریوں، پنڈتوں کی ہوس وانی کی بھینٹ
 پتہ چھی دیتی ہیں۔ تو دیکھو کتنے ایسے دھرم میں دھرم کے
 خادموں نے مختلف مقدس جیلوں بہانوں سے عورت کی
 نسوانیت سے حظ اٹھانے کے لئے خود ساختہ قوانین وضع
 کر رکھے ہیں لیکن ہندو دھرم میں نا، کی کچھ زیادتی
 عمل دخل ہے۔ میرے علم میں صرف نہارا دھرم ہی ایک
 ایسا جرم ہے جس نے عورتوں کے متعلق نہایت
 دانشمندانہ رویہ اختیار کیا اور جنسی نشہ کی فطری حیثیت کو
 تسلیم کیا اور چاروں طرف سے نکہ جانز قرار دیں۔ لوطیوں سے
 منہج کی تکیا میں پیدا کی، طلاق کو آسان کر دیا لیکن
 "نارائے دھرم میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔ نہارا دھرم جانز
 قرار دے گا کسی بھی تاریکی کی لخت (عزت) سے چیلنے کی
 اجازت نہیں دیتا لیکن وہاں سے ہاں ایک زیادتی بھی ہے
 کہ کوئی بہتری اسرار ہے کہ ہے ہوتی ہونی باپا گل لڑکی
 سے ہم ہنس ہونا پیشا باہا کہلاتا ہے۔"
 "جوگی مہاراج! مجھے اپنی باتوں کی کوئی سمجھ نہیں
 آتی، مجھے اپنے دھرم کے بارے میں کوئی پتہ نہیں ہے۔"
 میں نے بچ بولنے ہوئے کہا۔
 "دیکھو سورکھا! ڈونے جو اور دنو سے جو کیا ہے وہ
 تمہارے دھرم میں پاپ ہے۔"
 "لیکن اب تو وہ ہو چکا اس کا ذکر کرنے سے کیا
 فائدہ؟"
 "ہاں، سورکھا! یہ تو ٹھیک ہے، بس اب میرے
 ذہن میں یہ باتیں آگئی تھیں۔"

سال کی ہو جائے تو انسانی دوپ دھاوا کتنی ہے۔ تم
 میرے ساتھ صاف بات کیوں نہیں کرتے؟"
 "دیکھو رکھے! سو سال بعد! مگن کا انسانی دوپ
 بدل لیتا تو تمہیں دھوکا ملتا ہے۔" جوگی نے کہا۔ "بھلا یہ
 کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ مگن تاگن ہوتی ہے اور منٹ
 منٹ۔ البتہ ناری سے تاگن بن جاتا ہے تم ایٹھا اگھوں
 سے دیکھ چکے ہو۔ کیا کوئی ناری ڈہرنے تاگ کے ڈس کو
 برداشت کر سکتی ہے؟"
 "نہیں تو۔" میں نے جنڈی سے کہا۔
 "لیکن تم نے دیکھا کہ تاگ کے ڈسنے کے بعد نہ
 صرف وہ زندہ وہی بلکہ اس کے رنگے و دوپ اور
 سندراتے میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔" جوگی نے کہا۔ "اور
 یہ اس کا وہ ڈانڈا کا معمول ہے۔ جو خوراک وہ کھاتی ہے اگر
 تم کھاؤ تو تمہارا جیون نشہ ہو جائے گا۔۔۔۔۔ اچھا چھوڑو
 یہ بتا تمہارے ذہن کا کیا حال ہے اور دوپ نہیں ہوتا؟"
 "نہیں مہاراج!"
 "دھرتوں کی کرپا سے تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے
 اور مگنوں نے چاہا تو کچھ دنوں کے بعد تم صحیح طریقے
 سے چل چکر بھی سکو گے۔"
 "مہاراج! تمہیں لڑکی کہاں سے ملی اور اب تم
 اسے کہاں چھوڑ آئے ہو؟"
 "یہ لڑکی مجھے اجو دھما کے سندو میں ملی تھی، یہ ایک
 دیوادی ہے۔"
 "دیوادی کیا ہوتی ہے؟"
 "دیکھو! ہاں وہ دھرم میں دیوتاؤں کی اشریہ پاد
 حاصل کرنے کے لئے چھوٹی عمر میں خوبصورت لڑکیوں کو
 مندر کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔" جوگی نے بتایا۔ "پھر
 والدین سے ان کا کوئی ناٹ نہیں دیتا۔ وہ وہاں ہی ملتی
 پڑھتی ہیں اور دھرم کی تعلیم حاصل کرتی ہیں اور مندر میں
 پانچاگانا اور سادھوؤں، پجاریوں کا دل بہلاتا ان کے

میرے فریب آبا۔ اس کا سر گھنا ہوا تھا، بدن بے بسبوت گھے میں صندوق نیزی کے سونے سونے دانوں والی بلا لٹک رہی تھی۔ مجھے غور سے دیکھ کر کہنے لگا۔ پر ہم جوگی مہاراج! اس ناگن کے سے بچ کر رہتا۔ اس نے آپس سے میرے کان میں کہا اور آگے ٹی طرف بڑھ گیا۔ میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دینی اور دکان کو لے کر ایک کٹنا میں چلا آیا۔

”دیوی! تم بہت سندر ہو۔“

”شربہ مہاراج!“

”مجھے غم ہے پر ہم ہو گیا ہے، ہم میری آتما میں رہی بس گئی ہو۔“

”پر تو ابھی آپ نے مہرئی اصلیت نہیں جانی۔“

”مجھے مہرئی اصلیت سے کوئی غرض نہیں، تم بتاؤ کیا تم مجھے سے پریم کر دو گی؟“

”ہاں، میں مہرئی آتما سے پریم کروں گی لیکن میرے شریز پر آپ کو اچھا کھا حاصل نہیں ہوگا۔“

”اس کی وجہ؟“

”کاس کی وجہ کتنے بیماری نے آپ کو بنا دی ہے۔“

”لیکن مجھے اس کی کوئی سمجھ نہیں آتی۔“

”اس نے آپ کے کان میں کہا ہے کہ اس ناگن سے بچ کر رہتا۔“

”ہاں اس نے یہی کہا ہے۔“ پھر میرے ذہن میں نیزی سے ایک خیال آیا۔ میں نے داسی سے چند باتیں پوچھیں تو اس نے ان کی تصدیق کر دی۔ مجھے از حد افسوس ہوا داسی کے کچھ پر ایک جبب ہی پختہ نظر آنے لگی اور پھر وہ مجھ سے کہنے لگی۔

”مہاراج! اس لئے میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں مہرئی آتما سے پیار کروں گی لیکن میرا شریز تمہارے کاٹل نہیں۔“

مہرئی حالت ایسی ہو گئی جس طرح کسی پیاسے کے

”مہاراج! ناگن تمہیں کہاں سے ملی؟“ میرا ذہن وہیں اٹکا ہوا تھا۔

”دیکھ رکھنے! ہر شخص کے دل میں مہرمان نے پریم کی آشا رکھی ہوئی ہے۔“ جوگی نے بتانا شروع کیا۔ ”میں

اجود ہبا کے سندھ میں کنیش دیوتا کی مودنی کے سامنے پوجا میں مصروف تھا، جب میں پوجا سے فارغ ہوا تو ایک

سندر کنیا مجھ سے غائب ہوئی۔ جوگی مہاراج! میں دیوداسی ہوں، تمہاری سیوا کر کے میرے ذہن میں خوشی ہو

گئی۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا مگر میں بہ کنوں کر اپنی سادگی زندگی میں نہیں نے اس سے زیادہ حسین

لڑکی نہیں دیکھی تو نللا نہ ہوگا۔ وہ میرے قریب آ کر کرکری نو میں اس کی غرائی آنکھوں کے غمز میں کھو گیا۔ وہ مجھ

قیامت بنتی میرے دروہ و کھڑی مجھے مسکرائی نظر ڈان سے دیکھ رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے گذشتہ

اسے کھلیں کرتے وقت حسین اور رحمانی کے تمام خزانے اس کے جسم میں سمودے ہیں۔ وہ مختصر لباس میں ملبوس

تھی، اس کی پیشانی پر کوئی بند باندھنا جبب بھادو کھا رہی تھی، اس کے باقرتی ہونوں پر دیواز مسکراہت تھی۔ میں

چو گیا نہ لباس میں تھا، میرے سینے پر مندل ملا ہوا تھا جس کی خوشبو میرے ذہن کو فرحت بخش رہی تھی۔ اس کا ایک ایک

انداز ایسا تھا کہ ہزار جان سے اس پر غار ہونے کوئی چاہ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ میں

سب کچھ بھول کر اس کے سر پے میں کھو گیا۔

”کیا تم میرے ساتھ اس کٹنا میں چلنے کے لئے تیار ہو؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”ہاں، کیوں نہیں داسی کی کیا مجال ہے کہ انکار کرے۔“ اس نے کہا۔

پر بات کرنے والے دوسرے لوگوں کو ہم سے کوئی سروکار نہیں تھا کیونکہ بیماری کا ایک داسی سے باتیں کرنا کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ اچانک ایک بیماری

دبا۔" راج کو دہانے بتایا، "لیکن میں نے آج تک کسی کو ذہن کی کوشش نہیں کی لیکن میرے ذہن میں پریم کی آگلی بھڑکتی رہتی ہے۔ زہر میرے لئے آسہ حیات ہے۔ ایک دن بھی نامہ کروں تو جسم متھل ہو جاتا ہے اور ٹوٹنے پھوٹنے لگتا ہے۔"

میں اپنے خیالوں میں گم ہو گیا مگر میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ راجی کہا تم میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو سکتی ہو؟

"کیوں، تمس لئے؟" اس نے پوچھا۔ "میں تمہارے شراب سے ذہرنکال روں گا اور تم ربا دہاری کے روپ میں آ جاؤ گی۔"

"ہاں مہاراج! میں آپ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں لیکن مجھے یہی ڈر ہے کہ کہن دیو ہاتھ سے ناراض نہ ہو جائیں۔"

"دیوتاؤں کی مرضی یہ نہیں ہے، تمہارے ساتھ اسیا کر کے کسی نے ہاپ کیا ہے۔ کہا اس مندر میں کوئی اور راجی بھی سہاری طرین کا ہے؟"

"نہیں۔"

"تمہیک ہے، پھر تم تیار ہو جاؤ ہم کل یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

بارہ برسے ہو، جو کہ ہندو مذہب میں ایک گروہی سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جو کہ ہندو سے شروع ہوا تھا جس کا زمانہ تقریباً 832ھ اور 890ھ کے درمیان ہے۔ مہاراجی کا چچا چندر ناتھ اور چندر ناتھ کا چچندر ناتھ اور چچندر ناتھ کا گورکھ ناتھ کا ہانا تھا۔ ہانا تھا صلح جہلم میں روہتاس قلعہ کے پاس ایک نئے پرینچہ کرچہ کیا کرتا تھا۔ اسی ہانا تھا کے چیلے آج کل سپاہوں کی شکل میں پھرتے نگر آتے ہیں یہ جزی یونٹوں کے خواص اور سانہوں کی فصول کے ماہر مانے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ان کے پاس سانپ کا من (مکھ) ہوتا ہے جس سے

ر کے ساتھ پانی کا پیالہ لگا کر اس کے گھونٹ بھرنے سے پہلے ہی جدا کر لیا جائے۔

"کیوں مہاراج! اس لڑکی میں کیا بات نہیں جو تمہاری یہ حالت ہو گی؟" میں نے جوگی سے سوال کیا۔ "دیکھئے! اس کے شراب میں دوش بھرا ہوا تمہارا لڑکی سر پازا ہر تھی زہر۔"

"مہاراج مجھے سمجھ نہیں آ رہی آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے؟"

"دیکھ رکھئے! ہر دم مالے اپنے دم کے ہشون سے نمٹنے کے لئے کئی قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ جب ہماری پوز دھرنی پر نہما سے دم کے سوراخوں نے ادھم چاہا تو جہاں ہمارے راجاؤں نے

دیوتاؤں کی سرزمن کی مخالفت کرنے لئے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھی اور ہمارے سپوتوں نے دھرتی ماما کے لئے خون بہایا۔ اسی طرح ہماری کنیاؤں نے بھی دم کے لئے

بہت کچھ کیا ان میں یہ دیوتاؤں بھی شامل ہیں۔ لیکن چھوٹی عمر سے خاص مقدار میں زہر کھلا جاتا ہے جس کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ زہر کی مقدار بھی بڑھتی جاتی پھر یہ زہر بھی ناگھیں بن جاتیں۔ تمہارے درما چند ایک کے

علاوہ خرگھوورت کنیاؤں کے والدہ ہوتے تھے وہ بہت جلد اس جال میں پھنس جانے اور زندگی سے ہاتھ دھو

بیٹھے لیکن یہ تو بہت پچھلے زمانے کی باتیں ہیں اب جبکہ یہ خطرہ ہاتی نہیں میں حیران تھا کہ راج کو دہانے کے ساتھ کسی

نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے راج کو دہانے سے کہہ کر یہ کہہ پوچھا لیکن وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔ شاید کوئی

عیار چھاری شخص تجربے کی خاطر اس کے ساتھ ایسا کرتا رہا جس وہ اتنا ہی ہمتا سکی کہ ایک چڑت نے اسے کہا تھا کہ لڑکی اب تم ناری نہیں، لیکن میں چکی ہوتی ہوتی کسی بھی

دشمن کو جب چاہو ہلاک کر سکتی ہو۔

"مجھے میرے چاہو ہلاک کر سکتی ہو۔"

”ٹھیک ہے مہاراج!“ بھوجن تیار ہو گیا تو راجی نے حسب معمول اپنے بھوجن میں زہر ملا یا اور کھانے کے بعد کہنے لگی۔ اس برتن کو علیحدہ رکھنا، جانی دفعہ ہم اسے ساتھ لے جائیں گے۔ اب بہ میرا نوشہ دان ہو گا۔۔۔۔ رکھنے! بات بڑی لمبی ہے، مختصر یہ کہ میں نے اسے کئی مسئلہ دے کر دروغاً فوقاً قصد بھی کھولا رہا لیکن اس کے شریرے سے زہر کا اثر نہ نکل سکا۔ دوسرا مسئلہ یہ بنا کہ اگر اسے سترہ، خورداک، زہر کی نہ لینی تو وہ فریب المرگ ہو جاتی۔ میں نے خود بھی کوشش کی اور بڑے بڑے استاد جوگیوں سے مشورے کئے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ریدوں اور حکیموں کی طرف رجوع کیا اور پھر مجھے اطلاع ملی کہ حکیم فیض اللہ خلعت و طب میں بہ طوفی رکھنا ہے لیکن آج اس نے ابھی طرح سے معائنہ کر کے یہ انوس ناک خبر سنائی کہ اس بڑکی کے جسم سے زہر کا دورہ کرنا ناممکن ہے لہذا آج میں نے اپنے ایک سیوک کے ساتھ اسے داپہن اور دھوا بھیج دیا ہے۔“

نذر! اس کے بعد میری گناہ آلود زندگی کا دور شروع ہوا جو آج تک چل رہا ہے (چونکہ اگلے تمام واقعات ناقابل یقین، انتہائی غیر اخلاقی اور ناقابل اشاعت ہیں لہذا ان سے صرف نظر کرتا ہوں۔ راجم) ہندو جوگی کے ساتھ میں نے پورے ہندوستان کی سیر کی۔ اس نے مجھے ہندو مذہب کے بارے کافی معلومات پڑھائیں سکھائیں، میرے کانوں میں بالباں پہناریں، ابرو اور سر موٹھ ہر با، جو گناہ لباس اور نفیروں کی طرح صدا لگا کر مانگنے کا فن سکھایا، اور کلاز توجہ (چپناٹم) مختلف سوانگ رچانے کے طریقے۔ ایک دفعہ ہم ہرودرا (ہندوؤں کا مذہبی مقام جیسے ہمارا کہ معظمہ ہے) گئے۔ ہم جولا پور سے چل کر ہرودرا پہنچے تھے ان کے مشہور مذہبی رہنما سردن ناتھ جی سے ملاقات کی جب نہ بھی (ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق نجات کا رشتہ) کا رشتہ آتا تو میں

سانپ کا زہر مار گزیر، کے جسم سے چوس لیا جاتا ہے لیکن چونکہ یہ لوگ تعلیم یافتہ نہیں ہوتے بلکہ محض کلبہ کے فنیہ ہوتے ہیں لہذا ان پر اطمینان نہیں کرنا چاہئے یہ لوگ عموماً ریہائی علاقوں میں آتے جاتے ہیں اور ان پڑھ ریہائی مردوں اور عورتوں کو متاثر کر کے کچھ نہ کچھ بخر لیتے ہیں لیکن اب اکثر ریہائی علاقوں میں تعلیم کی روشنی پھیلنے کی وجہ سے عام لوگ ان پر اعتماد نہیں کرتے اور اس میں ریہائی علاقوں کے نوجوانوں خطبہ اور علماء کرام کا کردار بھی بہت اہم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید ہندو جوگی نے راج کو کو اسی بھروسے پر ہندو سے نکالا ہو گا کہ وہ کسی ریہ یا جوگی سے مشورہ کر کے اس کے جسم سے زہر بٹے اثرات ختم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ رکھنا ہندو جوگی کی باتوں کے سحر میں کھو گیا تھا اور بے باقی ہے پوچھا مہاراج پھر کیا ہوا؟

”رکھنے! اگلے دن منہ اندھیرے چڑی جوگی (صبح کی اذان سے پہلے ایک پرندہ اپنی مخصوص آواز میں بولتا ہے) تو ہم چیکے سے مندر سے نکل آئے اور یہ چھٹے تک کافی سڑھے کر لیا۔ دای سے چار پیگم کی باتیں اور مستقبل کے منصوبے بتانے ہوئے ہمارا ستر نہایت خوشگوار اور خوش کن خیالات میں طے ہو رہا تھا۔ درپہر کے وقت ہم ایک گاڑی میں بیٹھے جس میں میرا ایک سیوک رہتا تھا، میں نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے دروازہ کھولا اور میرے ساتھ ایک مندر ناری رکھ کر چند لمحوں تک مہیوت و حیران کھڑا رہا اور جب بولا تو اس کی آواز میں حیرت و استعجاب اور بے یقینی کا مالا جلا عنصر موجود تھا۔“

”مہاراج! آپ اور یہ خیس کی روپی؟ ہائے بھوگان چاند کا کھڑا ہے باری!“
 ”بھئی! ہمیں اندر تو آنے نہ۔ بھوجن کا انتظام کر رہے ہیں صبح سے کچھ بھی کھانا یا پانی نہیں ہے۔“

حکمت کی باتیں

ظلم کی بنیاد جب بنائیں رکھی گئی تو تصور اسامی
خاطر جو بھی آباؤں میں اضافہ کرنا کہنا اور اب علم اپنی
آجہا کو اتنی چکا ہے۔ اگر باؤشاہ عوام کے بارے سے ایک
میب کھانے کا تو اس کے نوٹرز پورے بارے کا جڑوں
سینت اکھاڑ لیں گے۔ اگر باؤشاہ بائچ انڈوں کا علم
جاڑ کھینچے تو اس کے سہائی ہزاروں سرخ سبوں پر
چرھاویں گے۔ جگر انوں کی ذرا سی غفلت قوم کو کہاں
سے کہاں پہنچا رہی ہے۔ (نوشہ زبان)

ہلا۔۔۔ معمولی گناہوں کے لئے نہیں کرنا جانے کہ معمولی
ہے، اس سے کیا ہو گا؟ کیونکہ کبھی معمولی آگ سے
پورا گھر جل سکتا ہے اور چھوٹی سی بٹی کو اس لئے نہ
چھوڑ دینا چاہئے کہ یہ نہ چھوٹی سی ہے اس سے کہا ہو
گا؟ کیونکہ کبھی پانی کا ایک گھونٹ بیان سے مرنے
والے کی جان بچا لیتا ہے۔

بیارہوں کی دوا میں بھاری قیمت پر لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ لیکن کسی
کا ذہن میں رات ہو جاتی تو ہم کسی زمیندار کے ذمے ہر
نمبر سے لوگ جو گیوں کی عزت کیا کرتے تھے، ان کے
خیال نہیں جوڑیں گے ہاں ایسے ایسے نسخے ہوتے ہیں
کہ جو بڑھے آدمی کو بڑا بنا دیتے ہیں اور بھی بہت
سادہ بے بنیاد باتیں جو گیوں کے بارے میں مشہور
نہیں۔ ہندو جوگی کو ایک طویل کہانی "طوطا و حنون وا" یاد
تھی وہ کہانی شروع کرتا تو ساری رات بیت جاتی لیکن
کہانی ختم ہوتی۔ مجھے بھی وہ کہانی یاد ہے۔

"دیکھئے! میں وہ کہانی کسی دن تم سے ضرور سناؤں
گا۔" نذر بنے کہا۔

"نیک ہے نذر! میں وہ کہانی تمہیں ضرور سناؤں
گا۔ نذر! وہ آدمی نہیں بیٹھا تھا، بے ناپاقت کا ایک
تھا۔ وہ شیطانی کھیل کھیلتا۔ وہ دوا سیدوں سے اس کے ناجائز

لئے ہندو جوگی کی تقلید کرنے ہوئے دھونی بانڈھی، لٹنڈ
لگا، اوڈکنڈل ہاتھ میں لے کر ہر کی تیزی پر جا موجود ہوا
سری حرکات سے ایک ہندو ڈنک ہڑ گیا۔ اس نے مجھ
سے پوچھا تم کون ہو؟ مجھے چونک کر جوگی نے بتایا ہوا تھا کہ
اگر کسی کو تمہارا سے مسلمان ہونے کا شک ہڑ جائے تو یوں
کہتا ہے۔ میں نے کہا میں یہ کہتا ہوں۔

"کون یہ کہتا؟" ہندو نے عجیبی نظروں سے دیکھنے
ہوئے مجھے کہا۔ میں نے جواب دیا۔ "فریجی"۔ اس نے
کہا اگر فریجی ہو تو ہر نہاد کی چوٹی کیوں نہیں؟ میں نے
کہا۔ جب سے سنیاس منوالی ہے چوٹی کڑا دی ہے۔ دو
کچھ مصلحتیں ہو گیا ہندو جوگی نے اسے بچھ سے ہائیں
کرتے دیکھ لیا۔ وہ زواجر ہوا ہم وہاں سے کھٹک
آئے۔ اگر میں بڑا اجاتا تو مجھے کسی دوسرے کے قدموں میں
بھینٹ چرھا دیا جاتا۔ اس کے بندیم ٹوٹا ہندووں میں
جانے سے کڑا تے تھے اگر کسی ہندو جوگی کسی ہندو میں
جاتا تو مجھے باہر چھوڑ جاتا۔ جب ہم کسی ایسے گاؤں میں
آئے جہاں مسلمانوں کی آبادی ہوئی تو ہم نصیرا بنے۔ لیکن
ہمیں کہ مسلمانوں کی ہی وضع چاہیے۔ جوگی جب پھیری
(ایک قسم کا قص) لگاتا تو بڑے ناز و انداز سے اچھٹا
کوتا۔ صد لگاتے وقت بڑے سر بے اور بھادی انداز
سے چھیننے لے کے ساتھ یوں کہتا۔

بانے دے وچہ کھو با لوا دے
وچہ پوا دے ڈول
دھے، بھیناں بے کچ مکی سردا
مونیوں تے مٹھوا بول

(مجھے بارے کے اندر کواں لگو اور او اس سے پانی
ٹکانے کے لئے ایک ڈول بھی ہو۔ بیٹیو، بہنو! اگر کچھ دینا
نہیں تو کم از کم بات تو مجھے لکھ مکی کرو۔)

مردوں مرد جمع ہو جاتے اور پھر گندم، آنا، تکی کافی
مقدار میں بیع ہو جاتا۔ کبھی دو دو حکیم بن جاتا اور مختلف

کے رحم کا ایک جزو تھے، دہنا چکے تھے۔ سیلے، طیلے، دیوالی، لوبی، سندروں میں پوجا ہات، جوگی، ساہو، بیماری وغیرہ کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی کئی غیر شرعی چیزیں بطور ایمان و عقیدہ وضع ہو گئیں جن میں سے بعض ابھی تک موجود ہے۔

ہندو نو ہندو سے کئی مسلمان روشن خیالی اب بھی ہندو اور ثقافت خوبے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں ہمارے بعض زکا، نام نہاد اوب اور دانشور سرنور کوشش کر رہے ہیں۔ اب اکثر راتر حضرات کی خریدوں میں بڑھے ہوں گے کہ "ہندو کی دیوی سریان ہوگی" یا اس جنم میں نہیں تو اگلے جنم میں نہیں جنہیں ضرور پالوں گا وغیرہ۔ حالانکہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق اگلا جنم تو صرف روزِ قیامت کو ہوگا جب تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حساب کتاب ہوگا اور ہندو نو ہندو کی طرف سے کوئی بے جو ایک جسم کی عارضی موت ہے نہ اس کی کوئی دیوی ہے نہ دہناتا۔ ہندو عقیدہ ہے کے مطابق مرنے کے بعد روحیں سو سات میں جاتی ہیں اور پھر وہاں سے انہیں کسی دوسرے قالب میں داخل کر دیا جاتا ہے اور ہمارے مذہب میں روح نیکے کے بعد عالم برزخ میں سنبھرائی جاتی ہیں۔ عقائد کے انہی اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تھا۔ گائے ہندوؤں کی گائے ماتا ہے جبکہ ہم ان کا دودھ پینے اور گوشت کھانے ہیں۔ غرضیکہ مذہب اور ثقافت کے زبردست اختلاف کی وجہ ہمارے لئے ایک علیحدہ وطن کی بنیاد ٹھہری، ہندو اور مسلم کبھی بھی، کسی بھی وقت، کسی بھی مقام پر نہ ایک دوسرے کے قریب تھے نہ آسکتے ہیں۔ ہاں، بطور ایک ہمسایہ کے ہم ان سے ایسے تعلقات کے خواہش مند ہیں۔

اب آئیں صرف چند لائنوں میں دیکھئے کہ ہندو رسم و رواج کے اثرات ہمارے دین پر کس طرح پڑے۔ ہندوؤں نے مندروں میں غیر اللہ کی پوجا ہات کی تو بعض

ثقافت تھے، اپنے سینکوں کی فوجوں لڑکیوں سے بے حیائی سے بھی نہیں چہ کسا تھا۔ بتارس و بھوپال، گھنٹولاہور سے بازار حسن میں داد عیش دیتا اور میں ان تمام بے حیائیوں میں اس کا شریک کار تھا۔ اگر کسی ایک علاقے میں ہماری اولیائی کا بھانڈا بھونتا تو ہم کسی اور جگہ ملے جانے ہندوستان ایک وسیع ملک تھا اور ہم سوا تک بھرنے کے ماہر ہم کسی کے تابو آنے والے نہیں تھے۔ ویسے بھی اس زمانے میں بھی ان نفسی اسلحہ اتنی زیادہ غذا نہیں تھی۔ اپنی حفاظت کا ذریعہ اپنا زور بازو ہی ہوا کرتا تھا۔ اچھی خوراک، آزادی اور ہر روز جیدل سفر نے ہمیں طاقتور بنا دیا تھا اور ہمراہ ہم تو پھر پھانسی نے کسرت کے ذریعے لوہے کا بنا دیا تھا۔ دیکھئے میں ہم شریف آدمی بلکہ ایک قسم کے مذہبی لوگ تھے لیکن شیطان بھی ہم سے بنا دیا تھا۔

حرفے چند

دل تو چاہتا تھا کہ مذہب کی داستان کا یہ حصہ بھی دل کرا کر کے سپرد قلم کر دیتا تاکہ عام لوگوں کو ان بہرہ ہوں کی اصلیت کا پتہ چل جاتا لیکن "حکایت" کے مزاج و پیش نظر رکھنے ہوتے کچھ حصہ چھوڑ دیا ہے۔ ویسے کافی کچھ لکھا بھی جا چکا ہے، نگینہ کے لئے اشارہ بھی کافی ہوتا ہے اور اس کی ضرورت بھی اس لئے پیش آئی کہ جاہل تو رہے جاہل ہڑ سے لکھے لوگ بھی ان جملی ہڑوں، فقیروں، عالموں، بانوں، دردیشوں کے چکر میں آجاتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ دین کا نام استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے جہاں حوام الناس گراہ ہو رہے ہیں وہاں دین بھی بدنام ہو رہا ہے۔ پاکستان کے معرضہ وجود میں آنے سے پہلے ہندو مسلم تحفظ معاشرہ قائم تھا جس میں ہندو آبادی اکثریت میں تھی اور زیادہ تر مالی وسائل پر بھی انہی کا کنٹرول تھا لہذا مسلمان ایک قسم کی غلامانہ زندگی گزار رہے تھے اور اکثر مسلمان ہندوؤں کے زخم درد و جان

برہا حضرت محمد ہیں
علیٰ دشمن ہیں
بکیش حضرت آدم ہیں
شہتی حضرت حوا ہیں

نور کتبک کا مفروضہ یہ ہے کہ حضرت محمد ہیں۔

سورت میں سنگ خارا کا ایک منہ، ہے جس کا ہنست رنگی لال ایک ہندو تھا۔ ان کے مندر میں قرظم سروپ نامی کتاب کی پوجا ہوتی ہے۔ یہ لوگ پرنامی کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کرشن مہاراج، محمد ایک ہی ہیں۔ پہلے کرشن کے روپ میں جلوہ گر ہوئے، اب محمد کے روپ میں حرب میں نمودا ہوئے۔ اس مذہب کا آئب راجہ لورنگ زب سے لڑا تھا۔ قزم سروپ نامی کتاب میں 1875 شعر بیان کئے جاتے ہیں۔ ان میں اکثر عربی کے الفاظ میں جام گھر میں ہر سال ان لوگوں کا اہلہ نوہ ہے ان کے نام آج تک ہندوؤں ہیں۔ سنگ لال، ماس، بھنی، وان وغیرہ قسم کے ہوسوں کے لوگوں کوئی نہیں ہے اور ہے ہر گران لوگوں کا ہندوؤں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں نہ یہ خود ہندو کہلاتے ہیں۔ یہ 1060ء میں ہنزالی علاقہ ہجرات میں پیدا ہوئے۔ ہندوؤں کوئی تعداد نہیں ان کے حربہ تھے ان کی تفتیحات میں ہے، تلبہ مبارک، نور نامہ، ایمان مفصل جنگ نامہ، طرکشی، وفات نامہ وغیرہ ہیں۔ یہ ہندو اور مسلمانوں کے شہزادے تھے۔

اسی طرح امام شاہی فقیروں کا ایک گروہ ہے جن کے سر پاؤں کا کچھ ہند ہی نہیں تھا۔ فرزند مسلمان فقیروں، درویشوں نے بہت کچھ ہندو جوگیوں، سادھوؤں، پنڈتوں سے حاصل کر کے دین کو غلط ملاحظہ کر دیا۔ اب بھی ہمارے جاہل فقیروں میں ہندوؤں کو طہ ضربے کثرت سے لگتے ہیں اور جاہل عوام ان سے بہت

مسلمانوں نے فہرہوں کی پوجا پات شروع کر دی۔ انہوں نے بھجن گائے، انہوں نے نوال شروع کر دی۔ ان کے ساہجوں، جوگیوں، پجاریوں کے مقابلے میں ہمارے ہاں کئی قسم کے فقیر، ملک، عامل وجود میں آگئے اور قبروں کا کاروبار اسے وسیع پیمانے پر رواج پا گیا کہ ہر علاقے جگہ ہر گاؤں میں کوئی نہ کوئی قبر لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن چکی ہے جہاں ایسے ایسے غنٹے، مفرد، جاہل، شرابی، بھنگی، زانی، بہرہ سپنے بیٹھے لوگوں کی عزتوں سے کھیلنے اور اموال پر ڈاکے ڈالتے ہیں اور نام دین کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ فہرہوں کے معاملے میں اتنی اندر گہری لگی ہوئی ہے کہ کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔

محمد اکرام صاحب، روڈ گورڈ کے صفحہ 151 پر لکھتے ہیں۔ دارالملک، ہی کرنی فوجی ہجرات کا مہاراجہ میں رہا گیا۔ آج دکن میں اس کی قبر سے زب، فہرہ ہیں اور ہر جگہ مستحقین کا جنم ہوتا ہے۔ اسی فقیری کے بہانے بچھے ہوئے بد معاش فقیری کے کہاں میں روٹھ بیٹھے، سونے کی انگوٹھیاں استعمال کرنے، ڈاکو جیوں جوٹیاں رکھتے، سنگ پھونگتے، بھنگ پینے، چرس کے گم لگانے، گھیلوں میں مسست سائڈوں کی طرح دھناتے پھرنے ہیں۔ مسلمانوں کی نام نہاد فقیری، وردہنگی میں ہندو دھرم اس قدر غلط ملاحظہ ہو گیا کہ بیچان کرنی مشکل ہو گئی کہ ہندو کون ہے اور مسلمان، خضغ ایٹ کے قعبہ مارہرو میں سولاہ نور داس مہاراج ایک بزرگ تھے۔ (نام سے اندازہ لگائیں) جو قادری کہلاتے تھے۔ سنا رہتے تھے مشہی سونوی روی، دیوان حافظ، ٹکسی اور کبیر کے اشعار گانے دہتے تھے انہیں ہندو اور مسلمان شیوا کا لورا مانتے تھے۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں زندہ تھے۔ انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو "قادری" کی اصطلاح میں مرتد کیا۔ ایک مشہور شخصیت نے ہندوؤں کو بھولا جانے کے لئے ایک وفد کہا تھا۔

لوگ اپنی عورتوں کو افراد تھے، وہ بوی کے مندر میں مردوں سے اختلاف کے لئے پہنچا دینے تھے۔ ان عورتوں کی چوٹی میں پھول گندھے ہوئے تھے۔ یہ غیر مردوں کی راہ تھیں، جب کوئی عورت کسی مرد کو پسند آ جاتی تو وہ اس کی جموٹی میں چاندی کا سکہ بچھک دیتا۔ دو چار دو چار اس سکہ کو قبول کر لیتی اور ساتھ ہو جاتی۔ مگر لڑکی تو اس کو کھڑکی چیز سمجھا جاتا لیکن اسلام نے عورت کو ایک بچے موٹی کی طرح پیش کیا بعض ایسے کام جو بچی کے کام ہیں، ان سے بھی عورتوں کو استثنا حاصل ہو گیا۔ مثلاً عورت اذان نہیں دے سکتی، امامت نہیں کر سکتی، جس عورت پر واجب نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو نبوت کے عہد سے پر بھی فائز نہیں کیا۔ حالت نماز میں امام کے بھولنے پر نذر نہیں دے سکتی۔ دو خاندان نہیں کر سکتی اگر خدا خواست عورت کو ایک سے زائد خاندان کی اجازت ہوئی تو یہ منصف تازک اور قابل درم گھون گدھوں سے بھی بدتر بن جاتی۔

دو دو ایسی بندر میں گا سکتی ہے، تاج سکتی ہے اور کئی ذمہ داری عورت شوقین کے بطور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ یونان میں ہلو بلیا رومی کا مبلغ آٹھ دن کے لئے لگتا ہے اور ان آٹھ دنوں میں ڈاکٹرین کے لئے روس کی لڑکیاں سامان میں مہیا کرنی تھیں۔ یورپ میں کئی مسیحی فرزندوں نے عورتوں کو کسبہ بنا با اور ان کی آمدنی سے اپنا خزانہ بڑھانے دہیں۔ گورباں نے ریش کے سفر میں لکھا ہے کہ ستر ہویں صدی کے آغاز میں میں ہزار کے قریب کسبیاں لکھی تھیں جنہیں سے حکومت کو اٹنا فائدہ ہوتا تھا کہ اس سے ایک درجن جنگی جہازوں کے مصارف پورے ہوتے تھے۔ غرض کہ ذمہ داری عالم میں اسلام پہلا ذمہ داری ہے جس نے عورت کو نصف کائنات سے تعبیر کیا۔ اس کے حقوق تسلیم کئے، جنس کی مخالفت کی، گواہی کوئی بھی شکل ہو نہ تو گواہ فرار دبا اور باز پرس کے تصور کو ہی محو کر دیا لیکن جب مسلمانوں نے اسلام کو نہیں پشت ڈال

جلد متاثر ہو جانے ہیں۔ خیر یہ جنگی پیر اور عامل نو کسی کھانے میں شمار کرنے کے قابل نہیں ہیں انہیں تو اس وقت ہوتا ہے جب صحیح اولیاء اللہ کے مزاروں پر اس قسم کی خرافات کی جاتی ہیں۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کے الفاظ ہیں۔ ابتدائی مذہب سے جس کا تعلق ایک تاریخی حقیقت ہے کیونکہ مذہب اور جنسی جذبات ہی کی تسکین کا ذریعہ ہیں۔ یونان کے اپیکورس، بھارت کے بلوہ سواہی اور رام بارگی کے لوگوں نے ایسے اور جنسی ہی کو کھڑکی اور عبادت فرار دبا اور جب مذہب میں تصور کا عنصر شامل ہو تو اس کا تعلق "دھن" کے ساتھ اور بھی واضح ہو گیا اور "نہہ درست" کے پورے میں خدا جاننے جنس کی کہا گیا صورتیں جواز حاصل کر گئیں۔ اسلام نے ریواہیتوں کا ادوارہ پیدا نہ ہونے دیا لیکن حضرت راتما صحیح تعلق، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت صاحب کلبرٹی، شاہ بری کیف اور دوسرے صوفیاء کے مزاروں پر طوائفوں کا رقص و سرور اسلام کے اخلاق عالیہ کے باوجود اب تک جاری ہے۔

اُس یا زار میں (صفحہ 18)

مولانا کا یہ کہنا کہ "اسلام نے دوسریوں کا ادارہ تو پیدا نہ ہونے دیا" لیکن میرے خیال میں یہ بحیثیت جمہوری سے انفرادی طور پر "اتاری ملنگی" کا وجود ضرور موجود ہے گواہی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں لیکن ملنگی کا وجود میں آپ کو ضرور دکھا سکتا ہوں اور کئیوں کو مزاروں کی نذر کرنا تو تھہ لوگوں کی کتابوں سے جس کا بھی چاہے میں دکھا سکتا ہوں۔ جو کوئی چاہے مجھ سے رابطہ کرے حوالہ کتاب کا نام بھوہ محفو حاضر خدمت کر دوں گا (راتم)۔ ہاں یہ میں ماننا ہوں کہ ایسا مثلاً ہے کیونکہ اسلام کا مزاج اس بے جانی کو پسندے گا مگر فراموش نہیں کرنا ہذا کسی کو سر عام نہ جرات نہ ہو سکتی لیکن خفیہ طریقے پر اس کی بعض لوگوں نے کوشش ضرور کی۔ قبل از اسلام تو بائبل کے

سے اسے جام سہیا بنا لیا۔ کہہ مارنے ایک جام سہیا بنا یا اور لوگوں نے اس کو آبِ خورہ کچھ کر سجدہ کی دیوادی پر کر کے دیا تو پھر کیا اس سے سنی کی حقیقت بدل گئی۔ پیالہ میں چاہے شراب بھر دو جا ہے زہم۔ عودت کو کسی بنا دیا گھر کی ٹکڑا جو چاہے بنا دو۔ لیکن ہر حال میں وہ عورت ہی ہے۔

اسلام عورت کے آبِ خورہ میں زہم بھرنا چاہتا ہے مغربی تہذیب شراب۔ اب یہ عودت کی بصیرت پر منحصر ہے کہ وہ ان دونوں میں کون سی چیز پسند کرتی ہے۔

ناقابلِ قرا موش

غزیر نے کہانی جاری رکھتے ہوئے کہا۔ قادی صاحب! میں نے رکھنے سے پوچھا کہ کیا نہیں کسی اپنے کئے پر ندامت اور شرم بھی محسوس ہوتی یا کوئی انکی بات کہ تمہارے ضمیر نے تمہیں مجھوڑا اور کوئی بات تمہارے ذہن میں جرم گئی ہو؟

”ہاں، غزیر! انسان خواہ کتنا بڑا گناہگار ہی کیوں نہ ہو انہیں کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہی رہتا ہے تا وقتیکہ ضمیر ہانکن ہی مردہ نہ ہو جائے۔ رکھنے نے کہا۔ ”یوں تو میری زندگی میں کئی واقعات ایسے ہیں لیکن کچھ واقعات ایسے ہیں جو مجھے شاید کبھی نہ بھولیں جن میں ایک واقعہ تو ابھی حال ہی میں پیش آیا اور اس واقعے کا ضمیر بھی ملم ہے۔ جب غلطی سے میں نے جنت کے ساتھ بے حیالی کی گئی۔ تمہیں پتہ ہے کہ میں نے شدید غصے کے عالم میں اس دن تمہیں پہلی بار مارا تھا اور جنت کو رخصت کرنے کے بعد میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ ہاں رکھتے مجھے ابھی طرح یاد ہے۔“ رکھنے کی آواز بھرا گئی شاید اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ذرا سنبھل کر کہنے لگا۔ ”پہلے ماہی کی عزت میرے ہاتھوں سے لئے گئی۔ میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اب بھی جب کبھی مجھے یہ خیال آتا ہے تو رو دیکھتے گھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں پھر بھا

دیا اور ان کے دل دو مارغ اسلامیت کے تصور سے خالی ہو گئے تو سبھی بند ٹوٹ گئے اور یہ بات میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ عورت فحش کی جس منزل سے بھی گزردی ہے اس کے ذمہ وار مرد ہیں اور صرف مرد۔ مرد نے عودت کو ٹھکڑا سمجھا، چنانچہ مرد کی نفسی خواہشوں کے غلبہ کا نام ہی فحاشی ہے۔ کوئی عورت فحاشہ ہونا پسند نہیں کرتی حتیٰ کہ ایک طوائف بھی نسوانی حیاستے کبھی نہیں ہوتی ماسوا ان عورتوں کے جن کی عادت پختہ ہو کر نفرت میں جاتی ہے۔

فحش کے ذمہ وار مرد ہیں، صرف ایک دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:-

(1) ایک معطل نا جائز پیرہنے کے جرم میں معطل کر دی گئی۔ اس کو فرانس کی وزارت تعلیم نے اس بنا پر بحال کیا کہ شارج کے نغمہ ماں بنا کر زیادہ جمہوری طریقہ ہے۔

(2) فرانس ہی کے 127 ویں روز جن کے کاغذ نے دو دن جنگ میں ایک حکم نامہ جاری کیا جن کے الفاظ یہ تھے۔

معلوم ہوا ہے کہ فوجی قبہ خانوں میں بندو بچوں کے جہوم اور اجارہ کی وجہ سے سوار اور پیادہ سپاہیوں کو شکایت ہے۔ ہائی کاغذ عورتوں کی تعداد بلا جانے کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ جب تک یہ انتظام نہیں ہوتا بندو بچوں کو پداہت کی جاتی ہے کہ وہ زیادہ دیر انداز رہا کریں اور اپنی خواہشات کی تسکین کے لئے غلبت سے کام لیں۔

یعنی جب تک حرے عورتوں کا انتظام نہیں ہوتا باہر کی عورتوں سے کام چلائے۔

میں پوچھتا ہوں کیا سبکیا وہ تہذیب ہے جو ہمارے سردوں پر تصور ہے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قاسم عبدالغفار کے الفاظ میں۔

کہہ مارنے ایک خوبصورت آبِ خورہ بنا یا لوگوں

بدلتی کی اور پھر لڑکے کے منہ میں اپنے مخصوص انداز سے کپڑا ٹھونسا اور اسے کپڑے کے بنے ہوئے ٹھیلے نما شکلوں میں ڈالا اور اپنے کندھے پر لٹکا لیا اور تیزی سے ایک طرف کر چلے لگا۔

اپنا تک در لڑکی چلی کی تیزی سے اٹھ کر شہرینی کی طرف بچھ پر حملہ آور ہو گئی لیکن ایک عورت ذات میرے لئے وئی مسرت نہیں تھی۔ اس نے میرے کندھے پر ہٹکے ہوئے ٹھیلے و دروڑوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ میں سمجھا کہ یہ نژاد عورت کیا کر سکتی ہے لیکن اس کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ میں حیرانی کے ساتھ ساتھ ہر بٹائی میں جتا ہوا گیا۔ پتہ نہیں اس میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی۔

میں نے کالی زور آزمانی کی لیکن فاساب نہ ہو سکا۔ مجھے اپنی حالت پر جو ٹھنڈا ٹھنڈا کانوڑا ہو گیا۔ ساتھ ساتھ زور و زبانی اور بار بار کہہ رہی تھی میرا پچھو مجھے واہیں کر دے، اس کے اخیر میں نر جاؤں گی۔ مجھے جلدی بھی تھی کہ کہیں کوئی رائیجہ نہ آ جائے۔ جب میں نے سمجھا کہ عورت کے جیتے میں میں اپنے کو بھی نہیں لے جا سکوں گا تو میں نے اپنی جیب سے نیر و حار چافو نکالا اور عورت کے پیٹ میں ٹھوپ رہا۔ اس کی زبردست چٹائی اور پھر زمین پر گر کر رہنے لگ۔ میں تیزی سے اپنی منزل کی طرف دوڑا ہوا گیا۔ جوگی کے پاس پہنچ کر بچے کو ٹھیلے سے باہر نکالا تو یہ دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا کہ لڑکا مر چکا تھا۔ نڈرا جنس ہندو جوگی کی کمزوری میں اس کا ذہن ہر وقت شیطانی منصوبے بناتا رہتا تھا اور مجھ پر تو عورت سوار ہو چکی تھی۔ میں ایک بھکا ہوا انتہائی فاضل جوان تھا۔ ہم ہر وقت عورت کے بارے میں سوچتے تھے۔ ایک دن ہندو جوگی مجھے کہنے لگا رکھے نہیں سے سات آنھ سال کی خوبصورت لڑکی انخوا کر کے لا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ استاد اس کا کیا کرے گا؟ کہنے لگا رکھے نہیں پتہ نہیں لڑکیاں بارہ خیر سال کی عمر میں جوان ہو جاتی ہیں۔

کو سائے دکھ کے اور کچھ بھی نہیں رہے سکا خدا اور پھر اس کی موت کے بعد اس کی عزت و ناموس کو خاک میں ملا رہا۔ نڈرا یاد رکھو اگر ٹھونے عمارت جنت کے ساتھ بے جہانی کی ہوتی تو میں تمہیں بھی زور نہ چھوڑتا لیکن تو بھی میری طرح بے خبر تھا، میں نے سینے پر چتر کی سل رکھی جب میں اپنے آپ کو کوئی سزا نہ دے سکا تو نہیں کون سی سزا رہی۔ اس واقعے کو ہر انہیں خیال میں زندگی میں بھی بھول پاؤں گا۔ رکتھا چپ ڈو گیا۔

فاری صاحب! جنت کے ذکر کے ساتھ ہی میرے سینے میں ایک کسک سی اٹھی اور میری روح میرے جسم کی مٹھن ٹھیر میں کہیں سمٹ کر رہ گئی۔ رکتھا میری اندرونی کیفیت سے بالکل بے خبر تھا۔

دیکھئے نہ ایک مرد آ رہے ہیں اور بڑے زور سے کہتے لگا۔

وقت رہا ہے جھوٹا آؤں جسے سو زور لگانے لیاں ہتھوں جو ہائی لگ جاوے سوں کر چھیاں واہے آگے چل کر، کھنے نے بتانا شروع کیا۔ ہندو جوگی کو ایک دردہ چتے چتے کی ضرورت تھی جسے وہ اپنے کسی محل کے لئے اپنے کسی دیوتا کی عینٹ چڑھانا چاہتا تھا۔ میں اس سے پہلے بھی کئی بچے انخوا کر چکا تھا اس دن میں اسی کام سے نکلا، واہنا کر دوپہر کے وقت ایک نوجوان نے عورت مجھے نظر پڑی میں نے ارد گرد نظر دوڑائی۔ دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ میں جب اس کے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک انتہائی خوبصورت انہی پاگل جوان لڑکی تھی، میں نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور ایک فریبی روخت کے سامنے میں لے گیا۔ میرے روہے سے وہ بہت زیادہ مبہم گئی تھی۔ اس کی گردن میں ٹین چاؤناؤ کا خوبصورت لڑکا تھا۔ دکار کو سامنے دیکھ کر میری شیفت پوری طرح سے بدلا ہو گئی۔ میں نے لڑکا اس کی گردن سے چھین کر دوز چھیک ویاڈا ڈال پھر اس سے

نے متعلقہ عورت کا پینٹ چاک کر کے پٹی کو نکال لیا تھا۔
 "اچھا لیکن پولیس نے کوئی اعتراض نہ کیا؟"
 "پولیس نے اعتراض کیا کرتا تھا بھلا ایک مردہ
 عورت کا پینٹ چاک کر کے ایک جان کو بچا لینے میں
 پولیس کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ گاؤں کے مہلولی صاحب
 نے بھی دہازت دے دی تھی پھر گاؤں کے بااثر لوگوں
 کے کھانے سے معاملہ منع دیا۔ دیکھ دو کیا؟"

"اس عورت کو کس نے قتل کیا اور کیوں؟"

"اللہ لوگو! وہ عورت اس لڑکی کے باپ کے ساتھ
 بھاگ آئی تھی اور پھر کسی طرح اس کے گھر والوں کو پتہ چل
 گیا کہ وہ فلاں گاؤں میں ہے۔ اس عورت کا گاؤں یہاں
 سے خنوزا بھی ہوا تو سمجھنے سے کسی طرح تم نہیں ہو گے۔
 انہیں کسی طرح اطلاع مل گئی وہ اتنے اور دن ویساڑے قتل
 کر کے فرار ہو گئے اور خود ہی بن گئے کہ ہماری لڑکی کو اغوا
 کر کے قتل کر دیا گیا ہے۔ پولیس نے اس آدمی کو پکڑ لیا۔
 اس نے اغوا کا اقرار کر لیا لیکن قتل سے انکار کرتا رہا۔ آخر
 پولیس نکلنے سے تنگ آ کر اس نے قتل کا اقرار کر لیا لیکن
 عدالت نے ناکافی دہشت ہونے کی وجہ سے اسے سزا دی کہ
 دیا بعد میں فرسے بھی، معلوم افراد نے قتل کر دیا؟"

"ارو! وہی کون تھے جنہوں نے لڑکی کو قتل کیا؟"

"اللہ لوگو! تم جان کر کیا کرو گے؟"

"پولیس میں ویسے ہی پوچھ رہا ہوں۔"

"وہ آگے نہ نکلتے تھے بہت بڑے سے چوہدری تھے
 دروان کا خاندان پھولانی کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔
 آج کل ہاچا پھولوان بہت مشہور ہے۔ وہ اسی خاندان
 سے تعلق رکھتا ہے۔"

اور جب ہرے پوچھنے پر اس نے گاؤں کا نام بتایا
 تو حیرت سے میری اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رو
 گئی۔

(یہ پڑھنا اور شرمناک داستان جاری ہے)

میں اسے اپنے کسی سبک کے پاس جموڑوں کا اور جب
 دو جوانی کی سرحد میں پہنچے گی تو میں تمہیں عورت کے
 بارے میں ایک ایسا راز بتاؤں گا کہ تو اس کو پہلے نہیں
 جانتا ہو گا۔ میں نے جوگی سے اس راز کے متعلق پوچھا تو
 کچھ پس و پیش کے بعد اس نے بتا دیا (مصلحتاً میں اس راز
 سے پروردہ نہیں اٹھا رہا۔ راقم)

مجھے جوگی کے اکتشاف کے بعد بذات خود اشتیاق
 پیدا ہو گیا تھا۔ میں کوئی بھی باطل لڑکی اغوا کر سکتا تھا لیکن
 دو راز کسی باطل لڑکی کو اپنی عمرانی میں جو ان کرنے سے
 ہی نکل سکتا تھا۔ لہذا میں گواہی کرنے کے بہانے کسی
 خوبصورت لڑکی کی تاک میں رہنے لگا۔ آخر ایک گاؤں
 میں مطلوبہ لڑکی مجھے نظر آگئی۔ میں نے اچھی طرح سے
 گھر کا نقشہ ذہن نشین کر لیا اور مناسب وقت پر اپنے
 منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سوچنے لگا۔ جب
 میں گاؤں سے باہر نکلا تو ایک اور فقیر میرے ساتھ مل گیا
 جو دی گاؤں سے بجیک تاکہ کر رہا ہے اپنے گھرانے پر جا
 رہا تھا۔ ان جیسے فقیروں کو مقامی زبان میں تول کہتے تھے
 ایشیاد ان کی کوئی ذات وغیرہ ہوگی۔ یہ لوگ مقامی لوگوں
 کے حسب نسب اور ان کی نامہ دینی عادات و روایات سے
 واقف ہوتے تھے۔ جیسے ہمارے ہاں مہرائی لوگ درتے
 ہیں۔

میں نے اس سے بانوں بانوں میں اس گھر کے
 متعلق پوچھا جس میں شہین نے اپنی مطلوبہ لڑکی دیکھی
 تھی۔ تو اس نے جو اکتشاف کیا وہ چونکا رہے والا تھا۔
 اس نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تم نے اس گھر میں ایک
 سات آٹھ سال کی بچی دیکھی ہے جو بہت ہی خوبصورت
 ہے۔ شہین نے کہا ہاں، شہین نے دیکھی ہے اسی لڑکی نے
 مجھے ایک بڑی تعالیٰ میں گندم خیرات میں دی تھی۔ کہنے لگا
 اس لڑکی کی والدہ کو کسی نے قتل کر دیا تھا اور وہ لڑکی متعلقہ
 کے پینٹ میں ٹھی بعد میں حکیم کے مشورے سے زوج

ہنر

نازیہ لیاقت

اگر میں غیر کے عیب و ہنر کو دیکھتی ہوں
 تو اس سے پہلے میں اپنی نظر کو دیکھتی ہوں
 قیاس کے لئے اب کیا رہی ہے گنجائش
 خبر کو سنتی ہوں خبر کو دیکھتی ہوں
 بنائے جاتے ہیں کس طرح خواب مٹی سے
 دیکھنے کو میں اس کو زہر کو دیکھتی ہوں
 کوئی اثر نہیں آتا نظر دعاؤں میں
 تو پھر دعاؤں سے خالی اثر کو دیکھتی ہوں
 یہ سر بلندی ترے عاشقوں کی یونہی نہیں
 جبیں پہ آج بھی میں خاکِ زر کو دیکھتی ہوں
 بہت غرور تھا اس کو وطن پرستی پر
 کہیں پڑا ہوا اب اپنے سر کو دیکھتی ہوں
 نازیہ دشت میں دیوار و در نہیں ہیں تو کیا
 یہاں بھی سبز و دیوار و در کو دیکھتی ہوں

میں نے تو تمہیں شروع میں ہی معاف کر دیا اور وعدہ معاف بنایا تھا۔ تم نے اللہ کی مقدس کتاب پر حلف لے کر جھوٹ بولا۔ خدا تمہیں معاف نہیں کرے گا۔

سلطانی گواہ

چوہدری ظہیر الحق (ریٹائرڈ پولیس آفیسر)



جوانی کے ابتدائی دور میں ہر شخص کے سینے میں جذبات کا ایک طوفان موجزن ہوتا ہے۔ اس دور میں آدمی بہت حساس ہوتا ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جذبات سے لہریز خیالات کو رات سونے سے پہلے ایک ڈائری کے صفحات پر منتقل کرتے ہیں۔ کچھ لوگ دن میں پیش آنے والے اہم واقعات اور اپنے مشاہدات ڈائری میں درج کرتے ہیں۔ ڈائری لکھنا بڑے بڑے بادشاہوں کا بھی معمول رہا ہے۔ ترک باہری اور ترک جہانگیر بھی ان بادشاہوں نے جو واقعات قلمبند کئے وہ آج تاریخ کا اہم حصہ بن چکے ہیں۔

میری جوانی تحریک پاکستان میں حصہ لیتے، قائد اعظم اور پاکستان کے نعرے لگاتے گزری۔ اس دور کے نوجوان جذباتی کم اور سیاسی شعور زیادہ رکھتے تھے۔ یہ ہنگامہ خیز دور تھا۔ میں نے جوانی کے اس دور میں کئی ڈائری نہ لکھی تھی لیکن اسب روزانہ پیش آنے والے واقعات اور اپنی مصروفیت کو ڈائری میں لکھنا میرا فرض سمجھی تھا جو سرکاری جانب سے ایک پولیس افسر ہونے کی حیثیت سے مجھ پر عائد تھا۔ میری مراد پولیس افسر کی "ڈائری" سے ہے۔ اسے صرف عام میں "جمنی" بھی کہتے ہیں۔ کسی مقدمہ کی تحقیق کرنے والے پولیس افسر پر لازم ہے کہ سارے دن کی دو بار اور تفتیش کی تفصیلات روزانہ جمنی میں لکھے۔

قالباً یہ سال 1962ء کی بات ہے۔ ستمبر کا مہینہ تھا۔ دن کو آفتاب خوب چمکتا اور رات ہوتے ہی موسم خوشگوار ہو جاتا۔ میں انارکے ایک کیس کی تحقیق کر رہا تھا۔ اس رات اپنے کمرے میں بیٹھا سو رہا تھا کہ اس کیس کی ضمنیاں کھل کر ناپا۔ رات کا ایک بج چکا تھا۔ میں کام کھل کر کے کمرے سے نکلا اور تھانے کے وسیع و عریض صحن میں سے گزرتا ہوا صحن گینت کی جانب بھریجے

کمرے کی طرف بڑھا۔ سیاہ کالی رات تاریک آسمان پورے تھانے پر سکوت طاری تھا۔ یہ چاند کی ابتدائی تاریکی تھی۔ میں نے عمر کو بتایا کہ میں کمرے سونے جا رہا ہوں۔ سارے دن کا تھکا ہوا ہوں، بلا ضرورت مجھے سنتا۔ بلا۔۔۔۔۔ پھر اس کو چند ضروری ہدایات دیں اور گھر جاتے ہی ہنسر پڑو میرا ہو گیا۔ سارے دن کی تھکاوٹ، تھوڑی سی دیر میں میں گہری نیند سو گیا۔

میری رہائش ایک سرکاری کوارٹر میں تھی جو تھانے کے ساتھ ہی تھا۔ تھانے کے اندر سے بھی میرے گھر کی جانب ایک راستہ تھا۔ قریب چار بجے رات میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے نیند کے عالم میں ہی پوچھا۔ "کون ہے اس وقت؟" میری آواز میں غصہ اور ناراضی تھی باہر کچھ دیر خاموشی رہی۔ میں ایک بار پھر غصے سے بول رہا۔

"جانب لڑکی کی واردات ہو گئی ہے"۔ یہ تھانہ عمر کی آواز آئی۔

عام حالات میں عمر میرے اردلی کو رپورٹ دیا کرتا تھا اور اردلی نیند کرتا کہ مجھے اطلاع دینی ہے یا نہیں۔ مگر یہ قتل کی واردات تھی اس لئے وہ خود اطلاع دینے آیا تھا۔ میں تہیہ اور بنیان پہن کر سو رہا تھا۔ فوراً اسی حالت میں تھانے آ گیا۔ دو آدی محمد کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ ایک کو میں جانتا تھا۔ اس کا نام شرف الدین خان تھا۔ تھانے کے سامنے سڑک کے پار والی ہستی کا رہنے والا تھا۔ دوسرا آدی کوٹ شاہسوار خان کا چچا تیار تھا۔

"میری چچی اور بھابھ کوٹ شاہسوار خان میں قتل ہو گئی ہیں" شرف الدین خان نے گھبراہٹ اور خوف سے بھر پور لہجے میں بتایا۔

"کیسے ہوا ان کا قتل؟" میں نے ماتھے پر تیرہیاں ڈال کر پوچھا۔

جنہوں نے انگریزوں کے ساتھ سرحد کی تھی۔ ان میں فرض کی وہ لگن موجود تھی جو انگریزوں کا طرز انیاز تھا۔ انگریز کے دور میں گل اور ڈاکہ زنی بڑے سنگین جرائم تھے۔ گل باؤسختی کی اطلاع فوراً درج کرنی پڑتی تھی۔ تھانہ انچارج کے لئے لازمی تھا کہ ایسی واردات کی تفتیش فوراً شروع کرے اور پرپے کی نقل ذی ایسی ہی اور ایس پی کو جلد از جلد ارسال کرے۔ ایسی وارداتوں کو ہم پیش رپورٹ کیس کہتے ہیں۔ فوراً پوری مشینری حرکت میں آ جاتی۔ انگریز ذی ایس پی اور ایس پی خود موقعہ واردات پر پہنچ جاتے تھے۔

میں نے چوکیدار کی فراہم کردہ معلومات پر استفا کرنے ہوئے پر چورنگ کر لیا اور آخر میں لکھا کہ مزید تفصیل نوکرائی بتا سکتی ہے۔ میں نے محرر کو واردات کی اطلاع اعلیٰ انسپران کو بھجوانے کا حکم دیا اور خود ایک ہیڈ کانسٹیبل اور چار کانسٹیبلوں کا ہمراہ پارو دی سو قعدہ واردات پر روانہ ہوا۔

کوٹ شاہسوار خان چھتھے تک سورج کی سرخی نمودار ہو چکی تھی۔ میں چوکیدار اور شرف الدین خان کے ہمراہ نکل گیا۔ میں داخل ہوا۔ یہ پختہ اجنوں سے تعمیر شدہ ایک وسیع مکان تھا۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی ڈیوڑھی تھی جس پر چھت تھی۔ کچے گن میں گوبر کی لپائی بڑی نفاست سے ڈی کی تھی۔ بات میں ہاتھ سبز ہمال تھیں جو ڈیوڑھی کی چھت تک جاتی تھیں۔ گن کے آگے والان تھا اور پھر ایک بڑا کمر تھا۔ گن میں دو چار پائیاں بسز سمیت بڑی تھیں۔ ایک برائیک عورت کی خون آنکھ لاش پڑی تھی جس کی عمر اسی سال کے لگ بھگ تھی۔ ڈیوڑھی کی چھت پر جانے والی سیرموں کے شروع میں ایک چالیس یا پچاس سالہ عورت کی لاش پڑی تھی جس کے آن پاس وافر مقدار میں خون پھیلا ہوا تھا۔ عورت نظر کی عینک لگاتی تھی۔ اُس کے جسم پر نضر جیاتیس کے قریب چاقو کا

چوکیدار سے پوچھ لیں، میں اپنے گھر سو رہا تھا کہ اس نے آکر یہ خون خرابائی۔

چوکیدار نے بتایا کہ وہ کوٹ شاہسوار خان میں معمول کے پہرے پر تھا کہ پختانوں کے گھر کی طرف سے ان کی تیرہ چودہ سالہ نوکرائی کی بیچ و پکار سن کر وہ چند دوسرے لوگوں کے ہمراہ جو شوہن کر جاگ اٹھے تھے، ان کے گھر کی جانب دوڑا۔ دو آدمیوں کو پختانوں کے گھر سے نکل کر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اُن وقت اندھیرا تھا اس لئے وہ انہیں پہچان نہ سکا۔

میں نے شرف الدین خان اور چوکیدار سے کہا کہ کوئی دشمن باکسی پر شک ہو تو تازہ مگر دونوں نے لامبھی کا اظہار کیا۔ واقعہ کی تفصیل جاننے کے لئے میں نے چوکیدار کو حریہ کر لیا۔ اُس نے صرف اتنا بتایا کہ شوہن کر جب وہ دوسرے افراد کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوا تو وہاں دو لاشیں پڑی تھیں۔ گھر میں کوئی مرد نہیں رہتا۔ صرف دو عورتیں جو ماں بیٹی ہیں اور ایک تیرہ چودہ سالہ نوکرائی رہتی ہے۔ گل کی تفصیل وہ لڑکی بتا سکتی ہے۔

نہ کسی سے دشمنی نہ تھانوں کا طیر نہ ہی واقعہ کی تفصیل میرے لئے ایف آئی آر ایک مشکل مرحلہ میں مہیا۔ عام طور پر تھاندار جانے تو ہر کا معائنہ کرنے اور گواہوں سے تفصیل جاننے کے بعد پر چورنگ کیا کرتے ہیں تاکہ مقدمہ کا چالان مکمل کرنے میں آسانی رہے۔ ادھوری لارڈ کو روایف آئی آر پر پہنچنے والے کیس سے مجرم کا مکمل خاتمہ اٹھا کر اپنے منزل کو بری کر دیتا ہے۔ کوٹ شاہسوار خان خانانہ سے آٹھ میل دور شمال کی جانب واقع تھا اور سزاوار راستہ کچا پکا تھا۔ سوئچ ملائکہ کرنے کے بعد ایف آئی آر تحریر کرنا ان لئے ممکن نہ تھا کہ آئے جانے میں بہت تاخیر ہو جاتی۔

پاکستان کو معرض وجود میں آتے تیرہ چودہ سال ہونے لگے۔ اُس وقت دو سارے ہی انسر زندہ تھے

صندوق لوہے کی بڑی پٹی پر رکھے تھے۔ میں نے صندوقوں کا باری باری معائنہ کیا۔ یہ تعداد میں پانچ تھے۔ در فٹسلی پڑے تھے۔ ہر چیز ٹھیک حالت میں تھی۔ تالوں نے کسی چیز کو نہیں چھیڑا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ چوری باڈا کے کی واردات نہیں بلکہ مضمون کا مقصد صرف ان عورتوں کو قتل کرنا تھا۔

کمرے کے معائنے کے بعد میں محسن میں لاشوں کی "سرب رپورٹ" (Inquest Report) تیار کر رہا تھا کہ کھوجی اور اہل کے ہمراہ جانے والے کانسٹیبل رامپن آگئے انہوں نے بتایا کہ گاڑی کے بالکل سامنے راجاوا (چھوٹی سہر) ہے۔ یہاں سے راجاوا تک کھرا ہے۔ راجاوا کے دوسرے کنارے پر اونچی گھاٹ ہے جس میں کھرا دن مشکل ہے۔ جہاں گھاٹ ختم ہوتی ہے وہاں سے نرم مٹی والی زمین شروع ہوتی ہے۔ کھوجی کھرا تلاش کرتا راجاوا کے دوسرے کنارے پر پہنچا لیکن نرم مٹی پر بے شمار ڈھوڑ ڈھوڑ بھر پئے تھے۔ کھوجی نے بھی کہا کہ مضمون تعداد میں نہیں تھے۔ کھوجی نے اپنے شاہدے اور تجربے کے مطابق یہ بھی بتایا کہ تیسرا مضمون جس کا کھرا ایلوں کی راکھ پر ملا تھا وہ راجاوا پھیلا کر پہلے کھجوں میں بھاگتا رہا پھر راجاوا میں اتر اور دوسری طرف اس کا کھرا بالکل غائب تھا۔ باقی دو کمرے بھی خلیت شوڈ کے تھے۔ میرا خیال یہ تھا کہ مضمون نے راجاوا سے نکلنے وقت دھوکہ دینے کے لئے فلیٹ شوڈ اتر کر دوسرے جوتے پہن لئے ہوں گے۔

میں نے گاؤں کے نمبردار سے کہا کہ اس گھر کی نوکرائی کے لئے آئے۔ واردات سے اب تک نوکرائی نمبردار کے گھر میں تھی۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے آیا۔ ان کا رنگ خوف سے پھلا پڑ گیا تھا بلکہ دہشت کی وجہ سے تیز ہنار میں پھلک رہی تھی۔ تیرہ سال کی تو وہ لڑکی تھی۔ میرے پاس امتدادت نہیں تھا کہ میں نوکرائی کے

ضربات تھیں۔ بڑھی عورت کو صرف چار وار چاقو کے لگے تھے جن میں تین وار سینے میں تھے دوسری عورت پر زیادہ وار بہت اور پشت پر کئے گئے تھے۔

میں نے محسن کا بغور جائزہ لیا۔ وہاں ایک ٹھری ٹائٹ ٹھری گن کا کارتوس پڑا تھا۔ یہ شاہدہ فائر نہ ہو۔ گا اور مس ہو گیا تھا۔ محسن کی لیالی کی جالی تھی اس لئے وہاں کوئی قابل ذکر کھرا نہ ملا۔ محسن کے بائیں جانب پچھلے کمرے کے ساتھ سات فٹ اونچی دیوار تھی۔ اس دیوار کے پاس گور کے پٹے ہوئے آپٹوں کی راکھ پڑی تھی جس پر دائیں پادری کا ٹیکہ قرار ہوا تھا۔ میرے خیال میں مضمون تعداد میں نہیں تھے۔ وہ ہواڑے کے راستے بھاگے اور نمبردار دیوار پھیلا کر بھاگا تھا۔ دیوار پر چھنے کے نشانات واضح تھے۔ پاؤں کا بے نشان تھیسہ ہم کھرا کہنے ہیں فلیٹ شوڈ کا خا اور تازہ تھا۔

میں نے کھوجی کو جا کر کھرا دکھا یا اور دو کانسٹیبلوں کے ہمراہ اسے کمرے کے پیچھے روانہ کر دیا۔ مضمون احمد بابر خان صاحب کی کہانوں میں آپ کمرے اور کھوجی کے بارے میں کافی فضیلات پڑھ چکے ہیں۔ میں نے اس کمرے کا مولڈ بھی تیار کر لیا۔ پاؤں کے نشانات جو ذرا گہرے ہوں ان میں پلاسٹراف جیرن کا ٹھولوں ڈال کر تھوڑی دیر بعد دیکھیں تو ٹھولوں جم کر سخت ہو جاتا اور کمرے کے سانچے میں پورا ڈھل چکا ہوتا ہے۔ مضمون نشانت کرنے میں یہ مولڈ مددگار ثابت ہوتا ہے۔ میں نے ابھی تک قتل کے محرکات کے بارے میں کوئی پوچھ بچھ نہ کی تھی۔ میں سب سے پہلے موقع واردات پر مضمون کے چھوڑے ہوئے سراغ باریک بینی سے متبع کر لینا ضروری سمجھتا تھا۔

بڑھی محسن اور والان کا جائزہ لیتا ہوا میں سامنے کے بڑے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں کے ایک چار پائی تھی جس پر بسز بچھا ہوا تھا۔ دوسری طرف چند چھوٹے بڑے

دم سادھے بے حس و حرکت پڑی رہی لیکن انہوں نے شیم پر حمل کیا تو دوہت کر کے زبونی کی طرف بھاگی۔ ان میں سے ایک آدمی نے دوڑ کر لڑکی کو پکڑا اور گردن سے اٹھا کر زمین پر دے پٹا۔ لڑکی بے ہوش ہوئی۔ قاتل ماسٹنہ والے کمرے میں بیٹے گئے۔ لڑکی کو ڈاسا ہوش آیا۔ دو روزہ کھولی کر باہر کو بھاگی اور زور زور سے تکی چلائی۔ شوشن کر دو قاتل ٹھہرا کر کھلے دو دروازے سے باہر کو بھاگے۔ اتنی دیر میں چونکہ دارو دروسرے لوگ لڑکی کا شوہن کر اھر آ گئے۔ ایک خرم بھی اندر تھا۔ اس کے پاس بندوق تھی۔ لوگوں کو دو دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر اس نے ان سمت نڈر کیا جس جو گیا۔ اس دوران دو بھاد بھلاگ کر بھاگ گیا۔

میں نے لڑکی کے بیان میں یہ بات دانسنہ چھوڑی کہ قاتلوں نے ڈھانسنہ بانڈھ رکھے تھے۔ مجھے چونکہ یاد نے تھانسنہ میں یہ بات بتائی تھی لیکن میں نے جان بوجھ کر انب آئی آر میں یہ بات نہیں لکھی تھی۔

بیک اندھا کس ٹھانسنہ آپ Blind Murder بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح کے کس پولیس کے لئے نہایت عجیبہ ہوتے ہیں جہاں قاتلوں کو نہ تو کس نے پیمانہ نہ حلیہ بتا ہوا نہ کوئی دھرا ثبوت میسر ہو۔

مجھے یقین تھا کہ میں قاتلوں تک ضرور پہنچ جاؤں گا۔ میرا تجربہ ہے کہ مجرم کتنا ہی ہوشیاورادو جالاک کیوں نہ ہو سقہ داروات پر کوئی نہ کوئی سراں پانٹالی ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ آج کل کے ٹھانسنہ دارو جو سفادش کے حل ہوتے پر ٹکلہ پولیس میں بھرتی ہو دے ہیں اور اپنے کام میں مہارت حاصل کرنے کی بجائے ان کی تمام نزقہ دشوت اور حرام خوردی پر ہوتی ہے۔ پولیس اکیڈمی میں ان کی تربیت کا معیار ناقص ہوتا ہے۔ انہیں آسان ترین کس تکلیف کے لئے دیا جائے تو بے تجربوں کا سراں لگانے کی

تاریخ حالت میں آنے کا انظاف کرنا۔ میں نے اسے اپنے پاس بٹھا کر بہا ر کیا اور اس کے ساتھ اھر اھر کی باتیں کرنے لگا۔ چندر جس منت کی منت کے بعد دو پوری طرح ٹارٹل تو نہ ہوئی لیکن میں نے اسے اس قاتل کر لیا تھا کہ داروات کے بارے میں بیان دے سکے۔

اس نوکرانی نے بتا کہ کھن میں دو اور بڑی عورت (دست بی بی) ساتھ ساتھ جاو پائی۔ بھانسنہ سو رہی نہیں۔ زبونی کی چھت پر دست بی بی کی بی شیم سو رہی تھی۔ برآمدے میں لائسن بل رہی تھی۔ آدمی دات کا دست تھا کہ تین آدمی دوچار پھاند کر اندر آئے۔ انہوں نے منہ پر ڈھانسنہ بانڈھ رکھے تھے۔ نوکرانی نے بتا کہ دو آدمی جن کے ہاتھوں میں چاقو تھے، دست بی بی کی چار پائی کی طرف بڑھے۔ ایک آدمی سر ہانسنہ اور دوسرا نیچے کی طرف کھڑا ہو گیا۔ تیسرا آدمی جس کے ہاتھ میں سقہ ٹھوڑنی دو ایک سائیز پر کھڑا ہوا۔ آہٹ کن کر دست بی بی باگ تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر ان سے منت مانجست کی کہ جو کچھ لے جانا چاہے ہو اندر کمرے میں صندوق پڑے ہیں لے جاؤ۔ سر ہانسنہ والی سائیز پر کھڑے آدمی نے چاقو کے دو تین دارو دست بی بی پر رکھے۔ دست بی بی کی حج لگی۔ ماں کی آواز کن کر چھت پر سوئی ہوئی شیم نے آواز دے کر پوچھا، ماں کیا بات ہے؟ سر ہانسنہ والے آدمی نے اس دوران ایک اور چاقو دست بی بی کو مارا۔

دوسری حج کن کر شیم ماں کو آواز دی وہی میز جیوں سے نیچے اتری۔ دونوں آدمی ایک کر میز جیوں کی دونوں سائیزوں پر ہو گئے۔ چونکہ شیم نے آخری میز پر پاؤں رکھا دونوں نے اس پر حملہ کر دیا اور چاقوؤں کے کنا دار رکھے۔ شیم کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ چاقو گھنے کے بارجودہ ایک آدمی سے ٹھم ٹھا ہوئی۔ دونوں نے شیم کو زمین پر گرا لیا اور مسلسل چاقو مارتے دے۔ لڑکی نے بتایا کہ جب وہ دست بی بی کو مار رہے تھے تو وہ

دے۔ میں نے فہر دار سے کہا کہ جب میں سوکھ اٹھوں تو
مفتوں کے قریبی عزیز یہاں موجود ہوں۔

میں سوکر اٹھا تو اسے لپس آئی نے رپورٹ دی کہ
نیرا قاتل جو دیوار پھلانگ کر بھاگا تھا اسے دیوادی
دوسری جانب سوتے ہوئے مردوں اور عورتوں نے دیکھا
تھا مگر وہ بھی ان کا حلیہ بتانے کی پوزیشن میں نہیں۔ میں
نے مفتوں کے قریبی رشتہ داروں سے تحقیق کا آغاز
کیا۔ سب سے پہلے شرف الدین خان کو بلا یا۔ یہ شخص
میرے پاس ایک بار اپنے ٹرک کے چوری ہونے کی
رپورٹ درج کرانے آیا تھا۔ یہ گنزد اور بزدل شخص
تھا۔

”رحمت بی بی میری چچی تھی۔“ شرف الدین خان
نے بتایا۔ ”اور بیوہ تھی۔“ شمس اس کی اکلوتی اولاد تھی۔ شمس
کی شادی میرے بھائی قطب الدین خان سے ہوئی جو
دہشت گرد خاندان میں رہتا ہے۔ شادی کے کئی سال تک
ان کے باپ اولاد نہ ہوئی۔ ڈاکٹروں کو دکھا بنا پوتہ چلا کہ
شہینہ میں قدرتی عقوبت ہے اور وہ بھی بھی اولاد پیدا نہ کر
سکے گی۔ شہینہ کا بڑا آپریشن ہوا تھا۔ اس کے پیٹ میں کئی
رسولیاں تھیں۔ ڈاکٹروں نے اس کی جان کو خطرے کے
پیش نظر اس کے پیٹ سے نسوانی اعضاء ہی نکال دیے
تھے۔ کچھ عرصہ بعد قطب الدین خان نے دوسری شادی
کر لی اس لیے شہینہ شوہر سے علیحدہ ہو کر اپنی ماں کے
ساتھ رہ رہی تھی۔“

لگل کی خبر سن کر ان کے دوسرے رشتہ دار بھی اٹھنے
ہو رہے تھے۔ میں نے اپنے طور پر ان کے بارے میں
مزید معلومات حاصل کیں۔ میں وہ شخصرا آپ کو سنا دیتا
ہوں۔ انگریزوں کی افغانستان کے حکمرانوں سے جنگ
کے دوران چند ٹھیکیداروں نے انگریزی فوج کو اسلحہ اور
رائن سپلائی کیا تھا۔ اس جنگ کے خاتمہ کے بعد ان
ٹھیکیداروں کو نوازنے کے لئے انگریز سرکار نے ان کو

بھائے ساری توجہ ایسے شوہر اکٹھے کرنے پر رکھتے ہیں
جس سے برابرت کر سکیں کہ تو وہ ہوا ہی نہیں اور مدلی کا
جھوٹا پرچہ خارج کیا جاتا ہے۔ باہر مدلی کو کہا جاتا ہے کہ
اپنے مظلوموں کی منشا ہی خود ہی کرے۔

قارئین کو کچھ عرصہ قبل لاہور کے گنجان آباد علاقے
اسلام پورہ میں ہونے والے قتل کا واقعہ یاد ہو گا جس میں
دن دیہاڑے ایک بلی گھر کے نبرد افرا کو بے دردی سے
ذبح کر دیا گیا تھا۔ ایسی ہی واردات شیخوپورہ میں بھی
ہوتی تھی۔ ہماری پولیس چند بدترین ٹھیکیداروں کے باوجود
آج تک اس واقعہ کے مجرموں کا سراغ نہیں لگا سکی۔ میرا
یقین ہے کہ ایسا ہماری سے تحقیق کی جانے تو مجرم کسی
صورت میں قانون کی گرفت سے بچ سکتا۔

میں نے کوسرائی کے بیان میں لکھا کہ میں قانون کو
شاخت دیکھتی ہوں۔ میں نے قانون کا حلیہ بھی نام سے
لکھا۔ یہ بھی لکھا کہ انہوں نے گندھوں سے جبکہ لٹکائے
ہوئے تھے۔ غزموں کے چمے کے خند داخل اور رنگ
میں نہ لکھ سکا۔ بیانات سے ذرا غ ہو کر میں نے اس
پوسٹ فارم کے نئے روانہ کر دیں۔ میرے ڈی ایس بی
صاحب بھی دہاں آچکے تھے۔ انہوں نے ساری پھر دوائی
مجھ سے سنی، سوچ بچار کیا۔

”چوہدری ظہور“ انہوں نے کہا۔ ”یہ کیس
تمہارے لئے ایک چیلنج ہے۔ دیکھتے ہیں تم اس میں کیا
کرتے ہو۔“

میں نے قانون کا سراغ لگانے تک وہیں پیام کا
فیصلہ کر لیا۔ فہر دار نے میرے لئے عارضی رہائش کا
انتظام کر دیا۔ میں ساری رات کا جا کا ہوا تھا، میں نے
حاصل کیا پھر ثابت کیا۔ اسی دوران تمہانے سے میرا
ایس آئی آ گیا۔ میں نے ڈے ضروری بیانات دیں اور
کہا کہ میں سونے لگا ہوں۔ دو گھنٹے بعد مجھے چگا دے اور
اس دوران جو کام میں نے اس کے ڈے لگایا ہے وہ کر

لگا۔ ان شخص نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ وہ کوہر اولاد میں آدھنی مہا دوڑے بڑے اشران سے تعلق رکھتا ہے۔ میں نے رحمت بی بی کے ماہر قلب الدین خان کو بلا کر پوچھ گچھ کی۔ ان شخص سے مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ مہمانوں کی رحمتی کے بعد میں نے اپنے خبردار اور کاشیوں کو اکٹھا کیا اور دوسرے دن کے انداز میں کہا کہ اب تک بہت خاطر قراشیع کروا چکے ہو۔ اب کچھ کر کے بھی دکھاؤ اور دگر کے علاقے میں پھیل جاؤ اور اپنا کام کرو۔

دوسرے دن سنام کو میرا ایک کاشییل بڑی اہم خبر لایا۔ اس سانی کا نام برخودار تھا اور میرے پاس بطور ڈی ٹیکو کاشییل کے کام کرتا تھا۔ ایسے سانی ہر خانے میں ہوتے ہیں۔ بروردی نہیں بیٹھے سارا دن علاقے میں پھرتے ہیں اور جرائم کی خبریں بتانے میں دلچسپی کرتے ہیں۔ عام لوگ اسے ڈائری والا سانی کہتے ہیں۔ (نہ خود زار چند سال پیشتر ایف آئی اے میں سب انسپکٹر تھا) اس نے بتایا کہ کاشیوں کے رشتے دار دو جوان محل کے دور قریب گاؤں میں فضل عرف طیفنا می لاکے کے گھر آئے تھے۔ محل سے آٹھ دن قبل بھی ان کو فضل عرف طیفنا کے گھر دیکھا گیا تھا۔ برخودار نے مزہ بتایا کہ یہ لوگ فضل کے پرائمری سکول کے ساتھی ہیں اور چھین میں اس گاؤں میں رہتے تھے۔

میں نے دو کاشیوں کو سچ کر طیفنے کو بتانے بولا گیا۔ کاشیوں نے طیفنے کو بتا دیا تھا کہ اسے محل کے سٹیل میں طلب کیا گیا ہے۔ طیفنے کے باپ کو پتہ چلا تو وہ بھی بیٹے کے ہمراہ آ گیا۔ شور مچا کر نکلے گا۔ میں نے نئی طرح زانت کر کے طیفنے سے نکال دیا اور فضل کو بتانے کے عقب میں اس خاص کمرے میں لے گیا جسے ہم نے تفتیشی سٹیل کا نام دے رکھا تھا۔ اس کمرے میں آنے والے طرم اور مشتبہ کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرنے کا سارا

پیکٹس کی کہ وہ معمولی معضلات پر ذہن الاٹ کر دے لیں۔ ان ٹھیکیداروں میں ایک ماجھی خان بھی تھا۔ ماجھی خان نے اس موقع پر اپنے ایک پرانے دوست شاہسو اد خان کو جو پولیس سب انسپکٹر تھا، ترغیب دی کہ وہ بھی اس موقع سے فائدہ اٹھائے۔ شاہسو اد خان سب انسپکٹر نے ماجھی خان کی سفارش سے چند مربع زمین الاٹ کر دلی اور اس طرح بے جگہ کوٹ شاہسو اد خان کہلائے گئے۔

بعد میں شاہسو اد خان کے دوسرے رشتے دار میانی افغاناں ضلع ہوشیار پور سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہو گئے۔ رحمت بی بی اور شمیم شاہسو اد خان کی وراثت میں حصہ دار تھیں۔ رحمت بی بی کی اولاد ریٹائر ہوئی۔ ماں بی بی کی موت کی صورت میں ان کے حصے کی جائیداد صرف الدین خان اور اس کے بھائی قلب الدین خان کو مل جاتی تھی۔ بھٹی کا ایک قریبی محرک تھا۔ میں نے دونوں بھائیوں کو مشتبہ بنھا لیا اور ان کی غلبہ بحرانی شروع کروا دی۔ اگلے روز محفلوں کے محل تھے۔ ان کے رشتہ دار زور وراز سے آئے ہوئے تھے۔ ہر آنکھ اٹکھار تھی۔ لوگ تاحف کا اٹھا کر تھے، بیٹے منہ آتی باتیں۔ ہر شخص اپنی محفل کے مطابق محل کا مشتبہ کسی پر کر رہا تھا۔ میں نے قرآن خوانی کے دوران اپنے بچہ ابرہہ اور پھیلا دیئے تھے۔ ایس بی صاحب بھی محل خوانی کے موقع پر آئے۔ انہوں نے بذات خود واردات میں دلچسپی لی اور مختلف سوالات مجھ سے کئے۔ میں نے ایس بی صاحب کو یقین دہانی کرائی کہ میں یہاں سے کچھ حاصل کر کے ہی انہوں گا۔ انگریز کے زور میں جہاں محل کی واردات ہو جاتی ملاقہ تھا نیا موقع پر ہی ڈیرہ جمالیہ اور جب تک مجرموں کا سراغ نہ ملتا وہاں موجود رہتا تھا۔

دسم محل ختم ہو گئی۔ مہمان والیں جانا شروع ہو گئے۔ مستحقین کا ایک دستہ وا د جس کا نام معراج دین تھا، مجھ سے ملا وہ تھکوں کی گرفتاری کے لئے مجھ پر دھاوا ڈالنے

طیغی کے باپ کو ہیڈ کانسٹیبل نے بتا دیا کہ طیغی دوہرے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ایک طرف طیغی کا حوالہ میں دو دو گنڈا حال تھا دوسری طرف اس کا باپ ہیڈ کانسٹیبل کی منت سماجت کر رہا تھا کہ ایک باوا اس کی بیٹی سے ملاقات کروا دے۔ ہیڈ کانسٹیبل نے حیل و حجت کے بعد باپ بیٹی کی ملاقات کروا دی اور ان دونوں کو خبردار کیا کہ چودہوی صاحب کو بالکل نہ بتانا، گرنہ میری نوکری چلی جائے گی۔

اگلے دن اسی ہیڈ کانسٹیبل نے باپ بیٹی کی مشکوک مجھے سنا دی اور وہ کہا کہ طیغی کا بڑا بھائی باپ دانت بھر سے غمانے کے باجری جیٹا ہے اور آپ کا خنجر ہے۔ طیغی کے باپ نے پگڑی اتار کر بھرے پاؤں پر لکھوائی اور گرتا گرتا اسے لگا کر گارمیر ایلٹا بے گناہ ہے۔ وہ آپ کو اصل حقیقت بتاتا چاہتا ہے۔ آپ اس کی بات سن لیں۔

طیغی جو تھوکتا چاہتا تھا وہ میں ہیڈ کانسٹیبل کی دہائی میں چکا تھا۔ طیغی کے باپ کو جس قتل کی سازش کے جرم میں گواہ رکھنا چاہتا تھا اس لئے میں نے اس پر بڑا ڈانٹا شروع کر دیا۔

”میں جہاں سے تیری کاغذوں میں گرفتاری وال چکا ہوں، میں نے اسے کہا، تم اب کچھ نہیں ہو سکتا جو کچھ وہ کہتا چاہتا ہے اور جو نہیں کہتا چاہتا، جسمانی دیمانڈ کے بعد میں یہ سب کس منت؛ لکھتا ہوں گا۔“

ہیڈ کانسٹیبل نے طیغی کے باپ سے کہا کہ اگر تم بھی قتل کی سازش کے گواہ بن جاؤ تو میں چوہدری صاحب سے تمہارے بیٹے کی دہائی کی بات کر سکتا ہوں۔ وہ خود ارضامند ہو گیا۔ میں نے حقیقت اور اس کے باپ کو گواہ کے طور پر رکھا اور ان کے ہائیڈ زبر دفعہ 161 ضابطہ فوجداری دیکھا کر لئے۔ حقیقت نے جو بیان دیا وہ مختصراً اس طرح ہے۔

سامان سو دغا۔ میں نے طیغی سے دفعہ کی بات اس کے پاس ان لڑکوں کی آغ کا پوچھا۔

”جناب مجھے تو کچھ معلوم نہیں نہ میں ان لڑکوں کو جانتا ہوں۔“ اس نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

”میرے پاس تو کوئی نہیں آیا۔“

اس کمرے میں میرے اوٹھی کے علاوہ ایک ہیڈ کانسٹیبل بھی تھا جو طیغی کے پیچھے کرسی پر بیٹھا تھا۔ طیغی کا منہ میری طرف تھا۔ میں طیغی کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال لکھو رہا تھا اور وہ مجھ سے نظریں چار رہا۔

”دیکھو طیغی!“ میں نے اسے کہا۔ ”سب کچھ اگل دو تمہاری بہتری ہی میں ہے۔“

”جناب آپ مجھ سے جیسی چاہیں قسم۔“ پیچھے سے ایک زنانے داؤ پھرنے کے کان اور دھنساہ پر اس قوت سے پڑا کہ بات اس کے ہونٹوں پر ہی وہ گئی اور وہ کرسی سمیت فرش پر جا پڑا۔ دو روز کی شدت سے بیٹھا ہوا تھا۔ کانسٹیبل آگے بڑھا اور اس کو کلاں سے پکڑ کر سپردھا کھڑا کر دیا۔

”طیغی! میں تمہارے ساتھ دعایت کرتا چاہتا تھا۔“

میں نے کہا۔ ”لیکن تم نے ذرا وہ ہوشاؤ بننے کی کوشش کی۔ میری بات توجہ سے سنی۔ قتل کی دانت وہ پٹھان لڑکے تمہارے گھر آئے تھے۔ وہاں سے انہوں نے تمہیں بھی ساتھ لیا۔ تم نے ان کے ساتھ مل کر دو روزوں کو قتل کیا ہے اور میں تم کو دوہرے قتل کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔“ میں نے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا۔ ”اسے لڑا لگا کر حوالہ میں بند کرو اور گواہی سے اس کی ملاقات نہ کروانا۔ میں دوسرے طرہوں کو گرفتار کرنے ریل پر جا رہا ہوں۔ اعظم اے اسکا آئی سے کہلا کہ مع عدالت سے اس کا بارہ روز کا جسمانی دیمانڈ لے آئے۔ واپسی پر میں خود اس سے استیر و گیشن کروں گا۔“

ہیڈ کانسٹیبل میرا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ کوئی دو گھنٹے بعد

پھانوں کے دولہ کے۔ منیر اور اشرف عرف امی، میرے ساتھ اس گمان کے پرائمری سکول میں پڑھنے گئے۔ یہ لوگ 1947ء میں ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ شرف الدین خان کی بیوی کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے کافی عرصہ اس کے گھر میں مقیم رہے۔ بعد میں منیر سے کے والدین لاسٹیور (فیصل آباد) چلے گئے اور امی کا باپ کوچہ، انوالہ میں آباد ہو گیا۔ آج کل منیر الہ آباد اور امی کو جرنوالہ لکھی کالج میں پڑھتا ہے۔ دو آپس میں کڑی ہیں۔

دو سے آٹھ اسی روز فلین دوڑوں میرے گھر آئے اور بتایا کہ وہ رحمت بی بی اور شمیم کو مل کرنا چاہتے ہیں جو ان کی دشمن ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی ساتھ چھنے کو کہا۔ میں نے ان کی خوب نیک سوا کی اور مشورہ دیا کہ چاندنی رات میں باہر نکلو کے تو بیٹھانے جاؤ گے۔ واردات کے سبب مناسب ہے کہ اندھرنی راتوں میں کی جائے۔ رات کا کھانا کھا کر دوپہے گئے۔ دوپہے کی رات دوپہے کے وقت میرے پاس دوبارہ آئے۔ ان کے ساتھ ان مرتبہ بھائی بھیرو کا جیرا ڈوگر بھی تھا۔ ایک بار پھر انہوں نے مجھے واردات میں شریک ہونے کے لئے کہا۔ میں نے یہاں سے تالی دیا کہ آج ہماری اپنی کی پڑی ہے اگر رات کو تمہارا سے ساتھ گھر سے نکلا تو باپ سے کیا بہانہ کروں گا۔ تب انہوں نے مجھ سے کہا کہ کوئی انحصار ہو تو دو۔ میں نے ایک برہمی کی اپنی اُپر سے پرس کتوں کی جھٹ میں چھپا رکھی تھی۔ میں نے برہمی کا دستہ انہیں دے کر کہا کہ اُپر سے برہمی کی اپنی نکال لو اور دستہ اس میں فٹ کر لینا منسوب کے بعد کھانا کھا کر یہ تینوں میرے گھر سے رخصت ہو گئے۔ اگلے روز میں نے سنا کہ پھانوں کی دو عمر میں فٹ ہو گئی ہیں۔

ظہن اور اس کے باپ کا جان نکل کرنے کے بعد میں نے اس علاقے کے نبرہ دار کو تھانے جا کر کہا کہ جیرا

ڈوگر کا پتہ کرو اور مجھے ابھی اطلاع دو۔ نبرہ دار کے ساتھ میں نہیں آؤں گے۔ میں ایک کانسٹیبل بھی روانہ کر دیا۔ وہاں آ کر نبرہ دار نے بتایا کہ جیرا ڈوگر گھر کی رات سے غائب ہے۔ اُس کی ماں نے بتایا ہے کہ وہ انوکا زو گیا ہوا ہے۔ میں نے نبرہ دار سے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے جیرا ڈوگر ہر حال میں چاہئے اگر تم اسے چھین کر دو تو ٹھیک ہے ورنہ میرے پاس بہت سے طریقے موجود ہیں۔

میں نے پولیس کی ایک پارٹی منیر کی گرفتاری کے لئے لاسٹیور اور دوسری پارٹی امی کی گرفتاری کے لئے گوجرانوالہ روانہ کر دی۔ اس دوران سختیوں کا ایک مزہ جو میرا کوئی گناہ تھا اور ہم پولیس اڈن میں ایک ہی گھر سے تھے، میرے پاس آہا شرف الدین اور اس کے بھائی کی گرفتاری برزور رہتے لگا۔ میں نے اُسے بتایا کہ دوڑوں میرے اس گھر میں مشتبہ ہیں۔ ان کی گرفتاری ہو رہی ہے۔ جب تک کوئی ٹھوس ثبوت نہ مل جائے میں کسی بے گناہ کو مقبرہ میں ٹھونٹ نہیں کرنا چاہتا۔

مخبروں کی گرفتاری کے لئے جانے والی دوڑوں پرناس ناکام ٹوٹ آئی تھیں۔ ملزم گھروں سے غائب تھے۔ نبرہ دار نے تین چار دنوں بعد جیرا ڈوگر کو پیش کر دیا۔ میں نے جیرا ڈوگر سے کوئی بات چیت نہ کی اور اسے حوالات میں بند کر دیا۔ میں نے اس کے ساتھ اپنا ایک مخبر بھی حوالات میں بند کر دیا تھا۔ جیرا ڈوگر کا حوصلہ بلند تھا۔ دو روزانہ کسی نہ کسی سفارش کا شکر رہتا۔

سات دن گزر گئے۔ جیرا ڈوگر کو اب یقین ہو چکا تھا کہ اس کے پیچھے بات کو کوئی آباہی نہیں یا پھر کسی کی سفارش کارگر نہیں ہو سکی۔ اُس کے اعصاب اب کمزور پڑنے لگے تھے۔ حوالات میں دو زیادہ دیر خاموش رہنے لگا۔ ابھی کھارو دو جھجھلاہٹ میں اول فول کئے گئے۔ مجھے ان علامات کی اطلاع ملی تو میں نے اُسے حوالات سے

کے گھر کھینچ گئے اور رات وہاں قیام کیا۔ واردات کی منسوب ہندی پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اگلی اپنے ساتھ قمری ثاب قمری کا پستول دیکھی مسافت کا ہمراہ لایا تھا۔ یہ 303 رائفل نہیں تھی بلکہ رائفل کی ہالی کات کر اسی پر کے پستول بنائے گئے تھے۔ دیہانی زبان میں اسے پکا پستول کہتے تھے۔ اس میں 303 رائفل، الاراؤنڈ استعمال ہوتا تھا۔

شرف الدین کی بیوی نے جبراً ڈاکر کو بھی ان کے ہمراہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ لڑکے ابھی نوجوان ہیں، ان کے ساتھ کئی عمر کا کوئی مضبوط آدمی بھی ہونا چاہئے۔ ڈوہ کی شام میں انفرادی طور پر عرف طیلے کے گھر آئے مگر اس نے کسی بہانہ سے انہیں ٹال دیا، البتہ برہمچی کا دستہ دہنے دیا۔ چہرا ڈاکر نے بتایا کہ انہوں نے دستہ ساتھ رکھ لیا مگر برہمچی نہ نکالی۔ جس وقت یہ طفل کے گھر سے نکلے، راجہ کا پہلا پہر تھا۔ ابھی واردات کے لئے وقت مناسب نہ تھا۔ گاؤں میں کسی بزرگ کے حراز پر عرض تھا۔ ملازموں نے فیصلہ کیا کہ وقت گزارنے کے لئے عرس پر فوالی سننے ہیں۔ نصف شب کے بعد یہ سب رخصت بی بی کی حویلی کو روانہ ہوئے۔ منبر اور اچھی کے پاس چاتو تھے۔ جبراً ڈاکر کے پاس لاگنی تھی۔ اس نے ابراچی نے کندھوں پر کپڑوں کے تھیلے لٹا رکھے تھے۔

واردات کے وقت جبراً ڈاکر لاگنی لئے ایک طرف کھڑا رہا۔ منبر اور اچھی نے رخصت بی بی پر چاتو کے وار کئے۔ قبضہ چھت سے ازلی تو دونوں نے اسے بھی ختم کر دیا۔ نوکرائی کے شور مچانے پر منبر اور جبراً ڈاکر دروازے کے راستے بھاگ نکلے۔ اچھی نے دروازے کی جانب ناز کیا تاکہ اندر آنے والے ڈاکر روک جائیں۔ ملازمس ہو گیا یعنی گولی نہ چلی تو دو منصف میں دیوار پھلانگ کر بھاگ گیا اور کھینچوں سے چکر لگا کر ان سے آن ملا۔

راجہا پار کرنے کے بعد انہوں نے اپنے غلیب شوز اتار کر

بھول کر تھنیشی سیل میں پھینچا اور پوچھ کچھ کا آغاز کر دیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے کہ جبراً ڈاکر جیسے مضبوط آدمی کو میں نے کس طرح توڑ پھوڑ دیا کہ اس نے سب کچھ اگل دیا۔ مختصر الفاظ میں اس کی بیان کردہ کہانی آپ کو سناتا ہوں۔

رخت بی بی اور شہسو کوٹلا سوار خان کی واردات میں زمین اور حویلی کے علاوہ بہت کچھ نقصان بھی جیسے میں آ رہا۔ رخت بی بی اولاد نہینہ سے محروم تھی۔ ان کے سرنے کی صورت میں اس چانچاؤ کا کبیر جسے شرف الدین خان کو مل جاتا تھا۔ شرف الدین کی بیوی اس انتظار میں بے چین تھی کہ کب یہ دونوں ختم ہوں اور ان کو جانچا جائے۔ منبر سے اور اچھی کا بچپن شرف الدین کے گھر گزارا تھا۔ ایک عرصہ بعد دونوں لڑکے میٹرک کا امتحان دئے، شرف الدین کے گھر قیام پذیر ہوئے۔ شرف الدین کی بیوی نے ان لڑکوں کی خوب خدمت کی۔ اس نے کئی مرتبہ ان کے سامنے کہا کہ کب یہ رخت بی بی مرے اور ان کو کچھ مل سکے۔

شرف الدین کی بیوی نے آہستہ آہستہ دونوں لڑکوں کے دماغ پر قبضہ کر لیا اور دونوں کو زہیب دی کہ بڑھیا کو قتل کر دیں۔ میں یہاں یہ ظاہر نہیں کروں گا کہ اس نے لڑکوں کو کیا لالچ دیا تھا۔ دونوں لڑکے اس جرم کے لئے رضامند ہو گئے۔ ڈوہ سے وہی روز قتل لڑکے قتل کا پروگرام بنا کر آئے مگر طفل عرف طیلے کے کہنے پر کہ چاندنی راتوں میں واردات مناسب نہیں، وہیں چلے گئے۔ جبراً ڈاکر شرف الدین کے گھر ملازم تھا اور اس کے سوشلیوں کو چار ڈالٹا اور کھینچوں میں کام کرتا تھا۔ اس دوران شرف الدین کی بیوی نے جبراً ڈاکر کو بھی خاص لالچ دے کر اس واردات میں شریک ہونے پر آمادہ کر دیا۔

دو سے ایک دن پہلے دونوں لڑکے شرف الدین

لے کر آ جائے گا۔ میں طے شدہ پروگرام کے مطابق
 اچھرہ نمبر کے کنڈا دے جمشید کی نگہی میں چلا گیا۔ 12 اپریل
 بجے کا وقت مقرر تھا۔ ساڑھے نو بج چکے تھے۔ میں نے
 جمشید سے کہا کہ اب وہ لوگ نہیں آئیں گے تم سیرالنج
 خراب نہ کرو اور دکھانا ٹھکراؤ۔

تم دونوں کھانا کھا رہے تھے۔ جمشید کے چہرے پر
 شرمندگی اور دلچالیت کے تاثرات تھے۔ کھانے سے فارغ
 ہو کر ہم اچھرہ زہر کی کپ شپ کر رہے تھے کہ دو دادے کی
 گھنٹی کی آواز آئی۔ جمشید باہر گیا۔ واپس لوٹا تو اس کے
 ہمراہ گوبارنوالہ کا آدھی مہراج دین تھا۔ مہراجوں کی قتل
 خوانی کے موقع پر یہ فیض مجھے بڑے بڑے افسران سے
 اپنے تعلقات بنا کر مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور
 قاتلوں کی جلد گرفتاری پر زور دے رہا تھا۔ وہی ٹیکہ
 سلیک کے بعد میں نے مہراج دین سے اُن کے بیٹے
 کے متعلق پوچھا۔

”چوہدری صاحب! اُن نے جواب دیا۔ ”اچھی
 سیر ہے ساتھ گوجرانوالہ سے روانہ ہوا تھا۔ ہم لاری اڈے
 پر سے در ہیدل ہی شاہی قلعے کے ساتھ دہلی سڑک سے
 اونٹنوں سے گئے قلعہ بارود خانہ سے گزر کر رگنگ کل پہنچے۔
 وہاں اڈب کی ڈب سے اچھی جھ سے الگ ہو گیا۔ میں اپنے
 بساٹھ تین ہزار روپے لایا ہوں۔ رقم آپ دکھائیں، اس لڑکا
 بھی پیش کر دوں گا۔“

جمشید نے مہراج دین کے کہنے پر مجھے میں ہزار
 روپے کی آفر کی تھی۔ میں نے کہا کہ لازم کو پیش کر دو تو رقم
 بھی رکھ لوں گا۔ مہراج دین کی چال تھی کہ تعانید اڈو پیلے
 رقم پہنچ جائے پھر لڑکے کے دادے میں حریز سودے
 بازی کر لیں گے۔ میں اپنی چال پر ہٹا کہ کسی طرح ملزم کو
 گرفتار کروں اس لئے میں نے جمشید اور مہراج دین کو
 صاف صاف بتا دیا کہ میں ان کی چال میں نہیں آؤں گا۔
 میں مجھے سے آگ بگولا اٹھ کر ہٹاؤ۔

تھیلوں میں ڈالے اور مختلف راستوں سے اوتے ہوئے
 شرف الدین کے گھر پہنچے جہاں شرف الدین کی بیوی
 پیسے سے ان کی منتگھی۔ مڑسوں نے یہاں خون آلود کپڑے
 تبدیل کر کے غسل کیا اور علی الصبح مختلف سمتوں میں بسوں
 کے ذریعے فرادہ ہو گئے۔ شرف الدین کی بیوی نے فلیٹ
 شوز، خون آلود کپڑے اور برقعہ کا دستہ سب چلا ڈالا۔

میں نے جیرو ڈگر سے شرف الدین کے اس
 واردات میں ملوث ہونے کے دادے میں تعینا جھان
 بن کی۔ شرف الدین کا اس قتل سے براہ دست کوئی تعلق
 ثابت نہ ہو سکا۔ یہ ساوا پلان اس کی بیوی کا تھا۔ البتہ
 جب دو چوکبدا کے ہمراہ تھانے میں قتل کی اطلاع دینے
 آیا، اسے واردات کا علم ہو چکا تھا کہ قاتل اس کے گھر
 میں ہی ہیں۔

جیرو ڈگر نے قتل کا اہتہل کر لیا تھا۔ میں نے ملوث
 اسے کاغذی کارروائی میں گرفتار نہ کیا۔ ڈھیری تو میں
 تھا۔ اسے آپ ناجائز راستہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے
 بعد میں دوسرے قاتلوں کی گرفتاری کے لئے خود روانہ
 ہوا۔ پیٹھے لاکھو دو چھاپا ہوا مڈر ملزم نہ ش سکا۔ میں جنینہ
 لاکھ دو روانہ ہوا خانو سہری بیوی کی طبیعت خراب تھی۔
 واپس آیا تو اس کی حالت زبارہ بگڑ گئی تھی۔ میں اس کی
 تھاداری اور علاج کی وجہ سے در دن تک گوجرانوالہ
 چھاپا ماننے نہ جا سکا۔ میں نے ایک پولیس پارٹی
 گوجرانوالہ روانہ کی جو تکام واپس آگئی۔ میں اب خود
 جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک میرا عزیز دوست
 جمشید تھانے آ گیا۔

”چوہدری صاحب! اُن نے کہا۔ ”اگر تم گوجرانوالہ
 دیکھ کر نے جا رہے ہو تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تم چاہو تو
 میں اس ملزم کو گرفتار کروا سکتا ہوں۔“

اُن نے مجھے دعوت دی کہ انوار کے دن اُن کے
 گھر دوپہر کا کھانا کھاؤں۔ وہاں ملزم اچھی کو اُن کا والد

مخرف ہو گیا تو آپ کا سارا کس خراب کر دے گا اس لئے کسی دوسرے مجرم کو عدوہ معاف بنالیں۔ کچھ دن بھی آپ کو مل جائے گی۔ میں نے اس شخصیت کو جواب دیا کہ چہرہ اڈو گرخرف بھی ہو گیا تو کوئی بات نہیں۔ میں نے سادے انتظامات کر دکھے ہیں۔ میرے پاس شہادت تھل ہے۔

لاکپور میں ایک بار خود ریڈ کر چکا تھا۔ اب گوجرانوالہ بھی میں بذات خود چلا گیا اور اپنی کارروائی تھل کر کے آ گیا۔ اسی دن شام کو میرے گھر علاقے کا محکمہ جنگلات کا بلاگ افسر آیا۔ اس نے تو لیجے میں ساڑھے سات ہزار روپے لیٹ دکھے تھے۔ اس نے کہا کہ وہ بہتر شرف الدین کی بیوی کی جانب سے لئے کر آیا ہے۔ بڑے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ بھی ساتھ آئی ہے۔ اود ذرا بہت کراہ کر مڑی ہے۔ میں نے شرف الدین کی بیوی کو بلا کر وہی سمجھا کہ جو جہد کے گھر معراج دین کو کہا تھا کہ تم میں ضرور لوں گا مگر اس کے ساتھ طرم بھی پیش کر دو۔ وہ بھی مالین اودا کا مٹ گئی۔

تاکوں نے اب آخری پتا پھینکا۔ انہوں نے دو مختلف تھانوں کے افسروں سے رابطہ کیا۔ ایک طرم ایک تھانے میں اود دوسرا طرم دوسرے تھانے میں ان کے تھانیداروں کے حوالہ کر دیا۔ ہر تھانیدار نے اپنی الگ الگ کارروائی ڈالی کہ انہوں نے طرم کو بڑے ڈرامائی انداز میں جبری ہونے پر فلاں جگہ گھیرا ڈال کر گرفتار کیا ہے۔ ان میں سے ایک تھانیدار مجھے اجمعی طرح جانتا تھا۔ گرفتاری کے بعد اس نے مجھے وقت بھجوا کہ وہ طرم کو فلاں وقت پر فلاں سیشن سے لے کر جیل چھوڑنے جا رہا ہے لہذا میں مقدمہ کے ضروری گواہان کو لے کر اس جگہ پہنچ جاؤں اود طرم کی شکل وصورت دکھا دوں تاکہ یہی گواہ بعد میں شناخت پر پڑے میں اسے شناخت کر لیں کہ ان طرموں کو انہوں نے اودرات کے وقت موقع پر دیکھا تھا۔ میں

خان صاحب! میں نے معراج دین سے کہا۔ ”میں اپنے لڑکے کو ساتھ لائے ہی نہیں۔ وہ تو اس وقت تحصیل نارووال کے گاؤں وردے افتخاں کے قبرستان میں سائیں کے پاس روپوش ہے۔ تم اس وقت گوجرانوالہ کی بجائے نارووال سے آوے ہو۔ اب تم لڑکے کو کالے پانی بھی چھپا دو تم اسے نکال لاؤں گا۔۔۔۔۔ اب میرے ساتھ دوسرے بازی کی کوشش نہ کرنا۔“

میں واپس تھانے آ گیا۔ اے ایس آئی اعظم جس کو میں نے وات ہی نارووال طرم کی گرفتاری کے لئے روانہ کر دیا تھا، ناکام واپس آ چکا تھا۔ اعظم کی ناکامی کا طلم مجھے معراج دین کو جہد کے گھر دیکھ کر ہو گیا تھا۔ مجھے خبر نہ تھی کہ اس کی موجودگی کی اطلاع دی گئی اور یہ بھی بتایا تھا کہ معراج دین بنے کو خرچہ دیتے وہاں آئے گا۔ اگر ناہادی پولیس پادلی کا چھاپہ کامیاب ہوتا تو معراج دین جہد کے گھر پہنچنے کی بجائے حالات پہنچ چکا ہوتا۔

ضروری کارروائی کر کے میں نے دو تاقوں کو عدالت سے اشنادی مجرم قرار دوا دیا۔ جہاں بدستور میری قبول میں تھا۔ میں نے نمبر اڈو بلا کر کہا کہ میں جہاں ڈو کر عدوہ معاف گواہ بنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ نمبر اڈو نے مجھے آخر کی جہاں ڈو کر کی ملکیت میں چاوا ایکڑ اراضی ہے۔ آپ حکم دیں تو وہ بکھوئی جائے۔ نمبر اڈو کی اس آخر پر میں سکرائے بغیر نہ وہ سکا۔

”اس کی ضرورت نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”میں اسے دہیے ہی عدوہ معاف گواہ بنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔“ تاقوں کے لواحقین نے ایک چال اور چلی۔ انہوں نے میرے علاقے کے ایک ہائر ڈیپنڈنٹ کو میرے پاس بھیجا۔ (یہ زمیندار صاحب بعد میں بزدگ سیاہی شخصیت کے طور پر مشہور ہوئے اور نواز شریف کا بینہ میں وزیر بھی رہے)۔ ان صاحب نے مجھے مشورے کے انداز میں کہا کہ جہاں ڈو کر ایک کمی آدی ہے۔ کل کو اگر

کی مدد سے کئی مقامات پر ٹمزوں کی تلاش میں ریڈ کیا۔ منیر اور اوجھی کے کالج بھی گیا تھا اور ان کے پرنسپل سے ملاقات کی تھی۔ میں نے کالج کے ریکارڈز سے ان کی تصویر حاصل کر لی تھی۔ منیر کی اسپورٹس سائز تصویر کے علاوہ ایک گروپ فوٹو بھی میرے ہاتھ آئی تھی۔ شناخت پریڈ سے پہلے میں نے یہ تصاویر کی باڈی نوکرائی کو دکھا کیں اور ٹمزوں کا حلیہ اُسے ازبر کرا دیا تھا۔ میرا ذاتی خود پر ٹمزوں کے گھروں میں زید کرنے کا مقصد اصل میں ان کی تصاویر کا حصول تھا۔ واژدادی کے خوش نظر میں نے یہ کام خود ہی کیا تھا۔

قاعدے قانون کو دیکھیں تو ایسا نہیں کیا جاتا لیکن بغیر ہو جانے کے ٹمزہ نہیں ہیں تو نہیں سزا دلوانے کے لئے نہیں کبھی زہری مار لی جاتی ہے۔

ریٹائرڈ کے دوران قاتلوں نے موقعاً واردات پر جا کر سب گاڑی والوں کے سامنے واردات کی تصدیق کی اور بتایا کہ وہ کس طرح اندر داخل ہوئے اور کہاں کھڑے ہو کر کس کو چاقو مارے۔ اب مسئلہ آلائش تھل کی برآمدگی کا تھا جس کے بغیر مجرموں پر جرم ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ہسپتال اس وقت دریائے روالی میں کھینچ دی تھی جب وہ کس میں گورنوالہ فرار ہو کر جا رہا تھا۔ باقی سارا سامان جو واردات میں استعمال ہوا، شرف الدین کی بیوی نے چلا دیا تھا۔

میں نے اسے واقف کار ایک دو بدصاشوں سے کہہ کر ایک ہسپتال منگوا یا۔ ہند کا تو س جو پہلے سے پانی میں جھگو کر رکھے ہوئے تھے اس سے فارغ کئے تھے کہ جب ایک کا تو س س ہو گیا تو اسے ہسپتال سمیت Balistic Expert کے پاس تجزیہ کے لئے بھجوا دیا۔ بازار سے سننے فلیٹ شو خریدے، ایک لاکھی بھی منگوا کر اس پر تازہ خون کے چھینٹے مارے۔ یہ خون بالکل انسانی تھا۔ بر سے پاس لڑائی جھگڑوں کا کوئی کس آیا۔ معزوب کا خون بہ

نے وہ وقت ان تھا نیدار صاحب کو ان الفاظ کے واہس بھجوا دیا۔

”شاہی! اس صبرانی کا شکریہ۔ آپ نے اپنا کام کر لیا، میں اپنا کام کر لوں گا۔ مجھے گواہوں کو ٹمزہ کی شکل دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

جب دونوں ٹمزہ چیل چلے گئے تو میں نے جیڑا ڈگر کی گرفتاری کاغذوں میں ڈال دی۔ دو یوم بعد میں نے نوکرائی کو لے کر ٹمزوں کی شناخت پریڈ کروانے چیل میں گیا۔ وہاں پر چناب ایس اے حکیم صاحب تحصیلدار جو بعد میں ڈپٹی کمشنر سرگودھا بھی رہے، موجود تھے۔ شناخت پریڈ سے پہلے میری ان سے طلبہ منیک ہوئی۔

”کیوں مجھی چوہدی کیا پوزیشن ہے؟“ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

”سب اچھا ہے سر۔“ میں نے مسکرا کر جوابی سا جواب دیا۔

شناخت پریڈ شروع ہو گئی۔ پوزیشن بدل کر شن باد ٹمزوں کو مختلف انداز میں کھڑا کیا۔ نوکرائی نے ہر باد دونوں قاتلوں کو بالکل درست طور پر شناخت کیا۔

میں نے ٹمزوں کا ریٹائرڈ واہی لیا اور اب ٹمزہ میرے قبضے میں تھے۔ اسی روز میں نے شرف الدین کی بیوی کو بھی گرفتار کر لیا کیونکہ وہ اب یہاں سے فرار ہونے کی تیاری کر رہی تھی کہ میرے خبر نے جو اس کی نگرانی پر ماسد تھا، تھا ن اطلاع کر دی۔

میں شناخت پریڈ کے بارے میں آپ کی حیرانی دور کرنا چاہتا ہوں۔ رات کا وقت تھا اور ٹمزوں کے چہرے ڈھانوں میں پوشیدہ تھے پھر انہی کسمن لڑکی پر دہشت بھی طاری تھی۔ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ یہ لڑکی ٹمزوں کو شناخت کرے گی۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ قاتلوں کی گرفتاری کے لئے میں خود ایک ہار لاکھ راور گورنوالہ گیا تھا۔ میں نے وہاں کے نزدیکی پولیس سٹیشن

کی تھی اور ہمیں کی بددینی کا مناسب انتظام کر رکھا تھا۔ جبراً ڈگر کے خلاف بعد میں مندرجہ کی سماعت شروع ہوئی اور ان کے خلاف ٹھوس شہادوں کی بنیاد پر ان کو بھی سزا ہو گئی۔ میں اس کے خلاف مندرجہ سے عدالت کے طلب کرنے پر گواہی کے لئے گیا تو جبراً ڈگر مجھے کہنے لگا۔ ”چرہ پوری صاحب! غلطی ہو گئی، مجھے معاف کر دیں۔“

میں نے اسے جواب دیا کہ میں نے تو تمہیں شروع میں ہی معاف کر دیا اور بعد وصاف بلیغ تھا۔ تم نے اللہ کی مندرجہ کتاب پر حلف لے کر جھوٹ بولا۔ خدا تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ نتیجے کے طور پر جبراً ڈگر جیسے باہر کی دنیا میں آزاد پھرا جائے گا، جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہے گا۔

عام طور پر جب لازم اقبال جرم کر لیتا اور مجسٹریٹ کی عدالت میں جان قلمبند بھی کرا دیتا ہے تو نڈیاری صاحب خوش ہو جاتے ہیں اور چالان عدالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ جرم اگر اپنے اقبالیہ ماہان سے منحرف اور جائے تو اسے سزا دلانا ممکن نہیں ہوتا۔ عقلمند نڈیاری اقبالیہ جرم کے ساتھ پوری شہادت اور ثبوت تیار رکھتے ہیں جس سے ان کا جرم ثابت ہو جاتا ہے۔ اکثر کیسوں میں مثل شہادت نہیں مل سکتی۔ یہ خالی خانے بھرنے کو اہوں سے اور جعلی ایگزٹریٹ رکھ کر پتہ کئے جاتے ہیں جسے پولیس کی رپورٹ میں پیدھگ کہتے ہیں۔ یہ پیدھگ اسی صورت میں کی جاتی ہے جب یقین ہو جاتا ہے کہ اس واردات میں مجرم بھی شخص یا اشخاص ہیں۔ اگر پولیس پیدھگ نہ کرے تو مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانا ناممکن ہو جائے۔ میں نے جبراً ڈگر کے منحرف ہو جانے کی صورت میں پیدھگ کا نجات اچھا بندہ بہت کر رکھا تھا۔

رہا تھا میں نے اس خون کو اپنے مفعد کے لئے استعمال کیا۔ بیبارزی سے تجزیہ کیا کہ ان اشیاء پر انسانی خون کے وارح موجود ہیں۔

اس کے بعد میں نے وعدہ معاف گواہ کا عدالت میں بیان کر دیا تھا۔ میں نے اس کی ماں کو اور نمبردار کو بلا کر کہا کہ میں نے ہزاروں روپے کی رشوت ٹھکرا کر جبراً ڈگر کو وعدہ معاف گواہ بنا دیا ہے۔ اب جسے بھی چاہئے کہ سچ اور صحیح بیان دے۔ میں جبراً ڈگر، اس کی ماں اور نمبردار کو مسجد میں نے گیا۔ وہاں جبراً ڈگر نے قرآن پاک پر قسم کھا کر وعدہ کیا کہ وہ صحیح بیان دے گا۔ لاہور میں چوہدری چوکہ میں آج کل ایک عظیم الشان خیراتی ہسپتال بن رہا ہے۔ یہ ہسپتال شہداء عظیم و فاضلہ ہسپتال کے نام سے منسوب ہے مخبر نمبر 100 عظیم الشان رولوں لاہور میں مجسٹریٹ ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے جبراً ڈگر کا بیان قلمبند کیا جو اس نے بالکل درست دیا تھا۔

نام فاضلہ کو جیل بھجوا کر میں نے مندرجہ کا چالان عدالت کے عدالت میں بھیج دیا۔ جب سیشن کورٹ میں مندرجہ کی سماعت شروع ہوئی اور میں گواہی دے گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ جبراً ڈگر وعدہ معاف گواہی سے منحرف ہو رہا ہے۔ میں نے جبراً ڈگر کو بار دلا یا کہ تم نے قرآن پاک پر حلف اٹھا یا خدا، اللہ سے ڈرو مگر وہ منحرف ہو گیا۔ اس کے باوجود باقی لمزوں کے خلاف میں نے بڑے محول ثبوت مندرجہ میں لگائے تھے۔ ان کو سزا نہیں ہو سکتی۔

جبراً ڈگر کا میں نے پہلے ہی انتظام کر رکھا تھا۔ وعدہ معاف اگر منحرف ہو جائے تو اس کی وعدہ معافی ختم ہو جاتی ہے اور وہ مجرم بن جاتا ہے۔ نفسیاتی افسر نے عام طور پر مقدمے میں وعدہ معاف کے خلاف کوئی محنت نہیں کی ہوتی۔ اس لئے وہ سزا سے بچ جاتا ہے۔ میں نے جبراً ڈگر کے خلاف سب سے پہلے شہادت جمع



بارش لڑکی اور سیراب

برسی بارش میں سڑک کنارے ایک پرٹی ڈش بیکی لباس میں
تھڑی مجھے ہاتھ اٹھا کر کہنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ
رسیدہ لگ رہا تھا۔ میں نے گاڑی روک لی۔

ڈاکٹر مبشر حسین ملک

0345-6875404



واکریم! میری جان آج تم تاخیر سے آئے ہو۔
 مجھے بتانا تب بھی متنازق رہے کہ منصف
 ٹاؤک کا کوئی مسئلہ ہو گا۔ تم نے کسی کو تریب و بابو کا یا خود
 کسی جمعہ کے میں آئے ہو گئے۔ جو تمہا کہ تم نمودار ہو اور میر
 نے اس کی خبر لے لی۔ بات کرتے ہوئے اس نے
 دوست کے سے ہونے چہرے کا جھنکنا لانا نہ کہا۔ دوستوں
 کا جھنکنا حسب معمول ایک انڈر کر اوٹنگ کلب میں جین ہو چکا
 تھا، جو شہر میں نئی سرگرمیوں کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

ہاں ان دنوں ڈیڑھ پندرہ بجے خوفناقی روپ دھار
 چکی تھی۔ سرو ہوا کے نیز چھوٹے پانی بڑی کھلی کھڑکیوں
 کے واسطے وسیع و عریض ہال میں چل رہے تھے، جن کے
 دوش پر برکھا کے زم فخرے عمارت میں اندر تک پھیر
 جانے تھے۔ پانی اور ہوائی آمیزش ہنرے کی تھک تھک
 رہتی تھی جو ماہرین کے غریب کا بن و بانی تھی۔ بار
 خواروں کی یہی زت عمارت میں ہجوم کی بڑی وجہ تھی
 کشادہ کرسیوں کے بیچ بیچ تہذیب میں قرینہ کھو چکی
 تھیں۔ بلکہ ان پر آؤ بڑا ان اشیاء بھی حسن سلیقہ سے مبرا
 دکھائی دیتی تھیں۔ جام و سوسے وابستہ فائلر فیم بے زنجیری
 میں جوئے کے لوازمات بھی اچھے اچھے تھے۔ ماحول
 میں اجماع موجود اور انسانوں کی بے رعبا خیالی کی عکاسی کرتا
 تھا۔ وہاں سکون کی مصنوعی کباب میں بے سکونی کی جھلک
 غاوی نظر آتی تھی۔

کلب میں ریم باؤ اور غم رات کے لئے تک جاری رہتی تھی
 جس کی چھت میں سٹ باؤزی اور جوئے کے باعث نہیں
 باس وقت گھری مات ہوتی تو گھنٹی آلودہ جب کا غرور۔
 گھری شام رونقیں اور پھنی پینے لگتیں، جب پر ہاں کلب
 میں منڈلا با کرتی تھیں۔

دوسرے غم خانہ میں ششما چہرے ہنگاموں کی جان ہوا
 کرنے تھے۔ ان جھرمٹ میں کہ تم کی نشست ہم کی خالی
 نظر آ با کرتی تھی۔ وہ کلینڈر میں آؤ بڑا سمجھا جاتا تھا، خصوصاً

خواتین میں اس کی مسکان الٹربیب جانی جانی تھی۔ پھر
 اس کی حاضر جبرانی اور بیٹھنے کی صلاحیت بھی، زبان
 جام رہتی تھی، دو وقتوں میں رنگ پاشی کا وہی حاضر اس روز
 سبھی کچھ خلاف معمول تھا اور افسردگی اس کے شخص میں
 بڑھ چکی تھی کی صورت حاوی ہو چکی تھی، جس کا کہ وہ پیش
 اور آگ اس کے وقت کر چکے تھے۔

”مزاج و سنان میں گرائی کیوں؟“ زہیر نے
 خصوصاً انداز میں پتی تھی۔ نہ کہیں نو اور نہ چہرہ تھی
 بڑا بڑا کر رہے تھے ایک تیسری نظر دوستوں پر ڈالنے اور
 اجاٹ لہجے میں بڑا بڑا۔ ”خوفناقی موسم کسی فیموں پر بھی
 پھاٹنے ہیں۔“ اس نے کہا، اس سے کہا اور انہی میں
 ہاؤ کی کھوڑے سے خالی کر ہی چھپے کو سر کاٹی۔ پھر اسے ہاتھ
 دیکھ سہارے سے گونے زاویے پر تھام لیا۔ اگلے لمحے
 دھڑا سے نشست کے ویز گدوں پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

اسی ہی طرح پر فیموں کو سستی کا آغا ہوا۔ بے شکم شوہ
 شراب میں ٹھنڈا رہا آؤ مہاجر برکھا کے صوفی ہیں نظر میں
 ۔ عمری تان، رازوں میں کھڑکی۔ فیم کا روبرو نال اور فیم
 میں بکھا دکھائی دیتی تھی۔ کہیں بھی کھوں کی زیبا میں کھ
 سا تھا۔

”یوں بغور نہ دیکھ بار! سلی ہو جائے گی۔“ زہیر نے
 حفا کریم کو کھٹا ہٹ کیا مگر فوراً اسے لینے کے وینے ہڑ
 گئے۔ اس کی کاوش دوست کے دل زاؤ پر گراں گزارنی
 تھی۔ عقدہ کھلا کر کہ تم کی کھو کھلی جان بگاڑا رہے تھے بے
 خیال میں جھی ہوئی تھیں۔ اسے اپنی ہندی اولی کھٹکی پر
 قدغن غیر مناسب تھی۔ اسے اعتراض ہوا کہ تمہیں کے
 پھیلاؤ میں فقط اسی کو یوں بھانا گیا۔ ان پر وہ بڑا ہوا تو
 سہانہ لہجے کا، سمیرنے کا پھاؤ کی بہت بھائی اور بہ سڑکی
 کی سوجھ بھاد میں نکل ہوا۔

”بار! آخر تا تم نے فیم ہوں تاکہ کیوں بھرا
 ہے؟“ اس نے آسانے ہوئے لہجے میں بھرونی کی

کریم چاروں رات وہاں بیٹھا رہتا تھا۔ وہ سب سے بڑھ کر خوش حال جانا جاتا تھا۔ خود غرض ہوتے ہوئے بھی درد و سوسائے پر پیسہ صرف کر رہتا تھا۔ وطیرہ رہا تھا کہ خود جوئے میں بھی بارہمی جائے، سبز پانی کے فراخوشی وہی انجام دیا کرتا تھا۔ دوست اس کی کار پر آدھ گروی بھی کیا کرتے تھے بلکہ گاڑی صرف اسی کے پاس ہوا کرتی تھی جس کا ماڈل قبل مدت میں بدل جا رہا تھا۔ اس کی منصف، ڈاک سے درستیوں کی طریقہ، چنگی کار اس کی رومانوی زندگی میں مرکزی حیثیت رکھتی تھی، چنگی کار اس میں نسوانی ہند کی خوشبو نہیں بھی موجود رہا کرتی تھیں۔ شہر کے گھرانے، پہاڑ، تھکے خانوں کو کراہی میں مل جا رہا تھا۔ مگر اس روز معاملہ کریم کے عمومی رویوں سے تھا۔ وہ خود نے بھی کتنے میں مانتا تھا۔

”ہاں! آج وہ نے بھی جہنمی برکات کر دی، پھر شہر سے سونے کیسے شکر، کبھی ہاں تو لذت کا میسرہ ہی نظر رہا ہے۔“ زبیر نے گتہ کیے کی کوشش کی۔

”اس وقت سولہ پر کریم رستخوار ہو گیا۔“

”تو دوستو! میں نے تم سب پر پیر لائے ہیں کبھی نہیں کیا تو آج صابڈ، ہاں لوگوں پر تو سب کی سنی گم ہو گئی تھی۔“

”ہمارا خیر، ہم نے ہاں نہ بنے جتنا وہم پر لگا ہوا، پھر احسان کیا؟“ اعظم نے نہ چھڑا ہوا۔ سیر نے فوراً معاملہ سنبھالا۔ ”شاشاں! ہاں کہہ لانا اس سنوار جائیں۔“

”مجھ پر کریم! نہ تو میں تو ذوقی رہی گی، ہم جتنا کہ تیار ہے ہاں گھول کارنگہ، زر کیوں ہے؟ جبکہ سوم پوری طرح خوش رنگ ہے اور شمار سے لبر رہی گی۔ تم ہوں اور ان کیوں ہوں؟“ ان کے لہجے میں تشریح برقرار تھی۔

”کیا زبیر نے گل بھی نکاری پھوڑے کوڑس لینے ہیں؟“ کریم نے۔ ”عم آواز میں کہا اور نظریں جھکا لیں۔ اس کے نظریں میں شکست کا الہ راسخ کند ہو گیا۔ اس کی

سبزیں رکھی اور دوست کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ جانتا تھا کہ کریم ٹیکس میں گڑے ہوئے ساڈی کی طرح غصہ تاک ہو جاتا ہے اور تازہ میں کچھ بھی کر سکتا ہے۔ کچھ پرانی کا بھی کما لک تھا جو جلالی بار آفریڈ ویز وال ہوا۔

”رسی کے ساتھ دم کا شش، کہا خیال ہے؟ ہو جائے نہیں، دوران، دو چند؟“ ممبر نے جوئے کی دعوت دے ڈالی پھر اپنا ہاتھ بھاری سبب کی طرف بڑھا۔ دوستوں کو احساس ہوا کہ اسے شاید رکی ہوئی نخرہ مل گئی تھی۔ وہ بے بھی سیر متقی سرگرمیوں میں ہمیشہ نے جوش نظر آ کر تھا۔ کریم بھی پرانے مال کا دلدادہ سمجھا جاتا تھا اس روز اس کا وہ معمول سے کسے مختلف دکھائی دیا تھا۔

”ممبری جانب سے توجہ فراہم کی جان چھٹی۔“ اس کا بے غیر متوقع جواب دوستوں کے چہرے پر تھیں ہو گیا۔ کریم کا جوئے سے اعتبار کر لینا سب کے لئے دلچسپی کی بات تھی۔

”کچھ غیر معمولی سرزد ہوا ہے۔“ دوست بھلا سوچنے لگے۔

سب جانتے تھے کہ کریم ایک حرب میں شخص تھا اور جو کہ ہاڑھی۔ طبع اس کے رگ دے میں شامل ہو چکا تھا۔ جوئے میں خصوصاً باپ کا بھی لگاؤ تھا۔ بلکہ اسی تا طے باپ کو استاد بنا کر تھا۔ بے حد خود غرض سمجھا جاتا تھا۔

”بارہ علی کے بارے میں کچھ نہ کہو۔“ اعظم نے اسے نہو کا دیا۔ پھر جواب کا انتظار کرنے لگا۔ برکھ کے کوئی راکار کے پیچھے ہوئے ہالوں میں الجھ گئے تھے جس کے باعث دو دور نظر تباہی کی حد میں چھوئے لگا تھا۔

”جاسینے ہو نورم منگوا لو، برف کے ٹکڑوں پر اور ہاں بل ادا کرنے کے لئے پیسے بھی جیبوں میں رکھنا۔“ کریم نے منظر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا مگر چہرے پر اٹھ ہوا اور نہ پوچھا۔ اس کی اس فرمائش پر دوست بگا بگا ہو گئے۔ یہ بھی معمول کے ہالوں پر کس تھا۔

بے چینی سے یوں لگا جیسے دو کسی منہی تھیل میں بڑی پونگی بار آیا تھا۔

”کسی نے آج مجھے زندگی کا کاری سبق پڑھا دیا۔“
 کہہ کر نے جملہ یوں نٹپایا جیسے باری ہوئی مایا ادا کر رہا تھا۔
 برکھانے انکڑائی کی جھلکتے ہوئے جام پارہ خواروں کے ہاتھوں میں تھرانے لگے۔ نے کیے بندھنوں کو بچ کے طوق میں بھی اتر گئے۔ شرب کی کئی رفتی حالات میں زخم ہوئی تو اس کے چہرے پر شہنوں کی روش کھڑی۔

”دوست! یہ بتاؤ کہ تمہیں کہا حضور نے کہ موت تو نہیں جان لےنے؟“
 ”جان تو نہیں کروں تمہیں گھر مار سے“
 ”عظیم بھی اپنی تشویش زبان پر لے آئے۔“

دوستوں کے بیچ گفتگو مابین تیز چلتا جا رہا تھا۔ وہ جان لینا چاہتے تھے کہ ان کے گرو: دوست کو ان کی بازی مات ہوئی اور کیسے اور وہ کون سا شہ زور تھا جس نے کر لیں جیسے سو مارا کہ اپنے جان میں بٹل لیا۔ عقدہ کھٹنا شروع ہو چکا تھا۔ جذباتوں کو سدھا دیتے ہوئے کہ یہ معاملہ بیان کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”دوستو!“ اس نے بھی خواہوں کو غلب کیا۔ ”تم رفقہ سے ملنے کا مقصد ڈیکھتے دل و ذہن کو نشنی دینا بھی تھا۔ مع ہی سے طبیعت اکارت رہی تھی۔ بد شکونیاں تو اتر سے سرزد ہوتی رہیں۔ جی چاہا کہ شام گئیں اور عمارت کر روں۔ بارش موسلا ہمار برس رہی تھی دل مندہ ہو تو تمہیں بھی ادا ہی دیکھتی ہیں۔“
 ”کریم نے آہ بھری، پریشان لہجے میں مدغم ہوا کہ۔“
 ”مجھ خیال آیا کہ اسور و درکار میں تھقل من سب تھیں۔ لیکنری کے چند معاملات حل طلب تھے، سوچا انہیں سلجھ کر تم سب رفقہ سے ملوں گا۔ مل کر تمہیں ضیافت ادا کریں گے، موسم کا لطف بھی اٹھائیں گے۔“
 ”ماتول بدل جائے تو روپے بھی سلجھ جاتے ہیں۔“ اس نے قہر آگے بڑھایا۔ اس کے وجود میں اب وہی اضطراب دکھائی دے رہا تھا جو اس کے دست گرفتہ شیشے میں نظر آتا

تھا۔ وہ اپنی بھنبلاہٹ پر جاہو پانے کی ویشش کر رہا تھا۔ اس بیچ پھر گویا ہوا۔

”گھر سے نکلا تو بارش زوروں پر شران ہو گئی۔۔۔“
 کہیں کہ بھاری بوند میں تیز ہوا کے سوگی گردابوں میں رہنے لگیں۔ جو چھڑا کے باعث مجھے گاڑی چلانے میں ناگہنی دقت ہونے لگی۔ سوچا، داہن گھرنوٹ چلوں۔ سڑک پر واریانی نے، گناہت میں دو چند کر دی تھی گھرا گلے سے جس میں اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور ہو گیا۔“
 ”دور کار، پھر ہوا۔“ ایک انسانی یون بھری توجہ کا مرکز بن گیا۔“ یہ کہتے ہوئے کریم کے چہرے پر تغیر میں طوفان ساہرا پا ہوا اور اس نے سے کا جام سسکل چند تھنوں میں خالی کر دیا۔ پھر لہجے کی آہ بھری جیسے سسکی سی ہی ہوا اور خالی پانے کے ساتھ کھینکے لگا۔ اسٹ اپٹ کرتا رہا، حتی کہ اس کے ستیر نقوش نمبر اڈ کے تو زن پر بند ہونے لگے۔

”گھر کے کھنڈے ایک پری ویش کھڑی تھی۔“
 ”نک اندام کھڑیم بر جب، بظاہر تم رسیدہ، مجھے اس نے پوچھا کہ کیا۔“
 ”کریم نے انکشاف کیا۔ ساتھ ہی دوستوں کے ہاتھوں میں ساڑھ جھلکنے لگے۔

”تمہا چہوں اور وہ بھی برستے پائوں میں؟“
 ”زہیر حیرت کے مارے بیچ چڑا۔ شراب اس کے لبوں سے لپکنے لگی۔“

”ہاں۔“ کریم نے جواب دیا۔ ”وہ مداری ستاشی دکھائی دیتی تھی۔ سڑک پر گاڑی پا کر اس کی آنکھیں کھل اٹھیں۔ پھر شراب کر اس نے ہاتھوں سے لینا چہرہ ڈھانپ لیا۔ میں نے گاڑی روک لی۔“
 ”کریم نے کہا، زہیر اس مسورت حامل پر تھمرہ ترپا چاہتا تھا مرقہ اس کے دلوں میں اٹک گئے۔ اگلے لمحے جام ان لوگوں کی ذہنت بن گیا۔
 ”عظیم کا حلق بھی مانع سے سراب ہو رہا تھا۔“

”برستی ہوئی برکھا میں شہا پری چہرہ۔“
 ”میر نے سوچ اور شراب کا سرور گشتاہٹ میں جاوا، پھر معنی خیز لفظ

مانوں لوگر مارا تھا۔

سے کہ ہم کی طرف، جیسے گا۔

”مندرہ بارش نے لڑکی کو لڑنی طرح سے بھرا دیا تھا۔ لباس تو ہو جانے کے باعث اس کے بدن کا ہر اٹمہ انٹرویو بناؤت کی عکاسی رک رہا تھا۔ کریم نے کہا، ”مجھے فریب پا کر اس نے تن سنبھالنے کی کوشش کی مگر پینا دے میں چٹاؤ کی کوئی ہی اس کے آنسو آگئی۔ مجھے اس پر نرس آنے لگا۔ اس نے بتایا۔ معاملہ جان کر دوست سسٹمدرہ گئے۔“

”داور نے“۔ اعظم کے منہ سے یہ سانسٹہ نکلا۔

”رام لٹھا ہائے کیا“۔ ذہیر نے غفلوں کے قالب سے رد مانینہ اچک لی۔ وہ کریم کی باتوں پر غیر یقینی میں جھٹلا نظر آیا۔

”تمہارے تو دارے نہا، اے ہو گئے ہوں گے؟“

میر نے اپنے انداز میں برستہ شہر کہا۔

”اور یا چھیس کا ٹونہ تک محل بھی نہیں آئی۔“ کہہ کر اعظم بھی انگٹھوں میں شامل ہا۔

”بارہ نرس والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔“ سوچنے ہوئے ذہیر نے اپنی ماسے تھوڑا، پھر ٹونٹی سے کریم کی آنکھوں میں جھانکا۔

”کیوں رولہ اندر لیا کرے سوہوں میں رولہ نہیں ہوتا؟“ میر نے کریم کے دل پر چمکا لگا جس کی گھبرائی کریم کے چہرے پر عکس کر آئی۔ ذہیر اور اعظم اپنے اپنے انداز میں ہنسنے لگے۔

”سٹاپ اپ؟“ کریم نے روسوں اور دوست پائی۔

کہاؤں سے بھی نہ ہیز پر آ چکی تھی جس سے ساتھ لوازمات بھی آرامتہ تھے۔ جام و سوسہ میں بھی کی نہ تھی۔ ہنسنے ہوئے گوشت کی سونڈھی میٹک ترہا میں رہنے لگی۔ وینلز کہاں جا بجا مصروف کار تھیں۔ نغرس انہیں دور دور نگاہوں کو نزل رہی تھیں۔ برکھا برس رہی تھی۔

تتا میں چل رہی تھیں، سادہ زوت کے بچاد یوں نے

”میں نے ہونہ پیرا ایچہ بانن کوٹا، میں سنا مہا۔ بارش اس لڈر نیرنگی کہ اس کاوش میں خود بھی نہ ہو گی۔“

کریم نے انگٹھو کے بڑھائی۔ ”خزف بہت پر جیسے ہی ہر سفر کی تھنا میں بے قابو ہونے لگیں۔ دس کی بہ جرات مجھ پر بھی ڈرا انداز ہوئی۔ میں نے لڑکی اور اس کے انداز ہا برکھا پھر خیال کیا کہ سفر و تلبی میں کت جائے گا۔ دونی بڑھی تو اسے ڈالی اور ذہیری معمولات میں بھی شامل کروں گا۔“

کریم نے اپنی نفسی کمزوری کو ہمدردی کا نبادہ پینا نے کی کوشش کی مگر یکدم بے قراری کی بے قابوئی ہر اس کے ذہنی انکار میں ہو کر آئی۔ اس نے سنے پھر خان جام میں انٹرنش فی، مانتھو ہی اپنے ہر خوب، بکار کو بھی آئی لگا ہی۔ پھر دوست پر اسے اٹھ کھڑا ہوا اور نے چینی میں دھیرے دھیرے چٹا ہوا کھڑکی سے پہلو میں جا بکھرا ہوا۔

خیالوں میں غمٹاں دو دھنوں کے مہر نولے بنا تا ہا۔ باہر جا کر بہت گھبرائی تھی۔ برکھا پورنی نڈت سے برس رہی تھی۔ شاہراہ کے ستارہ سے آہر دوسرے دھم دھم دہوں کی غمٹاں و خانہ دینے تھے۔ سڑکوں پر حیات مہدم تھی۔ کہ دم تیز ہوتا تھا، نے پھر نرس کی بون بھٹو ہا۔ پائی اس کے چہرے پر بھی کھیل گیا۔ شراب کی گڑواہٹ میں ساہ کھیلے دھو میں کی ذہیر میں ہوتی تو کریم کے ہونہ میں کھیل تھنے لگی۔

دو اپنے ساتھیوں کی جانب واپس لوٹا تو وہ دس کی آمد سے بے نیاز چہ سگھو ہاں کر رہے تھے۔ نئے کی بڑھی ہوئی کیفیت میں کریم کا وہن و ذہنی لڑنی پر مرکز ہو چکا تھا۔ دو اس کو الہوی کے ظہم میں سوائی حسن کے گیت گا رہا تھا۔

”دورن بھری تھی، کچی گرنی کی طرف آگئی تھی، اس کی مسکان مویجے کا تر تازہ و گہرا تھی اور لڑیہ دل بانوت رنگ اس کی خود کھائی میں بھی کہاں جھڑنی تھیں۔“ دو بولا۔

”خود کھائی؟“ ذہیر یک دم چونک پڑا۔

”شعلہ بارش نے ہائے ہوسم کی پٹھڑ ہاں یروانوں سے

میر نے اپنے انداز میں برستہ شہر کہا۔

”اور یا چھیس کا ٹونہ تک محل بھی نہیں آئی۔“ کہہ کر اعظم بھی انگٹھوں میں شامل ہا۔

”بارہ نرس والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔“ سوچنے ہوئے ذہیر نے اپنی ماسے تھوڑا، پھر ٹونٹی سے کریم کی آنکھوں میں جھانکا۔

”کیوں رولہ اندر لیا کرے سوہوں میں رولہ نہیں ہوتا؟“ میر نے کریم کے دل پر چمکا لگا جس کی گھبرائی کریم کے چہرے پر عکس کر آئی۔ ذہیر اور اعظم اپنے اپنے انداز میں ہنسنے لگے۔

”سٹاپ اپ؟“ کریم نے روسوں اور دوست پائی۔

کہاؤں سے بھی نہ ہیز پر آ چکی تھی جس سے ساتھ لوازمات بھی آرامتہ تھے۔ جام و سوسہ میں بھی کی نہ تھی۔ ہنسنے ہوئے گوشت کی سونڈھی میٹک ترہا میں رہنے لگی۔ وینلز کہاں جا بجا مصروف کار تھیں۔ نغرس انہیں دور دور نگاہوں کو نزل رہی تھیں۔ برکھا برس رہی تھی۔

تتا میں چل رہی تھیں، سادہ زوت کے بچاد یوں نے

”میں نے ہونہ پیرا ایچہ بانن کوٹا، میں سنا مہا۔ بارش اس لڈر نیرنگی کہ اس کاوش میں خود بھی نہ ہو گی۔“

کریم نے انگٹھو کے بڑھائی۔ ”خزف بہت پر جیسے ہی ہر سفر کی تھنا میں بے قابو ہونے لگیں۔ دس کی بہ جرات مجھ پر بھی ڈرا انداز ہوئی۔ میں نے لڑکی اور اس کے انداز ہا برکھا پھر خیال کیا کہ سفر و تلبی میں کت جائے گا۔ دونی بڑھی تو اسے ڈالی اور ذہیری معمولات میں بھی شامل کروں گا۔“

کریم نے اپنی نفسی کمزوری کو ہمدردی کا نبادہ پینا نے کی کوشش کی مگر یکدم بے قراری کی بے قابوئی ہر اس کے ذہنی انکار میں ہو کر آئی۔ اس نے سنے پھر خان جام میں انٹرنش فی، مانتھو ہی اپنے ہر خوب، بکار کو بھی آئی لگا ہی۔ پھر دوست پر اسے اٹھ کھڑا ہوا اور نے چینی میں دھیرے دھیرے چٹا ہوا کھڑکی سے پہلو میں جا بکھرا ہوا۔

خیالوں میں غمٹاں دو دھنوں کے مہر نولے بنا تا ہا۔ باہر جا کر بہت گھبرائی تھی۔ برکھا پورنی نڈت سے برس رہی تھی۔ شاہراہ کے ستارہ سے آہر دوسرے دھم دھم دہوں کی غمٹاں و خانہ دینے تھے۔ سڑکوں پر حیات مہدم تھی۔ کہ دم تیز ہوتا تھا، نے پھر نرس کی بون بھٹو ہا۔ پائی اس کے چہرے پر بھی کھیل گیا۔ شراب کی گڑواہٹ میں ساہ کھیلے دھو میں کی ذہیر میں ہوتی تو کریم کے ہونہ میں کھیل تھنے لگی۔

دو اپنے ساتھیوں کی جانب واپس لوٹا تو وہ دس کی آمد سے بے نیاز چہ سگھو ہاں کر رہے تھے۔ نئے کی بڑھی ہوئی کیفیت میں کریم کا وہن و ذہنی لڑنی پر مرکز ہو چکا تھا۔ دو اس کو الہوی کے ظہم میں سوائی حسن کے گیت گا رہا تھا۔

”دورن بھری تھی، کچی گرنی کی طرف آگئی تھی، اس کی مسکان مویجے کا تر تازہ و گہرا تھی اور لڑیہ دل بانوت رنگ اس کی خود کھائی میں بھی کہاں جھڑنی تھیں۔“ دو بولا۔

”خود کھائی؟“ ذہیر یک دم چونک پڑا۔

”شعلہ بارش نے ہائے ہوسم کی پٹھڑ ہاں یروانوں سے

میر نے اپنے انداز میں برستہ شہر کہا۔

”اور یا چھیس کا ٹونہ تک محل بھی نہیں آئی۔“ کہہ کر اعظم بھی انگٹھوں میں شامل ہا۔

”بارہ نرس والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔“ سوچنے ہوئے ذہیر نے اپنی ماسے تھوڑا، پھر ٹونٹی سے کریم کی آنکھوں میں جھانکا۔

”کیوں رولہ اندر لیا کرے سوہوں میں رولہ نہیں ہوتا؟“ میر نے کریم کے دل پر چمکا لگا جس کی گھبرائی کریم کے چہرے پر عکس کر آئی۔ ذہیر اور اعظم اپنے اپنے انداز میں ہنسنے لگے۔

”سٹاپ اپ؟“ کریم نے روسوں اور دوست پائی۔

کہاؤں سے بھی نہ ہیز پر آ چکی تھی جس سے ساتھ لوازمات بھی آرامتہ تھے۔ جام و سوسہ میں بھی کی نہ تھی۔ ہنسنے ہوئے گوشت کی سونڈھی میٹک ترہا میں رہنے لگی۔ وینلز کہاں جا بجا مصروف کار تھیں۔ نغرس انہیں دور دور نگاہوں کو نزل رہی تھیں۔ برکھا برس رہی تھی۔

تتا میں چل رہی تھیں، سادہ زوت کے بچاد یوں نے

”میں نے ہونہ پیرا ایچہ بانن کوٹا، میں سنا مہا۔ بارش اس لڈر نیرنگی کہ اس کاوش میں خود بھی نہ ہو گی۔“

کریم نے انگٹھو کے بڑھائی۔ ”خزف بہت پر جیسے ہی ہر سفر کی تھنا میں بے قابو ہونے لگیں۔ دس کی بہ جرات مجھ پر بھی ڈرا انداز ہوئی۔ میں نے لڑکی اور اس کے انداز ہا برکھا پھر خیال کیا کہ سفر و تلبی میں کت جائے گا۔ دونی بڑھی تو اسے ڈالی اور ذہیری معمولات میں بھی شامل کروں گا۔“

کریم نے اپنی نفسی کمزوری کو ہمدردی کا نبادہ پینا نے کی کوشش کی مگر یکدم بے قراری کی بے قابوئی ہر اس کے ذہنی انکار میں ہو کر آئی۔ اس نے سنے پھر خان جام میں انٹرنش فی، مانتھو ہی اپنے ہر خوب، بکار کو بھی آئی لگا ہی۔ پھر دوست پر اسے اٹھ کھڑا ہوا اور نے چینی میں دھیرے دھیرے چٹا ہوا کھڑکی سے پہلو میں جا بکھرا ہوا۔

خیالوں میں غمٹاں دو دھنوں کے مہر نولے بنا تا ہا۔ باہر جا کر بہت گھبرائی تھی۔ برکھا پورنی نڈت سے برس رہی تھی۔ شاہراہ کے ستارہ سے آہر دوسرے دھم دھم دہوں کی غمٹاں و خانہ دینے تھے۔ سڑکوں پر حیات مہدم تھی۔ کہ دم تیز ہوتا تھا، نے پھر نرس کی بون بھٹو ہا۔ پائی اس کے چہرے پر بھی کھیل گیا۔ شراب کی گڑواہٹ میں ساہ کھیلے دھو میں کی ذہیر میں ہوتی تو کریم کے ہونہ میں کھیل تھنے لگی۔

دو اپنے ساتھیوں کی جانب واپس لوٹا تو وہ دس کی آمد سے بے نیاز چہ سگھو ہاں کر رہے تھے۔ نئے کی بڑھی ہوئی کیفیت میں کریم کا وہن و ذہنی لڑنی پر مرکز ہو چکا تھا۔ دو اس کو الہوی کے ظہم میں سوائی حسن کے گیت گا رہا تھا۔

”دورن بھری تھی، کچی گرنی کی طرف آگئی تھی، اس کی مسکان مویجے کا تر تازہ و گہرا تھی اور لڑیہ دل بانوت رنگ اس کی خود کھائی میں بھی کہاں جھڑنی تھیں۔“ دو بولا۔

”خود کھائی؟“ ذہیر یک دم چونک پڑا۔

”شعلہ بارش نے ہائے ہوسم کی پٹھڑ ہاں یروانوں سے

لے پھندا ہوتی ہیں۔" سیر نے اندازہ کیا۔ کریم اپنی دھن میں بولتا رہا۔

"تھی تو وہ مدد بھری اور شاداب لیکن نکلا جس اس کی بڑی پیاسی تھی۔ مجھے لڑائی کا روپ اُن مجھے چرنے کی طرح دکھائی دیا جسے بھانے کے لئے پاروں کا بڑھی نمی دست دکھتا تھا"۔ کریم نے کہا۔

وہ اور بھی کچھ بولا مگر وہ پتھروں پر ابھرنے والے سوال تازے اس کے جملوں میں فٹ پناہ بنا گیا۔
"اپنی فائش غلطیوں پر تم بھونڈے کی تو جیسے ہاتھ رہے ہو۔" زبیر نے تلخ اور نیر لہجے میں افسردگی سے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ چھروں کو مورد پڑ گئے ہوں گے۔" سیر بھی بول پڑا جبکہ اعظم کی گفتگو کسی ہی جہتی خبر "ہوں" پر سست کر رہی۔ کریم نے جواباً پورا اڑانے کی کوشش کی مگر فقہا مینا کر دیا۔ وہ الجھاؤ کے باعث ذہن نظر آنے لگا تھا۔

کھانے کے دوران کچھ وقت بغیر بات کئے گزر گیا۔ خاموشی سناہ لازم بھی تھی۔ دوسروں کی نوچ شراب اور کباب کی طرف مبذول رہی۔ وقت کے ساتھ زت میں نیز ہواؤں کے جمو کے بڑھ گئے تھے۔ سردی اجسام حیات میں چھلنے لگی تھی۔ اسی ہاتھ سے سچ پہ چھل پہل بھی زیادہ ہوئی۔ لوگوں کا رُخ حد بس چھو رہا تھا۔ ہر نو گھما گھمی دکھائی دیتی تھی۔ اجنبی لڑکی بدستور کریم کے ذہن میں کھینچ ہوتی تھی۔ اس کے حواس پر اثر دکھائی دیتی تھی۔ وہ مسلسل بول رہا تھا۔ کچھ بیک بھی دہانہا۔ اس نے کہا۔

"وہ خود نمائی میں بھی بکتا نظر آتی تھی، لباس سستا لینے کے سلیقے میں برکھاکے امر کا ب رہی، اس کا بدن سفید مرمر کی طرح الجھا تھا، دھکتا ہوا، گردن صراحی وار تھی اس کے عارض مجھے ڈھاکہ کے گلاب دامن بھائی دینے، جبکہ اس کی مسکان میں دھندلوں کے گڑھے جو گہرے اور بیخونی تھے دعوت اور اُسیلا ڈھینٹتے تھے۔ ایسے میں اس کی

انہوں کے الاؤ بجز کے نو سیرا وجود سمجھانے سکے۔ اس کے کیوں کے جام مجھے ترسانے لگے۔ اس کے سامنوں کی حدت سیرا وجود گرمانے لگی۔ کج تو رہے دوستو کہ اس کے مخر نے مجھے مدھ بوش کر دیا تھا۔

لمو بھرے مجھے تو قوتف کے بعد ان نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔ بدستور اپنی ارد میں بیٹا رہا۔
"وہ بلا نہ تھی، مٹل بلا نہ۔ اس کی ذلتوں کی طوالت مجھے فقہا بھی شرموں میں دھکی تھی، جنہیں سیری اکالی نے جب اوز خانوں میں ان دنوں سے اوبھل ہو گیا، نکلیں گھٹاؤں میں کھو گیا"۔ کریم نے کہا۔ ساتھ ہی رخ نگراؤں پر مائج کی نشلی صورت ہواؤں میں بکھرنے لگی۔

"میں تو جس میں بڑ کا جہز سمجھا کرتا تھا"۔ سیر نے دوستوں کو محور دکھاؤں سے تکتے ہوئے بصرہ کیا۔ "مگر یہاں تو ذکی نے تمہارے ہونے اڑانے دکھے"۔ اس نے جواباً بیوی کا اظہار کیا مگر کریم بدستور بولتا رہا، آزاد سے نیا ز اپنی دھن میں۔

"لڑکی سکتے ہو، اس اہلیت بدنیوں کی طرح نظر آتی تھی مگر برکتی نو ہے حد طوفانی تھی۔ دوستو! اس کے رویوں سے کوئی بھی کھائش ہو سکتا تھا، اس کی بے نکلیں مجھے برکتی برکھاکے سبائی ریلیوں کی طرح دکھائی دے لگی جو زری دھرتی پر برسوں تو دھاروں کی صورت رہوں کے کج ڈھمپنا لینے ہیں"۔ کریم اب اپنے تئوں پتھری کر دی مائج چاٹ رہا تھا۔

دوست بھی جذبوں کی اکھاڑ پھار جام و سیر میں ڈوبنے دے۔ کریم کے چہرے پر الم اور پریشانی کے سلیقے میں پچھتاہے کے آثار ماباں نظر آنے لگے تھے۔

"شہر فریب تھا"۔ اس نے کہا پھر اس کی آواز گلے میں رندھ گئی اور لفظ خلق میں اٹکنے لگے۔ یولا۔ "لڑکی نے یک دم اپنے نور بدل لئے مساکن کے موسم کی طرح۔ اور سمت جابیں نوٹس کا عذابت تباہت برساتے لگتے ہے۔"

"میں کیا گاڑی روکنا، مجھے بھجورا، کنا بڑا"۔ کریم نے انکشاف کیا: "لڑکی نے اپنے لباس سے مستوحا ذوقی عجبہ دکرائی اور عقب سے سہری گرن کے گرد ڈال ری، پھر اس جان لیوا ہینڈ سے میں مجھے بھجولا۔ سہری سامنے رکے گی۔ میں نے ہینشل گاڑی پر قابو برقرار رکھا"۔ کریم نے کہا: "میں بڑی طرح گھبرا گیا تھا"۔ اس نے اعتراف کیا: "احسان خاں کو لڑکی کے ساتھ بھی اور گر ہوں گے"۔ اس نے تباہ: "میں جسمیں خاں نے پکھڑی کی آزمائش میں نہیں زالا چاہتی لڑکی کے ہر سر سے انداز میں بات کی۔ بہتر ہو گا تمہیں معاملہ نے کر لو۔ اپنے کریم جرم کے عوض مجھے رقم ادا کرو، سب میں نہیں سٹاف کو دے گی، ہم آپ کو دوسرے فونس خوشگوار سفری طرح بھول جائیں گے۔ لڑکی نے پیشکش کی اور اگر میں نہ مانوں تو؟ میں نے اس سے پوچھا۔ اچھے ہی لمحے ایک ہینڈ میری کینٹی پر ٹک چکا تھا"۔ کریم نے ماجرہ سنا ہوا خندہ گردوں کو سنبھالنے کو سنبھالنے کی اور بوجھل سا دکھائی دیا۔ "تو کرائی اس پھوری نے نہیں لوٹ لیا؟" سوال کرتے ہوئے مہر چوہے کا ر سا ہوا اور وہ ہوش میں اپنا ہاتھ فرنیسی بیڑی، وہ بے مارا پھرا پٹی انگلیاں سبٹانے لگا۔ آج سے ظاہر ہو رہا تھا کہ شہ درسون کی حرکات پر حاوی ہو چکا تھا۔

"ہاں، اس وقت نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا"۔ کریم نے کف اٹھانے لپنے ہوئے تباہ: "پہلے اس نے میرا پس نکلوا یا، پھر گھڑی دزدانی اور بعد ازاں میرا سٹل فون بھی چھین لیا"۔ اس نے افسردگی میں لفظ چبانے: "تم تو جانتے ہی ہو کہ سٹل فون میرے تجارتی معاملات میں کس قدر اہم تھا"۔ کریم بے بسی میں اپنے خانی ہاتھ دکھانے لگا: "میں نہیں، اس کم ہینڈ کی نگاہیں سہری طلانی اچھوٹی پر بھی پڑ گئیں۔ اس نے وہ بھی ازدالی۔ کہنے کی کہ میں اسے بڑی چاہت سے اپنے پاس رکھوں گی، ملاقات

ہی ہو۔ لڑکی کے گلانی کال ایک نکت طاری کر دو پیش میں نمٹنے لگے۔ اس کے سطح نظر طوفان میرے چہنی بروں پہنچنے لگے، پھر یہ طوفان اس کم ہینڈ کے شخصی ٹکس پر بھرنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنا قیمتی لباس تار تار کر دیا اور سر کے بالی نوج ڈالے، پھر اپنے لیے ہاتھوں سے تازک جلد پر فراشیں کندہ کر ڈالیں۔ اب اس کی آنکھوں سے عیاری برس رہی تھی، وہ حشت بھری مسکرائی۔ کریم نے بنا بنا۔ اس کا اپنا چہرہ بھی بھیج گیا تھا۔ دوست محو حیرت تھے اور حیرت کدے سے شگم۔

"سہری روح فنا ہو گئی، مجھے اس آفت کی بڑباکا دیا۔ مجھ میں آنے لگا"۔ کریم نے بے چینی کے عالم میں پہلو بدلا پھر بولا: "وہ لڑکی کی بیگم آفت۔ یہ بروہماں ہو گئی۔ کہنے کی کہ حیرت بیڑے ہجرم ہو چکا۔ بحرسوں کے سرفند۔ تم نے مجھے کئی بڑا کے اہستہ ہے ہوش کیا، پھر زبردستی اپنی گاڑی میں ڈالا، ہم نے منبرے ساتھ زبردستی کی، جب میں سہم ہے ہوش گئی، ٹکر ہے کہ میں اب ہوش میں آ چکی ہوں، اور تم مجھے کئی دوران تک پر پھینک دیے اور فرار ہو چائے، مجھے جنگل درندے کھا جائے۔ ان لڑکی نے اپنے اوپر باکی مظلومیت خانہ کی کریم نے مسکھف کہا پھر نیشے میں بیٹگی لی، ذب درگم حاتی کا شکار دکھائی دینے لگا۔

"گاڑی فوراً روک لے، ورنہ میں فریضی فیضی نے سامنے پہنچا لو، وہ دنیا چا دوں گی"۔ لڑکی نے دھمکی دی۔ "بادرگوا، نام شواہد نہیں عدالت میں بھجور جا رہا ہے۔ یہ بشر کچھ ہی سے بددور کی کرنے گا۔ میں ان کے نظریات اور اسے چن کر نیشنل ریجن میں پڑ گیا"۔ کریم نے غوغا لگتے ہوئے کہا: "پھر جاہلوں کی طرف بڑھا با تو ہاتھ کی لڑائی پر قابو نہ رکھ سکا۔

"تو گویا تم نے گاڑی روک لی؟" اعظم نے حیرت سے سہمہ رہے ہوئے پوچھا

کی نشانی بھوکے ہیں، نے اسے بتایا کہ یہ انگوٹھی مجھے میری سگیتر نے تفتش وادی تھی اور مجھے یہ بے حد عزیز ہے۔ جو باواہ نصیحت کرتے ہوئے بونی کہ کاش تم اپنی سگیتر سے وفا کرنا بھی سیکھ سکتے۔" کریم نے بیان کیا تو اس کی آنکھوں سے اشک بہ رہے تھے۔

"کمال کی حرافہ لگی۔" ذہیر نے جام غلاغت چڑھانے ہوئے تاسف اور تہج کا اظہار کیا۔ بے قابو آواز کے ساتھ لمبی سی جراسی لی۔ پھر یک دم اس کا مزاج بدل گیا اور اس نے زور زور سے تہج لگایا۔ کچھ اور سے نشا اس پر حاوی دکھنے لگا تھا اسب وہ مسلسل تہج لگا رہا تھا۔ اس کے پینے کی آواز بے حد بھونکنے لگی۔ وہ غصہ کرتے ہوئے رنقاہ کے ہاتھوں پر ہاتھ بھی مار رہا تھا۔ نالہ میں بیکہ من سے باہر بیٹے لگی تھی پھر غلاغت نے اس کے لباس میں سرایت کرنے لگی۔ کریم کو دوست کی حرکات پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ خود بھی منے کے ذریعہ آڑ چکا تھا۔ ذہیر کی انگوٹھی میں تاملن اعتراض پہلو دکھائی دینے لگے تھے جو تمام دوستوں کے لئے باعث ندامت تھے۔ رنقاہ نے معاملہ سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ تو گیا کام ہے۔" میر بولا۔ "تم جنت پہلے تو ابھی خاصی مقدار ڈکرا لیا کرتا تھا، اس بار اسے کیا ہوا؟" اعظم نے بھی اس کی پاں میں پاں طائی، کہا کہ شاید آج اسے بھر پور ولایتی مال مل گیا ہے، پہلے یہ دو سرے برادر بنا کرتا تھا۔" بگڑے کے دوران میر نے جسمانی قوت جمع کی اور بیٹے ہوئے دوست کو ترقی کا کوچ پر شرم دراز کر دیا۔ اور کریم بار بار ایک ہی فقرہ دہرائے جا رہا تھا۔ "کم جنت، گاڑی کے ڈیش بورڈ سے وہ رقم بھی لے ازی جو میں نے ٹیکسری کے توسیعی منصوبوں کے لئے بیگوں سے ادھار لے رکھی تھی۔"

"ہاں، کریم! میں جانتا ہوں تم والد سے مل کر رقم حاصل کرنے کی سر تو ڈکوشش کر رہے تھے۔ تمہیں بہت

سزا دیا ہے لہذا تھا۔ کیا ہوا سراسر ایہ چاہتا تھا؟" میر نے آواز دھونکر پوچھا۔ تاہم ذکی کا جذبہ دوسرے دوسرے دوستوں کے پیروں پر بھی پڑھا جاسکتا تھا۔ "مگر پڑھو اس خط کی تمہاری ذہنیں بورا والی دولت کا اندازہ کیسے دوا؟" میر نے حیرانی میں سوال جڑا کریم کے چہرے پر عکاس ہو چھتاہے کی پڑھا لیا۔ پھر گہری ہوسکیا۔ وہ جواب دینے میں حذب سا ہوا پھر لاپار ہو کر اسے معاملہ آخر پڑا۔

"یارش بہت خوفناکی تھی۔ ایک موقع پر تو مجھے گاڑی سڑک سے ہٹا کر کچھ دھوکے لگائے۔ روکنا پڑی تھی۔ ٹرکی بھی ٹپک جاتی تھی بلکہ رینگ سڑکوں پر مٹی پہاڑی علاقے میں پہنچنے لگا۔ یہ راتے ہی نے دی تھی۔ دوران سفر وہ شناسیت سے میرے ساتھ خوش پیماں بھی کرتی رہتی تھی۔ میں نے گاڑی روکی تو وہ اس نے است لہا لیا شاید نیم دو گون ہو۔ اس نے اپنی ہتھوڑی میں مخصوص خفیہ جگہ سے پیر کی جھینڈی میں نکالی، ہر چند یہ کھنڈ میں خالی ٹرکی۔ وہ ٹرکی مجھے خوفناکیوں کی شہادت دینے لگی تھی۔ اسکی ریت میں سر اور حرافہ نیت کے لئے ازاد دل دیکھتے ہیں حتیٰ کہ ان کی باہر کی باہوں چاشنی سے بھر پور تھی۔ بے ساختہ میر ان پاپا نے ٹرکی کو ڈھیر مارے مخالف عطا کر دوں۔ اتادوں کو دیکھتے ہیٹ ڈور کھے اور رابطہ بھی کرتی۔ ہے اسی مقصد کے لئے میں نے اپنی گاڑی کا منتقل ذہن بورڈ کھولا تھا۔ اتنی خطیہ رقم گاڑی میں پا کر اس ٹرکی کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ اس موقع پر ہمیں میں بے وقوف بنا۔ باحالانکہ وہ ٹرکی سفر کے دوران تو اتار سے اپنے بدل نوں پر ٹیکسٹ کرتی رہی تھی۔ میں غصہ اس کی لٹیوں کی تڑاکتوں میں الجھ رہا تھا۔ کریم نے تاگواری کے عالم میں اعتراض کیا۔ "اس لوٹ باز کے بعد لاس نے نعمت گیر انداز اختیار کیا۔ کہنے لگی کہ تم نے جو رعایت کیا، وہ میر سے تن و تن کی مناسب قیمت نہیں تھی، اس لئے باقی ماندہ دیکھو خود وصول کرنا پڑی۔ اب یہ

پاکستان میں سچے
بنانے کے بانی

SA

ESTD. 1936

ایس ایس ایس



ایس ایس ایس - الیکٹریکل اینڈ سٹریٹریج - کراچی
053 - 3515327, 3535045, 3533478

ہوئے۔ اسے کاتے تو یہاں سے جھٹک لگھوڑا ہوا اور پچھلے مڑا
نہا۔ پھانوس۔ تڑکی کی اسرارہاری تہہ رات پہلی ہوئی۔ اس
تہہ میں نہیں رہیں۔ پچھلے مڑوں کی۔ پوروں۔ اس دوران تو اس
تہہ بیگ میں کھٹکا کر چکی تھی۔ پستوں اور اس پچھلے مڑوں
کی تھی۔ پتے پر دعا شوق کی طرف۔ کھٹکا کہ نہ وہ نامہ لکھ
پڑا تھی ہوئی۔ کہ میں تہہ کے زور پڑا نہ ہو تو تہہ میں
تہہ مزاحمت کرتا کہ کہ نہ ہو کہ تہہ کے عالم میں
کہ۔ پتہ جاری تھی۔

ایک ایک دو سوز تہہ میں کار کے قریب آ کر تہہ
تہہ۔ ان پتہ میں تو وہ ان سوز تہہ جو خاصے تہہ تاکہ دیکھتے
تہہ۔ کھٹکا پچھلے مڑوں کی ایک سوز تہہ میں سوز کے تہہ تاکہ
ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سوز سے کھٹکا ہوئی تہہ دوسری
سوز تہہ میں پتہ سوز ایک تہہ جو ان نے تہہ کی کار کی چوٹی
تہہ سے ایک کی اور تہہ تہہ طلب کرتے ہوئے کہا۔
تہہ ہے کہ آپ کا سوز تہہ سے تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ کہ وہ تہہ جو ان تہہ میں ایسے تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ دوسری تہہ سے فرار ہو گیا۔ میں تہہ اس تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ پر تہہ کہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ میں تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ

تہہ کی زبان میں دیکھتے تھی۔ اس نے دوستوں کی
تہہ میں تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ
تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ تہہ

میں ٹوٹنے لگے تھے۔ نتیجتاً شعور میں ابہام غم لے رہا تھا۔ دو سیر سے مزید شراب مانگ رہا تھا جس نے اسے بتا دیا کہ تمام بوتلیں خالی ہو چکی ہیں۔ اس پر کریم کہے بغیر نہ آیا۔ ان نے ساغر اٹھا کر فرس پر پھینک دیا۔

”تم حواس کی مدد ہوئی میں ذرا سب بچے ہوں۔“ سیر نے اتنے سمجھا دیا۔

اپنا تک کریم نے ہی طرح رونے لگا۔ وہ اپنے نقصان پر جھوٹے انداز میں غمناک رہا تھا۔ اعظم نے یہ دیکھا تو اپنے کرناہنے کی کوشش کرنے لگا۔ ان کی اتنی میدی حرکات پر سیر نے ہی طرح ہنسنے لگا۔ یہ ہنسنے کے ساتھ یہ منظر لطافت اظہار کرتا تھا۔ کریم بے ہودا تھا اور مسلسل لال لولی تک رہا تھا۔ سیر اس کے دل بے پردہ ستور میں رہا تھا۔ جبکہ اعظم اناسیوہا ڈانس کر رہا تھا۔ چند سے نوش ان کے سر پر پہنچ جو گتے، اوکھڑے تانیاں ہیں رہے تھے۔ باہر برکھا منظر اذخیز برس رہی تھی جبکہ اندر ہر طرف ساغر جھلکتے رہے تھے۔

دور کی اور جبکہ کریم کا والد صلی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بیٹے کے پاس ان روز بھاری رقم موجود تھی اور وہ برہمے تک گھر نہیں پہنچا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے کھانا نہیں کھانا تھا۔ ماں کی حالت زہر خراب تھی۔ ماں کا اسباب سے بے نیاز وہ بیٹے کی عاقبت کے لئے دعا میں مانگ رہی تھی اور شیش ماں ہی تھی۔ دونوں کبھی کبھن موسم کو کونے لگنے بہار پادان کی جگہ میں نیم اور دوڑوں کی طرف اٹھ جائیں اور وہ اپنا تخت جگر نہ پا کر ایک دو سیر کے کوالہ نظروں سے دیکھتے گتے۔

”بڑوں کی اس بوچھاڑ میں کہاں جا رہے ہو؟“ کریم کی داد دہنے اپنے بوڑھے خاندان سے دریافت کیا۔

”انکو نہ بیٹا ہے، جوان مگر نا بچہ۔ ظاہر ہے مجھے ہی اب اس کی تلاش میں لگنا پڑے گا۔“ خاندان نے کہا۔ تھوڑی دیر بار کی میں گھورتا۔ ہر مہر مند موسم میں باہر نکل گیا۔



انوار ہاتھ دینی، پورٹ کڈ کا مجموعہ ہونی جبکہ سیری رپورٹ بھی مسخ شدہ خاکوں پر مبنی تھی۔ کریم نے سچ جانی تھی۔

”پولیس کو کوئی نوٹس فراغ ہوا؟“ سیر نے نشوونما بھرے لکھے میں پوچھا۔ وہ بدستور ہی رہا تھا اب کسی قدر زیادہ سناہد پخت۔

”ہاں۔“ کریم نے کہا۔ ”پولیس کو سیری گاڑی کی عینی نشست سے اخذ ایٹل ٹرٹ میں ہنسنے بھرے پاؤں کا کچھا سا ماقا، جو انہیں سیر نے بہان کے بارے میں شکوک میں جھکا کر رہا تھا۔ سب کی دو بوتلیں بھی سیری گاڑی سے نڈام ہوئی تھیں۔ پولیس گواہوں سے آپ سکرینت بھی ماقا جس میں غالباً چوس بھری ہوئی تھی۔ ماہرین اس سکرینت پیمت اگلیوں کے نشاؤں کا تجربہ کرنا چاہتے تھے۔ سکرینت اسی لڑکی کا تھا جو غوراً اسرا سہنیل کر کے چھوڑ رہا گیا تھا۔“ اس نے بتایا اور دلا سے کے گتے دوستوں کی طرف دیکھا۔

”نقصان آپ کے اندازوں سے کیسک نہ پڑوہ ہوا ہے۔ بار لوگوں کی مدد میں باسے نہ بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ سوچنا ہوں والد صاحب دیہ سب کچھ کیسے بناؤں گا؟“ دوڑ تمام احوال جان کر بیٹے جی مر جائیں گے۔ کریم نے نافر یاد دہنے ہونے معاملہ سمجھا دیا۔

اعظم لڑکی کی مکان میں بھاری بھاری گالباں تک رہا تھا۔ اب دو حواس میں بے قابو اور گفتگو میں آپے سے باہر ہو چکا تھا۔

گھر نے سر کر سکی کے اونچے عقی حصے پر نکلا بااوار الم کی کیفیت میں آنکھیں موٹھ لیں۔ تھوڑی دیر میں اس کی چٹکیں بھاری دکنے لگیں۔ اس نے سیر کو مخاطب کہا تو اسے خود اپنی آواز اجنبی سنائی دی اور بائیں بے رجا جھانسی دین۔ واقعات اس کے ذہن میں منسک ہو چکے تھے۔ ۱۰۰ چھ کے کچھ حصے بھول چکا تھا۔ ان کے خیالوں میں شش کے

اس بد قسمت قوم کو آج تک نہیں معلوم کہ پاکستان کو دولت کرنے کا اصل ذمہ دار کون تھا؟ قوم کی بد قسمتی ملاحظہ فرمائیں کہ ملکی سالمیت پر جانیں قربان کرنے والے 'قروپوں کا چادرہ' کہلانے اور سالمیت توڑنے والے شہید بن گئے۔

مغرب سکندری



تیلان کا تعلق

تیلان حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے

☆..... balochsk@yahoo.com سکندری خان بلوچی

بگردار تھے جہاڑی تاریخ کا سیاہ باب رقم کرنے کے ذمہ دار تھے۔ یہ اسانا بڑا باندھنا جیسے نہ تو نفع انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ فراموشی اس وقت کی حکومت کا یہ فرض تھا کہ اس واقعے کی غیر جانبدارانہ افوازی ہوئی۔ واقعہ کی منہ تک پہنچا جاتا اور اس واقعہ کے پس پردہ گنڈاؤ کھیل کھیلنے والے کرداروں کو بھرپور تاک شدہ دی جاتی تاکہ آئندہ کسی کو تک و فوم کی قسمت سے کھیلنے کی جرأت نہ ہوگی لیکن یہ قسمتی سے ابہا کچھ نہ ہوا۔ ایک برائے نام سی انکوائری ضرور ہوئی لیکن اس کا مقصد اہم کرداروں کو محفوظ بنا لینا نہ کرنا اصل سازشوں کو بے نقاب کرنا۔

اس سانحے کے نتیجے میں ہماری تاریخ کے منازعہ رہنما جناب ذوالفقار علی بھٹو انداز میں آئے۔ ذوالفقار کت چکا تھا۔ فوج ذلت آمیز طریقے سے اپنے ذوق دشمن بھارت سے شکست کھا کر ہتھیار ڈال چکی تھی یا سازش سے

2014ء کے حکایت میں سندرجہ بالا عنوان پر جنرل امیر عبداللہ خان نیوانی کا مضمون نقر سے گزرا۔ حقائق سے پردہ اٹھا ۱۴۲ از می معلوم ہوتا ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

کہنے میں مستعمل کی جڑیں ہمیشہ ماضی میں ہوتی ہیں اور جو قوم اپنے ماضی سے نہیں کبھی وہ مستقبل کی تعمیر بھی نہیں کر سکتی۔ آج ہمیں ایک دفعہ پھر 1971ء والے حالات کا سامنا ہے۔ آئیں نظر ڈالتے ہیں کہ ہم نے اس سانحے سے کیا سیکھا؟

سانحہ مشرقی پاکستان ہماری تاریخ کا بھیا تکہ مزیں واقعہ تھا اور جب تک ہماری تاریخ زردور ہے گی۔ واقعہ ایک ذرا ڈانے خواب کی طرح ہمارے سامنے رہے گا۔ ہر واقعے کے پیچھے کچھ کراہ ہوتے ہیں جو اس واقعے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس واقعے کے بھی کچھ

ہی تھے جن کے رویے نے نیکی خان نوے کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کیا اور بناب بھٹو صاحب اقتدار میں آئے۔ فوج کے ساتھ ساتھ عوام بھی بہت زیادہ مشتعل تھے اور اس سانحہ کے اصل حقائق جاننے کے لئے بیقرار تھے۔ پوری قوم اور خصوصاً فوج کے نوجوان آفسرز حالات کی غیر جانبدارانہ انکوائری چاہتے تھے۔ جب انکوائری کے لئے عوام کا ہڈ بڑھا تو جناب بھٹو صاحب نے 26 دسمبر 1971ء کو ایک کمیشن قائم کیا جس کی صدارت پاکستان کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب حمود الرحمن ہو سکتی تھی۔ ان کے ساتھ بھٹان کے صدر پر چاروں صوبوں سے چیف جسٹس صاحبان تاجر دے تھے۔ فوجی معاملات کے لئے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل الطاف قادر مقرر ہوئے اور ان کی مدد کیلئے تینوں افواج کے نمائندے تھے۔ ایئر فورس کی طرف سے ایئر کموڈور تھریسٹر محمد فوج کی طرف سے کرنل سابر حسین قریبی اور نوکی کی طرف سے کمیشنر ولی اللہ مقرر ہوئے۔

پیشن واقفیت دینی گیا کہ وہ ان حالات کا جائزہ لے جن کے تحت "شرقی پاکستان میں فوج نے ہتھیار ڈالے اور مغربی پاکستان کی سرحد پر بھارتی دوزیر اعظم نے یکطرفہ جنگ بندی کا عمل اختیار کیا۔ لیکن اس بات کا کہیں ذکر نہ کیا گیا کہ مشرقی پاکستان کے باؤ فریڈگی کے اسباب کیا تھے اور اس سانحہ میں سیاسی لوگوں کا کیا کردار تھا؟ وہی اصل مسئلہ تھا جسے خوبصورتی یا چالاک سے نظر انداز کر دیا گیا بلکہ دوسری کی توجیہ نہ جانے دی گئی۔ سیاستدانوں کا گھناؤنا کھیل ہی تو فوجی کارروائی اور بعد میں جنگ کا موجب بنا۔ فوج سے ہتھیار ڈالوانے کی کارروائی کے پس پردہ بھی سیاسی عزائم تھے جنہیں مناظر انداز سے چھپایا گیا۔ کمیشن نے اپنے کام کا آغاز یکم جنوری 1972ء کو کیا۔ حکومت کی طرف سے پاکستان کے انارنی جنرل مسز نیکی بھٹنارو ان کی مدد سے

تھی رٹو لوائے گئے تھے۔ قوم سخت اپوزیٹ کا شکار تھی۔ بھٹو فلسفیانہ شخصیت کے افسان تھے۔ ان سے ہوا طور پر یہ امید تھی کہ وہ قوم کو اس اپوزیٹ کی دلدل سے نکال لیں گے جو انہوں نے کیا لیکن بد قسمتی یہ تھی کہ بھٹو بذات خود اس سانحہ کے اہم کردار تھے۔ اگر اس وقت کے قومی اور بین الاقوامی تجزیوں پر نظر ڈالی جائے تو بھٹو کا یہ کردار زیادہ مثبت نظر نہیں آتا۔ یہاں یہ یاد رہنا چاہیے کہ تمام بنگالیوں اور بہت سے مغربی پاکستانوں کی نظر میں یہ بھٹو ہی تھے جنہوں نے شیخ مجیب الرحمن کو اقتدار نہ دینے دیا کیونکہ ایسی حالت میں انہیں اپوزیشن میں بیٹھا پڑنا تھا اور یہ کردار انہیں قطعاً منظور نہ تھا۔ یہ بھٹو صاحب ہی تھے جنہوں نے اس وقت فخر و لگاؤ تھا "ادھر تم اب دھر تم۔ آحا کا کہانی" جانے والوں کی ناگھیں توڑ دی جا سکتی" وغیرہ۔ یہ بھٹو صاحب ہی تھے جن کے بیانات کی وجہ سے اسمبلی اجلاس ملتوی ہوا۔

بنگالیوں کی نظر میں یہ سراسر غیر جمہوری رویہ تھا جو بالآخر طبعی گدی کا موجب بنا۔ بنگالیوں کا یہ بھی اعتراض تھا کہ حکومت پاکستان غیر جمہوری انداز میں بھٹو صاحب کی امداد کرنے پر تھی اور بھٹو صاحب انہیں حق سے محروم کرنے پر تھے۔ جس روز یہ اجلاس ختمی ہوا مشرقی پاکستان کے تقریباً تمام اخباروں نے اسی موضوع پر اپنے ادارے لکھے جن کا لب لباب یہی تھا کہ "بھٹو بھی بھی اقتدار مشرقی پاکستان نہیں آئے وہ گھا" اس احساس محرومیت کو مزید شدت "را" کے ایکٹوں نے دی۔

مستوطن و حاکم اتنا بڑا۔ مانو تھا کہ قوم ساز شیوں کے سراہی تھی۔ مغربی پاکستان میں فوجی افسران نے نیکی خان اور اس کے نوے کو نہ صرف دیکھتے سے انکار کر دیا بلکہ انہیں حکم کھا اٹھا اور رد کیا۔ کہ سینیٹر افسران نے حکومتی حکامات ماننے سے بھی انکار کیا۔ فوج کے اندر بھارت کی ہی۔۔۔ حال پیدا ہو گئی۔۔۔ اس وقت کے فوجی افسران

مفاد کا حصول تھا یہ پچھ لوگوں سے برائے نہ پڑتی تھی۔ عوام چونکہ اس وقت بہت زیادہ مشتعل تھے۔ غداروں کا سر ہانکتے تھے۔ لہذا اس انکوائری کا پیمانہ عوام کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنا تھا۔ اس کا دوسرا مقصد اس ماسے کا قاتل سزاوار مفاد پر لگا کر اسے ماسے سے بے وقت کرنا تھا کہ وہ جھٹو صاحب کے ماسے پر نہ اٹھا سکے۔ اس لئے تمام انعام فوجی جرنیلوں کے سر قھوپ دیا گیا اور پچھ کو غدار کا لقب دے کر عوام کے فیض و غضب کا نشان بنایا گیا تاکہ یہ لوگ جھٹو صاحب کے کردار کے مشتعل کچھ نہ سمجھ سکیں۔ بہت سوچا کچھ کر جنرل یحییٰ خان کو تمام سیاسی ناکامیوں کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور جنرل نیازی کو فوجی ناکامیوں کا۔ یاد رہے کہ ان دونوں انصاف کے تقاضے پورے کئے بغیر قربانی کے بڑے ہٹاے گئے۔ رفیق سینئر فوجی آفیسر نے بہت باہمی سے کہا تھا۔ جھٹو صاحب جو پچھ 1965 میں حاصل نہ کر سکے وہ انہوں نے 1971 میں حاصل کر لیا۔ یہ انکوائری شخص رفیق چٹمپوشی تھی کیونکہ ان کی ایک قسم تھی۔

نور الرحمن کمیشن کی پہلی خانی یہ تھی کہ کمیشن کی صدارت اس وقت کے چیف جسٹس جناب محمود الرحمن کو سونپی گئی جو ایک بڑگانے تھا۔ گو وہ ایک شریف آدمی تھا لیکن اس کے سر پر رشتہ دار سب مشرقی پاکستان میں تھے۔ وہاں جو کچھ ہوا وہ ان کے سب سے بڑے بھائی نہیں رو سکتا تھا۔ تمام بنگالیوں کی نظر میں پاکستانی فوج ظالم ہے، ہم تمام قس و خصلت اور خواتین کی سہرا سہرا کی ذمہ دار تھی۔ اس لیے اسے خاص نشاندہ جنرل نیازی اور جنرل یحییٰ تھے۔ اس لئے نور الرحمن صاحب کی ذاتی شرافت اور ایمانداری ایک طرف، ان کا فوج کے لئے غیر جانبدار رہنا ممکن نہ تھا۔ پھر مہرج صاحبان کا یہ پھٹل وہاں کے سیاسی اور فوجی حالات سے بھی باخبر نہیں تھا اور نہ ہی ان میں دنیا کے سیاسی اور ملکی حالات کا تجربہ کرنے کی صلاحیت تھی۔

لئے رفیق رت صاحب مقرر ہوئے۔ سیشن نے کل تقریباً 300 گواہان کے بیانات رقم بند کئے جن میں تینوں انوار سے ناصر سردی اور رعنا زو حضرات شامل تھے۔ ان دونوں کے بیانات بھی لئے گئے جو مشرقی پاکستان سے کسی نہ کسی طرح واپس آئے تھے۔

اس انکوائری کے سب سے بڑے کردار یحییٰ خان اور ان کے ساتھی گھروں میں نظر بند کر دیئے گئے اور مشرقی پاکستان کے تمام کرور اور بھارت جنرل نیازی بھارت کی قید میں تھے۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان میں موجود لوگوں کے بیانات لے کر انکوائری مکمل کی جائے اور جنرل قیدیوں کے آنے پر اس انکوائری کا دوسرا حصہ مکمل کیا جائے۔ جب انکوائری مکمل ہوئی تو میں کے پانچ حصے تھے۔ پہلے حصے میں تو وہ حالات تھے جن کی وجہ سے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ دوسرے حصے میں 1947ء سے لے کر 1971ء تک پاکستان کا سرسری سیاسی پس منظر تھا لیکن سیاسی کرداروں کی مختصر ذیلی سازشوں کو بحث میں شامل نہ کیا گیا۔ تیسرے حصے میں پاکستان کے حوالے سے بین الاقوامی سیاسی حالات پر روشنی ڈالی گئی۔ چوتھے حصے میں فوجی حالات زیر بحث لائے گئے۔ آخری اور پانچویں حصے میں انکوائری کے نتائج اور سفارشات دی گئیں۔ جنرل قیدیوں کی واپسی کے بعد مارچ 1974ء میں دوبارہ انکوائری شروع ہوئی۔

بھارت سے واپس آنے والے سول اور فوجی افسران کے بیانات لکھنے کے لئے۔ اس میں لیفٹیننٹ جنرل سیر عبداللہ خان نیازی اور میجر جنرل راجو فرانسس علی خان سے بہت تفصیل میں دہرا یو کیا گیا۔ جنرل نیازی پر 15 الزامات عائد کئے گئے اور باقی سینئر افسران پر ان کی کارکردگی کے مطابق الزامات کی تعداد کم تھی۔

اس وقت کی عام رائے کے مطابق اس انکوائری کی بنیاد ایک نئی قومی مفاد پرستی تھی بلکہ اس کے مقاصد ذاتی

ہائی۔ یہی کام بھٹو صاحب کے وکیل جناب یحییٰ مختیار نے کیا۔ مثلاً یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں کو گھر میں نظر بند رکھا گیا۔ جناب بھٹو نے ان تمام حضرات پر بہت زیادہ دباؤ رکھا۔ انہیں بتایا گیا کہ اگر انہوں نے بھٹو صاحب کے خلاف کوئی بیان دیا تو وہ انہیں عوام کے حوالے کر دیں گے جو ان کی ننگ بوٹی کر دیں گے۔ یحییٰ خان اور بانی حضرات نے بہت ڈر ڈر کر بیان دیکھا کہ وہ اپنے وکیل بھی جہاں تکیں بھٹو صاحب کے خلاف ذرہ برابر بھی بات ہوئی یحییٰ مختیار نے کواوی۔ یحییٰ خان کو اپنے دفاع کی اجازت بھی نہ دی گئی۔ اس نے بار بار کھیلے مقدمے کا مطالبہ کیا لیکن اسے نہ کہا گیا۔ یہی تمام جہازیں نہازی کے ساتھ بھی ہوا۔ اسے جیل میں بند کر دیا گیا۔ اس نے بھی اپنے لئے کورٹ مارشل کی استدعا کی لیکن قبول نہ ہوئی۔ ان لوگوں کو گواہوں پر جرم ثابت ہو گیا۔ ان اجازت بھی نہ تھی۔ جناب بھٹو نے ان پر جرم ثابت کیا اور ان کے ساتھ تمام الزام ان کے سر چھوڑ دیا۔ وہ تمام سبب باہر عوام کا رخ ان کی طرف سوز دیا۔ یہ قانونی حکمرانی نہیں بلکہ نازی میں گئی کہ مجرم فوجی خصم صاحب دو جہازیں۔ فوج کی دل بھر کر تو جہاز کی گئی اور بھٹو صاحب پاکستان کے نجات دہندہ اور بہرو ہیں کہ اجرے۔ معلوم نہیں کیوں بھٹو صاحب فوج کی نوجہاز کے خوش ہونے تھے۔ ملک کے صدور ہونے کے باوجود چیف مارشل لا ایجنسز نہیں کرنا یا میں فوجی جمہوریت کی واحد مثال قائم کی۔ پھر دھا کا میں ہتھیار ڈالنے والی فلم خصوصی طور پر مستعدی اوڈی وی پر چلوئی۔

یہ عجیب انصاف تھا کہ ساتھیوں کو تو شروع سے اس انکوائری میں شامل ہی نہیں کیا گیا۔ اس کے ساتھ بہت سے مجرم جرنیلوں کو بھی نہ صرف بخشا گیا بلکہ نواز دیا گیا۔ شہرٹی پاکستان میں سرسرا کرنے والے کچھ افسران پر کٹف نویسٹ کے جرائم کا الزام رکھا گیا۔ جن فوجیوں نے جرائم کی انکوائری ہوئی اور جرم کے مطابق انہیں سزا دی

ان کی دوسری خامی یہ تھی کہ فوجی معاملات کیلئے ایچ ایچ اینٹن جنرل الطاف قادر اور ان کے ساتھ تینوں سردسز کے نمائندے کرل اور برگڈر رنک کے لوگ تھے۔ جنرل الطاف قادر ایک اوسط درجے کا افسر مقرر کیا گیا تھا۔ در کوئی اتنا بڑا عسکری تجربہ نگار نہیں تھا۔ کچھ حوالوں کے مطابق وہ خود اور اس کے پچانو کام کرنے والے فوجی کمانڈر میں سے کسی نے شہرٹی پاکستان میں سردسز نہیں کی تھی۔ کمیشن کا انکوائری کے لئے تجزیے اور رائے کا تمام دار و مدار ان لوگوں کی زانی سوچ پر منحصر تھا اور بہت سے لوگوں کے خیال میں ان کی رائے زیادہ قابل اطمینان تھی۔ اس پر مزید بدبینی یہ کہ جنرل الطاف قادر کا یحییٰ خان سے ذاتی عداوت تھی جس سے محترم بھٹو صاحب فوجی واقف تھے۔ اس لئے اس شخص نے یحییٰ خان اور بانی فوج کو دل کھول کر دیکھا۔ ان لوگوں کا نام بہت سوچ کچھ کر کمیشن میں لایا گیا تھا جس کا حتمی فیصلہ دیا کہ جناب بھٹو صاحب کو ہوا۔

اس انکوائری کے نمبر ہی بڑی خامی ان کا وارڈ اختیار تھا جو کھٹل شہرٹی پاکستان میں فوج کے ہتھیار ڈالنے تک محدود تھا۔ یہ طرف بھی بہت سوچ سمجھ کر دیا گیا۔ ان طرف کے پیش نظر سیاسی پارٹیوں اور سیاستدانوں کا کردار زیر بحث نہیں لایا جاسکتا تھا جبکہ اصل مسئلہ ہی وہی تھا۔ اس طرح بھٹو صاحب نے اپنی ذات سمیت اپنے تمام سیاسی ساتھیوں کو تمام الزامات سے بری کر لیا۔ اس لئے کسی سیاسی پارٹی یا سیاسی لیڈر کو کوئی الزام نہ لگا۔

انکوائری کی کارروائی بھی غیر جانبدار تھی کیونکہ کمیشن میں خلاف قانون بھٹو صاحب نے اپنا ایک نمائندہ بھرا رکھا تھا جو تمام کارروائی کی شام کو بھٹو صاحب کو رپورٹ پیش کرتا۔ اس نمائندے کے کام تھا کہ تمام گواہان کو رپورٹیں رکھے تاکہ کوئی گواہ بھٹو صاحب کے خلاف بات نہ کرے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تھی تو فوراً کواوی

تجیر معدہ کے مایوس مریض متوجہ ہوں
مفید ادویات کا خوش ذائقہ مرکب

ریمینال شربت

تجیر معدہ اور اس سے پیدا شدہ عوارضات
مثلاً: انگی قبض، الجھ، بہت، سینے کی جلن، خنبد کا
ذائقہ، کثرت، وج، سرس کا پھولنا، نیز اسیت
معدہ، جگر کی خرابی اور معدہ کی گیس سے پیدا
ہونے والے امراض کے لیے مفید ہے۔

اسے قریبی دوفروش سے طلب فرمائیں

نوٹ

تجیر معدہ: دو گیارہ دن کے طبی مشورے کے لئے

ممتاز مرطب

سے رابطہ فرمائیں

ممتاز دواخانہ (رجسٹرڈ) میانوالی

فون: 233817-234816

جائی با اعزاز بری کیا جاتا لیکن نہ جانے کیوں سزا کی
ہوائے وہ سب نوازے گئے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ
شعوری با غیر شعوری طور پر شرفی پاکستان کی عہدگی میں
کردار ادا کرنے والے حضرات حکومت کی پسندیدہ
مخضبات ٹھہرے۔ مثلاً جنرل رحیم خان پر شرفی پاکستان
کے میدان جنگ سے بھاگ آنے کا الزام تھا۔ آتے وقت
انہیں ہی ایم ایچ کی نرسز اور لہڈنی ڈاکٹرز کو ذیلی کا پتہ میں
ساتھ لانا تھا لیکن الزام کے مطابق انہوں نے ان خواہش
کے آنے کا اظہار نہ کیا اور ذیلی کا پتہ لے کر برما چلا گیا۔
اسے یہاں چیف آف جنرل سٹاف بنا دیا گیا اور بعد میں
ڈیفنس سیکرٹری۔ لیفٹیننٹ جنرل صاحبزادہ یعقوب خان
شرفی پاکستان میں ناکام ہوا۔ اسے وہاں سے بھا کر کئی
حکومت نے سیکر جنرل بنا دیا تھا۔ اس کے خلاف کورٹ
مارشل کا سوچا جا رہا تھا لیکن جیٹو صاحب نے اسے دوبارہ
لیفٹیننٹ جنرل بنا کر اعلیٰ عہدہ وقت سے نواز دیا۔ گھڈڑ
اور باب جہانزیب پر بیٹنگ لوانے کا الزام تھا وہ یہاں
لیفٹیننٹ جنرل بنا دیا گیا اور بعد میں سیکر جنرل راج
فرمان علی شرفی پاکستان میں مارشل لا اور سیاسی سٹیل کا
انہماج تھا۔ بنگالیوں کی نظر میں سیاسی ناکامی اور بنگالی
دانشوروں کے قتل کا وہ ذمہ دار تھا بلکہ ایک الزام یہ بھی تھا
کہ جنگ کے آخری دنوں میں وہ بھارتی فوج سے رابطے
میں تھا اور "سرپنڈر" والے معاہدے کا اہم کردار تھا۔ وہ بھی
یہاں پہنچ کر نوازا گیا۔ اسے فوجی فائرنگ میں کاؤز کینٹر
بنا دیا گیا۔ جنرل گل حسن کو کئی نولے کا اہم ممبر تھا کو آرن
چیف بنا دیا گیا۔ جنرل نکا خان جیسے بنگالی اور بین الاقوامی
میڈیا نے "تصانی" کا لقب دیا تھا کئی پہلے آری چیف اور
بعد میں ڈیفنس سیکرٹری۔ تو یہ بھی انکو ازلی اور یہ تھا
انصاف۔ کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوئی صرف کئی
خان اور جنرل نزاری قریانی کے ٹکرے بنے۔ شاہد ہوانے
نہرم نہ سنے بیٹنے کچھ اور لوگ تھے جو نوازے گئے۔ ٹک

روٹ گیا لیکن بھر سہی وہی مجھے یاد آئے تھے۔

قومی پانڈن سننے دفاع میں بہت جرأت اور بہادری سے
نڑی۔ شاندار جنگی تاریخ رقم کی۔ ایسے لوگوں کی عزت و
تکر کے پاکستانی قوم اپنی بے پناہی کی مرتب ہوئی۔

ایسے نظر آتا ہے کہ شہرلی پاکستانی فوج کے کاغذ و جزیل
نیازی اور اسکے ADC کو ہی تاسر تا کاکی کا ذمہ دار ٹھہرایا
گیا۔ اسے نہ بروتی ڈس کیا گیا اور اس کی پشمن بند کر کے

اس کے ساتھ بہت نہ انصافی کی گئی۔ اس نے کورٹ
مارشل کا خطاب کیا تاکہ وہ اپنے خلاف کارروائی کا دفاع
کر سکے لیکن اس کے جائز مطالبے کو ظالمانہ طریقے سے رد

کر کے اسے بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا
جو کہ سراسر دھاندلی اور غیر ظالمانہ کارروائی تھی جبکہ

حقیقت یہ ہے کہ جزیل نیازی دوسری جنگ عظیم کا ایک
بہت ہی Decored سونجر تھا۔ اس کا ذاتی کردار اپنی

بلد لیکن بطور سونجر۔ بطور کمانڈر اور بطور سب وطن پاکستانی
ان خندہ بشرتی پاکستان پیچھے کے چند ہفتوں کے اندر ہی

تھی پائی کو ملکی سرحدوں سے باہر دھکی دیا اور پورے
شرقی پاکستان میں حکومتی رت بحال کر دی جبکہ کچھ مشہور

جرنیل ناکام ہو چکے تھے۔ اس سے اگلا کام حکومت کی
صرف سے سیاہی کارروائی تھی جو حکومت نے جان بوجھ کر

یا کچھ خاص وجوہات کی وجہ سے شروع ہی نہ کی۔ سیاسی
میسٹکے کا حل جنگ قطعاً نہ تھی۔ یہ سیاستدانوں کی نااہلی تھی

کہ میسٹکے کا سیاسی حل تلاش کرنے کی بجائے ملک پر جنگ
تھوپ دی گئی جس کی جزیل نیازی یا مشرقی پاکستان میں

لانے والی فوج قطعاً ذمہ دار تھی۔
اس بد قسمت قوم کو آج تک نہیں معلوم کہ پاکستان
نود وقت کرنے کا اصل ذمہ دار کون تھا؟ قوم کی بد قسمتی
ملاحظہ فرمائیں کہ ملکی سالمیت پر جانیں قربان کرنے والے
”قوتوں کا چارہ“ کھلائے اور سالمیت توڑنے والے شبہیہ
ہیں گئے۔

بھٹو صاحب کی تمام تر اہمیت کے باوجود میٹشن نے
نیک باب: بناب بھٹو پر بھی شان کیا جس میں اس دور نے

بہادرات کے مطابق اس کے اصل جرم کی مکمل طور
پر پردہ پوشی کی گئی۔ اس کے باوجود بھٹو صاحب اس

تہماتوں سے اسے خوفزدہ ہوئے کہ انہوں نے اسے اپنے
پاؤں چھوڑ دیا۔ اسی جی ٹی ٹی کے سوائے ایکہ کاپی کے

باقی تمام کا پیمان تیار کر دیا گیا۔ یہ انکو ازکی نہیں شائع
وئی اور نہ ہی عوام کے سامنے آئی۔ یہ سراسر بھارتی

سیڈیا سے ہے۔ بھٹو ازکی شائع کی اور پاکستانوں کو بھی اس
خواتر کی تفصیل بھارتی میڈیا سے ملی۔ 1977 میں

ذیب مارشل لاء کا تو اس خواتر کی ایک کاپی بھٹو صاحب
نے ذاتی بندہ سے ملی۔ اس میں 24 صفحات جن کا تعلق

بھٹو صاحب کے متعلق تھا بدلتے ہوئے تھے اور مطالبہ
ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا۔

مشہور بھارتی صحافی شریلا بوس آکسفورڈ یونیورسٹی
میں سینئر ریسرچ سکالر ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر

بہت زیادہ تحقیق کی ہے۔ ان کی یہ تحقیق کتابی صورت میں
Dead Reckoning: Memories of the

1971 Bangladesh War کے نام سے
2011 میں منظر عام پر آئی ہے۔ شریلا بوس کے مطابق

”یہ انکو ازکی میٹشن اختیارات اور Terms of
Reference کے لحاظ سے مکمل اور بہت محدود تھا نہ
ہی اس کی کوئی بین الاقوامی کریمینٹی تھی۔ حتیٰ کہ اس کیس
کا کھلا پبلک ٹرائل اور کورٹ مارشل جیمیں۔ غارشات کو بھی
نظر انداز کر دیا گیا۔ اس کمیشن کے ذریعے عوام کو بے
ظرف بتایا گیا۔ یہ بائیں نلا تھا کہ بغیر سوچے گئے تمام
اقرامات مشرقی پاکستان میں نئے دن فوج اور خصوصاً
جزیل نیازی پر لگا دیے گئے۔ فوج کو جان بوجھ کر بدنام کیا
گیا تاکہ یہ فوج سخت مخالف حالات کے وجود میں

سنگ سائپ اور سپیرن

یہ سارا اس سپیرن لڑکی کے ٹکسن کا تو تھا۔ جس نے زندگی بھر
پھر بھی اس طرح کا نہ سراؤ ٹکسن نہیں دیکھا۔ نہ وہ اتنی حسین
ہوتی نہ میراڈا کو اس پر عاشق ہوتا اور نہ یہ الٹا کہ واقعہ ختم ہوتا۔

محمد زبیر ظفر



خاطر میں نہیں لاسا اور بعض اوقات بے فونی کی حد تک
اصیاب کا دامن باندھ سے جھوڑا رہتا ہے۔ اس کی اکثر
سوچیں اورنگ کی بجائے دل کے تابع ہوتی ہیں۔ یہ
نمایاں جذباتی اور ہوتا ہے۔

طینی باسلامی کے ننھے سے شعل کی روشنی میں ہم
نے دیکھا کہ کھوکھ کے عین وسط میں ایک بہت بڑا سانپ
بچن پھیلانے پھنکار رہا تھا۔ سانپ کی اہستہ سی اس
قدر ہوتی ہے کہ لامحالہ ہم انہوں ٹھٹک کر رہ گئے۔ رونی
کے ہاتھ میں چلتی ہوئی باسلامی حمل جلتے پر اسے چھینکا
بڑی۔ پھنکار کی آواز برائے آگے چلی جا رہی تھی۔ ہمیں
یوں لگا کہ کھوکھ میں سانپ کے علاوہ بھی کوئی اور موجود
ہے۔ رونی نے فوراً امرنی اور اسلامی حالی۔ ہم نے دیکھا
کہ اب نی بار کھوکھ کا اندرونی منظر بدلا ہوا ہے۔ کھوکھ کے
اندروں سامنے وہی دیوار کے ساتھ ایک آبی اور نور جان
لڑائی جھڑپے میں لڑ رہی تھی۔ سانپ ان کے قدموں میں کڈلی
ماوتے جھٹانے اور ان کی سوسوں کی آواز بھی اب بند
ہو چکی ہے۔ کھوکھ میں اب کھٹل سکوت تھا۔ رونی
ربا سلامی بھی بچھ گئی اور اندر پھر پہلے والی ٹھپ اندھیرا
چھا گیا۔

"الذہا، جنگل کے اس برساتی موسم میں ماہی ملی
تیلہاں مت منافع کرنا" اس اٹھا میں اندر سے سر راند
آواز گونجی۔ "ماہی مجھے اسے داتا کتاگ جلانے کا کچھ
بندوبست کرا جا سکے"۔

چونکہ اس کے اور ہمارے درمیان سانپ حائل تھا
اور اندھیرے میں ہم نے قدم آگے بڑھانے بغیر
انداز سے اس طرف ماہی اچھال دی جس طرف ہم
انہیں جھنڈے ہوئے دکھ تھے تھے۔ وہیں عین اس کے اوپر
جا گری جوہں نے اٹھائی اور ٹھوڑی سی اور میں اس شخص
نے ٹکوں کی ایک چھوٹی سی امیری آگ لگا دی جس
کے آواز کی روشنی میں کھوکھ کا اندرونی منظر زیادہ روشن

(تحصیل چڑا سین شہد) کے پیازی
گندھالہ جنگل کے اوپر باہل اس زور سے گر جا کہ
خاشوں بھی سہم گئی، پیاز لڑا اٹھا کالی گھٹائیں گھڑائیں،
ہر شام اندھیرا چھا گیا اور کچھ ہی اور میں سوسلا اٹھا رہنے
برسنے لگا۔ ننگوں پیازوں پر مشتمل گندھالہ کا جنگل جو کہ
سناٹا اور پھلاسی کے رشتوں کا مجموعہ تھا، تیز دھار بارش سے
نہا گیا۔ سونے کی اوروں پھی۔

گوکہ ہم دونوں روپوں روپوں اور شہن نے گھراں
میں جلانے والی ٹھٹک لکڑیاں اٹھائی کر کے اپنی اپنی
گدھیوں پر لانے کا کام مکمل کر لیا تھا اور گھراں کھرا اپنی
کی اچھی پیشگی رونی پکڑی تھی کہ سوسلا سربا کی بارش ہم
سے پست تھی۔ ایسے میں سفر جاری، گھٹانہ صرف ٹھٹک لکڑی
تھا مکن تھا۔

ہمیں فریب کے پہاڑ میں ایک کھوکھ لکھائی پڑ گئی۔
ہم گدھیوں کی رساں پکڑے اس کھوکھ کی جانب ہو گئے
تاکہ بارش سے بچا جاسکے۔ کھوکھ کے بانے پر جا کر اندر
جھانکا تو وہ اندر سے کافی کھلی معلوم ہوئی۔ البتہ اس کے
اندر بہت اندھیرا تھا۔ خوش قسمتی سے ہمارے دونوں والے
رواں میں ماہی موجود تھی۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی
سکرین نہیں پتا تھا لیکن پھر بھی ایک ماہی ہم ضرور
ساتھ رکھنے تھے۔ ماہی اور کچھ ماہی پھرنی بھی رہاں
رہنے نے پہلے ہی اپنے پاس سنہال لی تھیں۔ اس نے
کھوکھ کے بانے پر کھڑے ہو کر اور اسلامی سلگائی تاکہ کھوکھ
کے اندرونی ماحول کی جانکاری حاصل کی جاسکے۔

ابھر جیٹا ربا سلامی میں سے آگ کا شعلہ پکا کھوکھ
کے اندر سے "سوسوں" کی آواز نے ہمارے قدم
روک لئے۔ ہم کسی بھی آنے والے ممکن خطرے سے سیننے
کے لئے جتنی طور پر تیار ہو گئے۔ یہ ہماری نوجوانی کا اور
نہا نوجوانی میں ایسے بھی طبیعت ہر ہم جونی کی جانب
نہ رہتی ہے اور انہوں چھوٹے چھوٹے خطرہوں کو

میں کوئی اونٹنی ہوتی تھی جس نے بیان نہ بھرا پتا ہو سکتا تھا۔

گڑباز جل اٹھی نہیں اور ان کی آگے کھڑکی ٹھنڈی نفا کو حرارت پہنچا رہی تھی۔ ہم رہنوں بھی مزید آگے بڑھ کر بغیر سانپ سے نہ رہے جو جسے کے فریب ہو کر آگ ہانپنے لگے۔ یہ بولہا وہاں پہلے کا بنا دکھائی دیتا تھا۔ باہر بادشہ مبارک بھی تھا۔ جو اس سال آرمی نے ہمیں کہنا کہ تمہاری گدھیوں پر گڑبازوں کا بوجھ لدا ہوا ہے اور گدھیوں بھی بارش میں بھجک رہی ہیں تمہارا لڑو کہ ان کا بوجھ اتار کر انہیں اس کھوکھ کے وہانے میں ڈالنا اور ان کے کھڑا کر دو تاکہ وہ بھی بارش سے محفوظ ہو جائیں۔ یہ بارش نورات بھر چھینے والی نہیں ہے۔

معاہدے میں گدھیوں کا بوجھ نہیں ہم برسی بارش میں ان کے بوجھ سب سے بڑھ کر ہٹا دیا۔ ہم اٹھے وہ کھوکھ سے باہر نکلیں گے کہ گدھیوں کے پانے اور ان کے بوجھ کو اٹھانے اور انہیں بچھڑانے کے لئے اندر کر کے چھوڑ دیا۔ ہاتھ دیکھا بھڑکی (بھکی بارش) نواز جاتی تھی اور انہیں کھلی طور پر اتار دیا۔ جس میں جھڑکی اور ہٹا دیا۔ یہ نہایت خباثی سے برسی ہے۔ اب ہاتھ گرج رہے تھے یہ بھکی چھک رہی تھی، جنگل خاموش تھا اور ہر طرف جوں کا عالم تھا، ہاتھ کو ہاتھ بھٹانے نہ رہتا تھا۔ درخت ہتھوں کی مانند کھڑک رہے تھے، ہر طرف تاریکی کا راج تھا، سروں بھی خوب تھی۔

ہم نے اندر آ کر اس آرمی سے پوچھا کہ آپ نے اپنے بارے میں کیا بتایا نہیں کہ آپ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جاتا ہے؟ ہم نے اپنا حریف گراہا کہ ہم دونوں مشن ہائی سکول میں ہنرک میں پڑھنے ہیں، دونوں درست ہیں اور ہماری آپس میں رشتہ داری بھی ہے۔

”پہننے کچھ کھانے کا انتظام کر لیں پھر میں بھی

کہا۔ اس نے اندر کر جلدی سے پاس پڑی ہوئی ادھ بلی لکڑیوں کی ٹھرنی سے چند چھوٹے ساڑھی لکڑیاں نکالیں اور خشک گھاس کی مدد سے انہیں آگ لگا دی۔

”اندرا جاؤ۔“ ان نے ہمیں کہا۔ ”سانپ سے نہ ڈریں اور یہاں تریب آ کر بیٹھ جائیں۔ یہ سانپ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔“

ہم دونوں نے اپنے قدم آگے بڑھانے ہوئے اس سے پوچھا کہ کیا یہ سانپ آپ کا پانہ ہے اور آپ کون ہیں؟

”یہ میرا نہیں میری بیوی کا ہے۔“ اس نے کہا۔

اور ہم نے دیکھا کہ لڑکی بڑے پیار سے سانپ کے سر پر اپنی دو انگلیاں پھیر رہی تھی اور سانپ نے اپنا سر زمین پر لٹکایا ہوا تھا۔ ہم نے زمین سے پانہ پر نہ دیکھا اور نہ کچھ تھے لیکن اس طرح کا پانہ سانپ نہیں دیکھا تھا۔ ہاتھ سمیروں اور ہاتھوں کے ہاتھ جو سانپ دکھائے جاتے تھے بے شک ان کا زہر نکال لیا جاتا تھا۔ لیکن وہ یوں سدھانے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ پھر گے اور ہاری اپنا کرب رکھا کہ ان سانپوں کو پھر ان کی ٹوکری میں ڈال دیتے اور ٹوکری کا منہ مضبوطی سے پانہ دیتے۔ مگر یہ عجیب سانپ تھا جس کی کوئی ٹوکری نہ تھی، نہ ہمیں نظر آ رہی تھی۔ لڑکی سانپ کو کبھی اپنے گلے اور کبھی گود میں ڈال لیتی۔ اور سانپ بھی اس کی باتیں لیتا نظر آتا۔ ہمارے لئے یہ منظر بڑا عجیب اور حیران کن تھا۔ یہ سانپ ٹوکری کے بغیر ان کے پاس یوں بیٹھا تھا جیسے ان کی رکھوالی کر باہر اور ہاتھوں لڑکی کا رو بہاں کے ساتھ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کا کوئی بہت ہی اپنا ہو۔

ان پانہ ماحول میں وہ لڑکی بھی کسی اور دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ اس کا حسن اتنا فریب آور تھا کہ ہمیں تعجب و حیرت دلائی تھی۔ ہم نے لڑکی میں بڑی حسین عورتیں دیکھی ہیں لیکن اس سانپ والی وہ شیرازہ

وہاں سے 8 میل کی مسافت پر رانچ ایک گاؤں کا ہوتا ہے۔

کہہ رہا ہے کہ رہنے والے ہیں اور آگے آئے۔ ایک دوسرے گاؤں کا زم لے کر بنایا کہ وہ وہاں جا ہے۔ تھے کہ راستے میں بارش نے آ لیا تو انہوں نے اس بو۔ میں تک جانے کا ارادہ کر لیا اور کہا کہ بد قسمی سے یہاں

آنے ہی ہمارے آگ جاتے ہوئے ہمارے پاس سے جا جس کی نیلیاں ختم ہو گئیں اور اب ہم نے یہ رات اس اجنبی شخص کی جگہ سرہن سے ٹھہرنے ہوئے لڑائی تھی اور نہ آپ آج جس بارے میں سچ کہا۔ حافظ منیر زمین پر سبے سبے جا نہیں کر رہا تھا۔ جبکہ اس کی بیوی کا کلا

میل اور مجھ دو ہزار تھیں جانب منہ کر کے سانس سے کھیل رہی تھی۔ ہم دونوں کو بھی بیٹھے بیٹھے منہ کے چمکے کئے۔ ہم نے کبھی اور نہ دیکھے تھے۔ ان کبھیوں سے اور مجھ سے اور بچھونے کے دونوں کام لیتے ہوئے ہم زمین پر ہزار ہوں گے۔ حافظ منیر کا اپنی بیوی سمیت کر رہا تھا۔ خلاف عمل ہو چکا تھا اور اس کے بعد خزانے سنائی آجے۔ اور جتنی بھی نہیں بھی اپنے سے روکا تھا۔

کہ جانے رات کا وہ کون سا پہر تھا جب فوہ کے اندر اٹھنے والے بڑا لے ہماری آنکھ کھل گئی۔ چہلے میں رکھی تھی کڑواں جل رہی تھیں حافظ منیر اور ان کی بیوی اٹھے ہوئے تھے اور میں انہیں لوگ (اور میرے سر کے آوی) ایک بو گیر بھاری کئے سمیت کھور میں آن گئے تھے۔

در حافظ منیر کے ساتھ نہایت دوگنی آہر زبان میں ہنسی کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کہ سوچی طرح لڑکی ہمارے حوالے کر رہے۔ ہم لڑکی کو لے کر جائیں گے۔ اگر تم نے ہمارا منہ روئے تھی تو سس کی تو ہم نہ ہمارے کھڑے کر کے اسی جھٹ میں وطن کر دیں گے اور نہ ہمارا نشان تک نہ ملے گا۔

اسی انکا میں کتا جو ان کے ہمراہ آ رہا تھا ایک چاؤں چاؤں کر رہا تھا اور کھور سے ابھڑ رہا۔

تھاں گا۔ ان نے کہا۔

ہم نے اسے مزید بتایا کہ ہم جڑیوں کے لئے کھڑے ہیں آگ جانے کی خاطر خشک ٹکڑیاں اکٹھی کر کے گدھیوں پر اوڑھے کھڑوں کو جا رہے تھے کہ ہمیں بارش نے آ لیا۔ یہ کھور بھی اور ان طرف چلے آئے۔

”اسی رہی بارش کا درانی عموماً کہا ہوتا ہے۔“ اس نے جواباً کہا۔ ”یہ دینی برکتی ہے اور گنہم کی فعل کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔“ یہ کہہ کر اپنے سامان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ہم نے کہا کہ ہمارے پاس تو نفس دو پہر کی کچھ بچی بچی ڈالوں کی شکل میں رہا ہیں ہمارا سامان اور چارو غیر دونوں کوئی ختم ہو گیا تھا۔

”مگر نہ کرو ہمارے پاس کھاتے کو لائی کچھ ہے۔“ اس نے کہا اور ایک بولی سی ٹھہری کے منہ سے اکتھے اور گھیبوں کا گڑھا مرنڈا نکال کر ہمارے سامنے ڈھیر کر دیا۔ بھول تو نہیں بھی تھی مگر ہم نے مرنا ڈال لیا اور در رہا ان کے حوالے کر دیں۔ ہوں وہاں پارٹیوں نے اپنی اپنی بھوک مٹا ڈالی۔ ہمیں خوشی تھی کہ ہم ہر جنگلی بیلیاں میں ہم انہم خانی پیتے نہیں سوتے تھے۔

ہمیں اس بات کی فکر نہیں تھی کہ ہمارے گھروالے پریشان ہوں گے۔ ہمارے علاقے میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بارش آنے پر جنگلی بیلیاں میں نکلے لوگ کسی کھور یا خار میں پناہ لے لیتے تھے اور بعض اوقات پوری رات دچرا گزر جاتی تھی۔ ہمارے گھروالوں نے سویم کی خرابی رکھ کر پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ایسی صورت حالہ میں کبھی پناہ لے لیتا۔

گڈیاں جیلنے کی حرارت سے سہو کی اندر فیضا خوشگوار ہو گئی تھی اور سردی کا احساس کم ہو گیا تھا۔ اب اس جوں سالہ آوی نے اپنا نام حافظ منیر بتا کر لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ میری بیوی ہے اور یہ سانس اس کا ہے جو ہر وقت اس کی رکھوالی کرتا ہے۔ ان نے

کسی کو بھی اپنی عزت سے کھیلنے نہیں دیں گے۔ اگر اس وقت ہوش نہ ہوتی تو ہم تم دونوں کو ہی وقت یہاں سے چٹا کر دیتے۔“

”لیکن یہ لڑکی تو حافظہ شیریں بیوی ہے۔“ میں نے کہا۔

”اب اس بزرگ رو کوئی بیوی نہیں ہے۔ یہ شخص اسے درخشا کر گھر سے بھگا لایا ہے۔ ان کا نکاح ہی نہیں ہوا تو بیوی کیسے ہو سکتی ہے؟“ وہ پھر چلایا۔ ”اگھے! چلا کلبازی اور اتارو اس کے یار کی گردن۔“

ماٹھا دو قدم آگے بڑھا اور اس نے کلبازی بلندی لڑکی دوڑ کر حافظہ کے آگے کھڑی ہو گئی۔

”پہلے بھگے نہرو پنا۔“

”اٹھے لڑکی کا شوق بھی پورا کر دو۔“ اس آدمی نے کہا۔ ”اسے اپنے یار کے پاس جانے کا بہت شوق ہے۔“

ماٹھے نے کلبازی پھر جھوٹ میں ہرائی لیکن کلبازی

اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گھٹی اور دو تین الفاظ ”ارے ارے“ بارویا۔ ”اٹھے کوڑکی کے سانپ نے پاؤں پر دس لیا تھا اور ساتھ ہی وہ زمین پر گر گیا۔ اس نے کلبازی دوسرے آدمی کی جانب اچھال دی۔ دوسرے نے سانپ پر

کلبازی کا زور ڈالا اور ڈر کر کہے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

ماٹھا موت کے من گھس جھار گیا اور سانپ خڑبے لڑکی

نے اپنے جیب سے سانپ کو تڑپنے دیکھا تو اس نے لپک کر

کلبازی والے شخص کی کلائی پر اپنے دانت گاڑ دیئے۔

کلبازی والے کے بازو سے خون کا نوارہ اٹھ بڑا۔ اس

نے لڑکی کی چھینا چلا کر اسے زور سے جھکا دیا۔ جھکے سے

کلائی پر سے لڑکی کے دانت اگڑ گئے۔ کوڑکی برکانے

جانے والے نے اب تک لڑکی کی چھینا چکڑی ہوئی تھی۔

چھینا چھین کر کے اس نے لڑکی کا چہرہ اوپر اٹھایا ہوا تھا۔ لڑکی

گرا رہی۔

نکل پھر فوراً امداد گیا۔ اس نے پاؤں پاؤں کی آواز سے گویا کھوہ کوسر پر اٹھالیا تھا۔ دیکھا تو سانپ اس سے پیچھے جا ہوا تھا۔ وہ جھر جھر کر سانپ تنہی سے اسی طرف لپک پڑا۔ کتا کھوہ کے اندر چکر چکر رہا تھا اور اب بازو کھوہ کی دیواروں کے ساتھ ٹکرائے گا۔

”لڑکی! آخر تم نے وہی کام کر دیا جس کا ہمیں ڈر

تھا۔“ آنے والے تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

”تو نے اپنے سانپ سے میرے ذریعہ کو مرادیا۔ تیرے

حل سے بڑھے ہوئے ذریعے سانپ نے گتے کی

آنکھوں میں زہر کی چھکاری مار ڈالی ہے اور یہ آنکھوں

سے امداد ہو گیا ہے۔ اب اس کی بیٹائی کھلی دلوں میں آ

سکے گی۔ اس کا علاج تو ہمارے پاس بھی نہیں ہے۔ اگر

تیرا سانپ اس گتے کو ڈس لیتا تو اس کا علاج ہم کر دیتے۔

ایسا پہلے بھی دو ایک بار ہو چکا ہے اور ہم نے کہنے کو بچالیا

تھا مگر اب یہ بہت بڑی موت مرے گا۔ تم نے نہایت ہی

ادب و اہلکندہ اختیار کیا ہے۔ تیرے اسی مدد خانے کو بننے

چاہیے تاکہ تم نے یہ کام تیرے منہ پر کیا ہے۔ تیرا اس کا

حساب ہمیں تم سے چکانا گا۔ تم ٹکرتا کر دو۔“ ڈونے

ہنس یہاں تک پہنچانے میں ہماری مدد کی ہے۔ یہ ہمیں

برستی ہارٹ اور رات کی تاریکی میں اس کھوہ تک لے آیا۔

تم نے میرے ذریعہ کو اپنے سانپ سے مرادیا۔ اب ہم

تمہارے اس یار کا قید کر کے اس ذریعہ کو کھلائیں گے۔

ارے اگھے دیکھتے کیا ہوا تارو کلبازی کا دوست والا بھل

اس کے یار کی گردن میں۔“ دونوں سے چلایا۔

ہم دونوں بہوت ہو کر اب تک یہ سب سمجھ دیکھ

رہے تھے۔

”چاچا! لیکن بھی تو کچھ پتہ چلے کہ معاملہ کیا

ہے؟“ ہم نے آنے والوں سے پوچھا۔

”لڑکی تو اس معاملے میں واضح ست وا۔“ ایک

آدمی نے کہا۔ ”یہ ہمارے گھر کی عزت کا معاملہ ہے۔ ہم

ہضم کر لیں تو کافی ہے۔" اور پھر وہ تارن طرف دیکھ کر مخاطب ہوا: "لاکڑی تو دلوں کی دفت ہے، کھو خانہ کی درد اور بھول جاؤ کہ تم نے کچھ دیکھا ہے۔ اگر تم نے سہرے خلاف زبان کھولی ہو تو اسی رہنے کی کوشش کی تو بار کھو میرا ہم بھی منبر اڑا کر ہے، میں منبر اڑی نہیں اچھا کر رکھ دوں گا۔ مجھے پتہ ہے تم کہاں کے رہنے والے ہو اور کون ہو۔ منبر اڑاؤ کہو، یہ امر تو تم لوگوں نے سن رکھا ہو گا بس یاد رکھنا۔"

منبر اڑاؤ کہو: ہم سن کر ہنس جھرمی سی آ گئی۔ خلاف میں فی الواقع اس کا ہر کوئی تھا۔

"میں حافظ بھی: دل۔" منبر اڑاؤ کہو: "میں نے سب کچھ چھوڑ چھوڑ کر حافظ منبر بن کر زندگی جینے کی کوشش کی تھی لیکن ظالم سانچے آج پھر مجھے منبر اڑاؤ کو بنا رہا اور مجھ سے اس لڑکی کا باپ نکل کر ادا۔"

"لیکن تم نے بھی تو اس سانچے کا بنا ہوا ہے تو قانون تو بنا ہے تم اس لڑکی کو انوار کرنے کے جوہر کے مرتعب ہوئے ہو۔" میں نے بہت تڑپ کے برابر سب کچھ منبر اڑاؤ کے منہ پر کھینچ لیا۔

"اس لڑکی کو میں نے نہیں بلکہ اس لڑکی نے خود مجھے انوار کر لیا ہے۔" منبر اگنے لگا: "یہ لڑکی اپنی مرضی سے میرے ماتھے جا رہی ہے پھر ادا اس سے۔ میں نے اس کے باپ کی منت کی تھی اس کے پاس بھی پڑا تھا۔ میں نے حافظ منبر بن کر اس سے اس کی بیٹی کا ہاتھ مانگا تھا لیکن سوچے پھیرے نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ میں ایک ڈاکو قاتل اور لیٹیرے کو اپنی بیٹی کا ہاتھ نہیں اردن گا۔"

"سوچ نے ٹھیک کیا تھا کون شریف باپ اپنی بیٹی کا ہاتھ ایک ڈاکو اور قاتل کے ہاتھ میں دے گا۔"

رفیق کی زبان سے یہ سارے الفاظ ایک ساتھ پھسل گئے۔

منبر نے ہم دونوں کو گھور کے دیکھا، رو دانت

حافظ نے لپک کر اس کے ہاتھ سے لکھاڑی چھین لی اور لڑکی کی چٹیا پٹرنے والے شخص پر اس کا بھر پور داکر دبا جو کارگہ ثابت ہوا وہ نیورا کر گرا اور ترپے لگا اور چند ثانیوں میں اس کی زندگی کی شمع بجھ گئی۔

بیچ جانے والے منبر سے آدھی کو ہم دونوں نے مل کر بٹھا لیا۔ وہ نہنہ تھا اس نے ہمیں بتایا کہ لڑکی والے خانہ بدوش سپردوں کا کنبہ ہے۔ لڑکی کی مالی ہوئی سپردن ہے۔ اس نے اپنی حفاظت کے لئے یہ انتہائی زہر بلا

سنا پ پال رکھا تھا اور اس کے ساتھ وہ بہت بہت کرنی تھی وہ اسے محبوب کا درجہ دینی تھی۔ خود آدھی مار سے گئے

ان میں ایک لڑکی کا باپ تھا جو سپردوں کا بیٹا تھا اور دوسرا اس کا چاچا لکھا تھا اور میں ان دونوں کا دوست بہت

اگرچہ میں ان کی برادری سے نہیں ہوں۔ یہاں تک کہ وہ چھٹیں میں نے اپنا نام فضل کریم پڑھا تھا خاموشی گہرا

ابھر ہم سوچنے لگے کہ کہانی کے نکلے رکھے گئے حصہ کی کہانی حافظ منبر سے نہیں جس نے اصل سین منبر کر رکھا تھا

فضل کریم ہے؟

کھوہ میں دو ہندسے مارے گئے تھے۔ حافظ کا پول بھی کھل گیا تھا۔ وہ لڑکی کو بھگا کر لے جا رہا تھا۔ جسے

ہمارے سامنے اتنی بیوی ظاہر کرنا پڑا۔ اوپر سے ایک فضل بھی کر چکا تھا اور کھوہ کے اندر نہیں مادی ہم دونوں اور

فضل کریم سوچ کے گواہ تھے۔ اس کے علاوہ لڑکی نے بھی یہ نقل ہونے دیکھا تھا جو کہ اس کے عاشق نے اس کے

باپ کا کیا تھا۔ دو عاشق کا نقل کرنے آئے تھے مگر دونوں بھائی خود مارے گئے۔ لڑکی کا باپ نہیں ہو گیا اور چچا صاحب

کے ڈھن سے موت کے منہ میں چلا گیا۔ بہر حال ہم نے فضل کریم کو کہا کہ کہانی کھل کر ہے۔

"منبر! حافظ منبر نے ہاتھ کھڑا کیا اور کہا۔ وہی ضرورت نہیں ان لوگوں کے سامنے کہانیاں سنانے کی۔ اب تک جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے وہی

”ہم صبح تک یہ کھو نہیں چھوڑیں گے۔“ ہمر نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ”جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ یہ کھو سرکاری عملداری واسلے لیز شدہ رقبہ میں ہے۔ کسی کی زانی جا کبر نہیں۔ اس وقت ہم یہ کھو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم بھی ضد تک کراور چوٹے ہو کر رہنے لگے۔“

اب سونا فو کیا تھا کسی نے، کھو میں پیش آمدہ حالات سے سب کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ اندر سے ہمیں منبر سے ڈاکو سے خطرہ بھی تھا۔ اس کے سر پر خون سوار تھا۔ دو ایک انسانی جان لے چکا تھا اور اس بات کا خدشہ موجود تھا کہ شہید مٹانے کے لئے ممکن ہے۔ ہمیں بھی نقصان پہنچا ڈالے۔ ہم دل ہی دل میں دعا کرنے لگے کہ بالذات ہماری حفاظت فرما اور شر کریم سے دور کر دے۔ ہم دونوں کافی چوٹے اور محتاط ہو کر بیٹھے رہے۔ منبر سے نئے کلبازی اپنے پان رکھی ہوئی تھی۔ اس کے اور ہمارے مابین کوئی اتنا زبردو فاصلہ بھی نہ تھا۔ اور فضل کریم بھی بائبل بکری بنا منبر پر کے ہاں میں ہاں ملاتا جا رہا تھا اور ہمیں غصہ دلانے جا رہا تھا۔ دگر دو ہمارے ساتھ ہوتے تو ہمیں ہمارا حوصلہ بڑھ سکتا تھا۔ منبر اس کا اور یہ اس کا دشمن تھا وہ منبر سے کو قتل کرنے آیا تھا لیکن اس کے سامنے جب ہمارے گلے فو اس نے اپنی جان کے خوف سے منبر سے سے صلیغ کر لی۔ اور منبر اکبری سوچ میں ڈوب رہا تھا۔

”لو! مجھے قانون سے تلساڑ میں سب قانون جانا ہوں۔“ اس نے سرگوشی اور نہایت سچ لہجے میں مخاطب ہوا۔ ”سبھی حرج کھو سے باہر ہو جاؤ۔“ ہم نے کہا کہ ہمارے یہاں اس کھو میں بقیہ رات گزارنے سے تمہارا کیا جائے گا؟

”میرا تو کچھ نہیں جائے گا لیکن تمہاری جان ضرور جائے گی۔“ اس نے دونوں لہجے میں کہا۔

”دو کیسے؟“ ہم نے کہا۔

”وہ ایسے۔ وہ کلبازی لے کر اپنی جگہ سے اٹھا اور

میں کر رہا تھا۔ اپنے عاشق کے ہاتھوں اپنے باپ کی موت پر ہم لڑکی کا روٹل چاٹتا چاہتے تھے لیکن منبر اکبری میں سے راتوں رات بھاگنے کے چکر میں تھا۔ اور فضل کریم نے بھی اپنی جان بھانے کی غرض سے منبر سے کی ہاں میں ہاں ملاتا شروع کر دی تھی۔ ہمیں لگا کہ سب کھو کے اندرونی حالات ہمارے مخالف ہو گئے ہیں۔

دبھی راست کافی باقی تھی اور پھر جسی جھڑی کا راج تھا۔ سردی پڑیوں کے پار ہوا چاہتی تھی۔ اندر منبر اکبری کے دونوں کھو سے نکلی باہر کرنے کے در پے تھا۔ کھو کے اندر اب منبر سے ڈاکو کی حکومت تھی۔ اس نے ہمیں ج بولنے کی پادش میں اور اپنے جرم کا کھرا کھوج مٹانے کی غرض سے ہماری برسات، رات کی تاریکی اور پڑیوں میں گودا بنا دینے والی سردی میں کھو سے باہر نکل جانے کی مزا سنا دی تھی۔ جس کے تصور سے ہی اٹھانے سے روٹنے کھڑے ہو گئے۔ گو کہ اب کھو کے اندر والا منبر بھی کچھ کم زور دینے والا اور بھیا تک نہیں تھا۔ ایک طرف دو انسانی لاشیں گرئی پڑی تھیں۔ کھو کے وسط میں وہ کھوڑوں میں بنا بہت بڑا سانپ پڑا لڑتا تھا۔ سپرین لڑکی نے رو رو کر الگ اپنا نرا حال کیا ہوا تھا۔ ایک طرف اس کا باپ نقل ہو گیا تھا اور وہ بھی اپنے محبوب کے ہاتھوں اور دوسری طرف اس کا دوسرا محبوب سانپ اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا تھا۔ اسے ایک وقت میں دو صدمہ سے سینے پڑ رہے تھے۔ اس کا آگ کے الڈ جیسا شہنا تا چہرہ بچھ کر رو گیا تھا۔ دو روئے چلی جا رہی تھی۔ اس سوچ پر اس کا محبوب بھی اسے قتل نہیں دے رہا تھا اس کے ہاتھوں سے ایک انسانی جان چلی گئی تھی۔ اسے اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ دو اپنا سارا غصہ ہم پر نکالنا چاہتا تھا اور ہمیں برابر کے چلا جا رہا تھا کہ ہم کھو چھوڑ دیں۔ مجب ضدھی اس کی۔ بھلا اس میں ہم دونوں کا کیا قصور تھا۔ سارا کہا بہ۔ اس کا اپنا تھا۔

روشن رنگ میں ہزارے بہ مقابل آن کر ہوا۔ اسی اثناء میں سمیرن لڑکی اپنی جگہ سے اٹھی اور آ کر منبر سے کھڑکی داری والا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "منبر سے اٹھیں مت مارا تم پہیلے بہت کچھ کر چکے ہو۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔ نہ ہی انہوں نے کوئی گناہ کیا ہے۔"

"نہیں، یہ تمہارے بار لگتے ہیں کیا؟" منبر سے نئے غمگی منبر سے طنز یہ لہجہ میں کہا۔

"تم نے میرے باپ کو فحش کہہ دیا۔" لڑکی نے منبر سے کے منہ پر تھوک کر کہا۔ "تجساری وجہ سے میرا محبوب سانپ مجھے سے جدا ہوا۔ فریب مجھے یہ لہجہ سے رہے ہو۔ میں نے تمہارے لئے نیا کتا چھوڑا، اپنے سین بھائی چھوڑے، اپنے باپ کے سامنے ہر کھٹک کا بند لگا دیا۔"

میرا باپ بہت کزرت والا تھا۔ لوگ اس کی بات نہ مانتے تھے۔ اور مجھ سے بہت پیار کرتا تھا، وہ ایک اچھا باپ اور شریف آدمی تھا لیکن غم... منبر سے ڈاکو سے زنی کر کے منبرا قائل بن گئے۔ غم میرے باپ کے قائل ہو... میں تم پر غموں کی ہوں... اور ان غمیری برسات میں ااپس اپنے

ذہن پر جا دوسی ہوں۔ تم میں اگر بہت ہے تو مجھے روک کر دیکھو۔ اس نے منبر سے گودھکا دے کر پرے کر دیا۔

اچانک منبرا گر ادا تھا۔ سمیرن لڑکی کا سانپ جسے اس کے باپ نے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا اور لڑکی سمیت سب نے اسے مردہ سمجھ لیا تھا اصل میں اس کے اندر ابھی جان باقی تھی اور اس کے ہارے میں کسی کو معلوم نہ تھا کیونکہ وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ سانپ پر بے

اڑکی طاری تھی۔ ہا ہا یہ کہ سمیرن لڑکی نے جب منبر سے گودھکا دے کر پرے کیا تو منبر سے کا پاؤں سانپ کے اوپر آ گیا۔ سانپ کے کٹے پھینے اور شدہ بد طور پر زخمی جسم پر جب منبر سے کا پاؤں پڑا تو سانپ ہوش میں آ گیا اور اس نے میں اپنی فطرت کے مطابق اپنے اوپر پاؤں رکھنے کے کو اس لیا اور اپنا بچا کھچا تمام تر زہر منبر سے کے جسم

میں اٹھ بل ہا۔ سمیرن لڑکی فحش، اس نے اود کئے سانپ، کر دیا تھا اسے چوہہ اور دین کے دونوں کھڑے اپنی گود میں گھر کے زار و نظارہ بن گئی۔ سب نے دیکھا کہ سانپ غمگی رہ کر سمیرن کی جھونپی میں پڑے پڑے دو بار دے جس حرکت ہو گیا۔ سمیرن نے سانپ کو زمین پر رکھ دیا۔ اسے الٹا پاؤں والا بنا دیا وہ گئی۔ سمیرن نے افسدہ بین کر دئی کہ اب اس کا محبوب سانپ کی افسانیت اس سے جدا ہو گیا ہے اور اس کی نیکی بندھ گئی۔

نوٹ: ہو سکتا ہے کچھ لوگ اس بات پر یقین نہ کریں کہ گودھکا سے ہونے کے باوجود سانپ نے منبر سے ذکت ڈاکو اس نیا کتا، یہ حقیقت ہے، ایسا ہوا لیکن ہے۔ کچھ غم و غصہ میں نے "پیشکش جیو گرا گتہ" میں ایسا ہی ایک

مختصر کہ جس میں ایک شخص نے سانپ کا سر کاٹا اور اٹھا اور "جسٹ ایک پھلک دیا" جب دوبارہ کٹے ہوئے سر کے فریب سے گزرنے لگا تو کتا ہوا سر منہ کھول کر اٹھ کر نے کی کوشش کرنے لگا۔ بعد میں اس آئی نے اس کے ہونے پر ڈو زمین میں دوایا۔ (انڈیا نٹر)

پھر سمیرا بھی آخری لمٹا میں پڑا تھا اور منبر سے کے جسم میں داخل شدہ زہر کا زہر ان کی کے پاس نہ تھا۔ کچھ ہی دور بعد حافظہ منبر غمگین سمیرا ڈو بھی زندگیاں کی بازی ہار گیا۔

گندہ حالہ کی اس خون آشام کھود میں ایک در لاش کا اضافہ ہو گیا اور صبح تک کھود کا غدرونی ماحول انتہائی سوگ بھرا اور بھانک بنا رہا۔ ہوں یہ صد ہی بچی منبر بھری رات بالآخر حرکت تھی۔ گندہ حالہ کے جنگل میں سوگوار سی صبح طلوع ہوئی۔ صبح بھی دو بجی تھی جاری تھی۔ ہم دونوں گھراں کو جانے کی تیاری کرنے لگے۔

ہم اپنے پیچھے گودھ میں سمیرن لڑکی، فضل کریم، منبر انسانی لاشیں، اودھکا مردہ سانپ اور آنکھوں سے اندھا بو کھر شکاری کتا چھوڑا نے اور خواہ اپنی گدہ جیوں کو بغیر زہر کے گھر لے آئے۔

RTM 234574

یولو فین

سیلنگ فین
پیدٹشل فین

ایگزاسٹ فین



الے، جے، پچھے

سیلنگ فین پیدٹشل فین
ایگزاسٹ فین

اے۔ جے ایگزاسٹ انڈسٹری
محلہ نور پور شرقی گجرات

053-35211 5, 3601318

گھر پہنچ کر جب گھر والوں تو اپنی چتہ سٹائی فوسٹ
نے مشورہ دیا کہ جو کچھ سچا ہم نے رات کو سوچا ہے وہ کبھی
اسے خواب سمجھ کر بھول جائیں اور آئندہ کبھی گندہ حالہ کا
رہنہ نہ کریں۔ اس کے بعد ہم دلہلے اور عرصہ تک پھر گندہ حالہ
نہیں گئے۔

بوسوں بعد اب سے پچھنی دن پہلے میں اور بہتر
وہی دوست رہیں اپنے ایک ہمارے دوست کی جیب پر
گندہ حالہ میں گی اس کی کوند کی کانہ دیکھنے گئے تو وہ کسی پر
جیب جب اس کو ہوا والے پہاڑ کے واٹن میں لچھے بنی
ہوئی سڑک سے گزرتی تھی تو میں نے رہنیں کو آواز دی۔
”نہیں ہارا کیا خیال ہے اس کو ہوا کی زیارت نہ
کرنے چلیں۔“ رفیق جنت سے ناہو گیا۔ اس نے کہا
اگر وہاں تک راستہ جاتا ہے تو جیب میں پتے ہیں گھر وہاں
تک جیب لے جانا ممکن نہ تھا۔ بہر حال ہم نے جیب
رکوائی اور مشکل تمام کو ہوا تک پہنچے۔ کو ہوا نے اندر گئے، کو ہوا
بالکل اسی طرح کا تم وہ تمہی جیسے چھوڑی تھی لیکن کو ہوا کے
اندر سو گواہی ادا ہی تھی۔ ہاں جاکر کڑوں کے تھلے تھے
دوڑے تھے۔ لگتا تھا پھر کسی منبر سے ڈاؤن نے پھینکی لڑکی
کے ساتھ اس کو ہوا میں پناہ نہیں لی۔

اندھ کھڑے ہو کر جب ہم نے اس سبب رات کا
نصوہ کیا تو اب بھی ہمارے روٹھے کھڑے ہو گئے۔ ہمیں
لگا کہ یہاں سے ہوا بھی سسٹیاں لے کر گزرتی ہے۔
منبر ڈاؤن سوچے اور سائیکے کی روٹھی بھی اس کو ہوا کے
آس پاس بھٹک رہی ہوں گی۔

”بارنڈ برا“ رفیق نے کہا۔ ”سدا اس سبب
لڑکی کے حسن کا فوٹو تھا۔ زندگی بھر پھر بھی اس طرح کا
کس نہیں دیکھا۔ نہ وہ حسین ہوئی، نہ منبرا ان کا عاشق
ہوتا، نہ اُسے لے کر گھر سے لگتا۔ وہ کبھی خانم نے پھینک
کا حسن آگ کے لاد کے سامنے کس طرح جلا کر دیا؟“



پتی

ان کہانی میں حراس کا پیلو ہے ضرور مگر کہاں؟



انجمن انصاری

☆

کہ مر بیٹھی کو تباہی لائیں بھی؟

"ڈر ورس" اس نے جواب۔

"تو اس کے پیرو پتی کیوں بندھی ہوئی تھی؟"

"وہ پھسل کر وہاں پہنچی تھی۔"

"اچھا، یہ بات ہے۔ اس نے جواب دیا اور

خیالوں میں گھوم گیا۔

"میں نہیں سمجھا"۔ کچھ وقفے کے بعد اس نے پھر

کہا۔ "مجھے متعلق طور پر سمجھائیے، مر بیٹھی نے کیا کہا تھا

ہاں کہ اس نوور ہر ہے۔"

"ہنیٹا"۔ میں نے جواب دیا۔

"لیکن اس کے پیرو پتی کیوں بندھی ہوئی تھی؟"

"وہ پھسل کر پہنچی تھی۔"

"نہج ہے۔" یہ کہا ہوا وہ نیل سے اٹھ کھڑا ہوا،

حراس کی کہانی سننے!

ایک "ایک مر بیٹھی ڈاکٹر کے پاس آیا اس کے ایک

دور پہ پتی بندھی ہوئی تھی۔

"آپ کو کہا تکلیف ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"ڈر ورس"۔ مر بیٹھی نے جواب دیا۔

"پھر پیرو پتی کیوں؟"

"وہ پھسل کر وہاں پہنچی ہے۔" مر بیٹھی نے جواب

دیا۔

سب چہنہ لگے۔

سب چہنہ لگے سوائے ایک شخص کے وہ کچھ مجب

انداز سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ کچھ وقفے کے بعد مجھ سے

پوچھے گا۔

"معاف فرمائیں یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی

جوہر و سفا کا روگ

بچی برکی کی عداوت بہت مشہور تھی۔ ڈول اس سے ملنے اور مصافحہ کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے لیکن ایک نفریب میں بغداد کے ایک امیر معاذ بن مسلم کا جب بچی برکی سے سامنا ہوا اور بچی برکی نے ازراہ اخلاق مصافحے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھا یا تو اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر چھپا لیا اور مصافحے سے بچا رہا۔

بچی برکی کو اس کے اس رویے پر حیرت محسوس ہوئی اور دراندازت بھی۔ پوچھا۔

”معاذ! تم نے مجھ سے مصافحہ کیوں نہیں کیا؟ تم سے یہ اخلاقی کیوں سرزد ہوئی آفر؟“

معاذ نے جواب دیا۔ ”جناب والا! آپ کا ہاتھ ایک ایسی چٹان ہے جس سے جوڑو سٹا اور پھٹش و کرم کے دربان لگتے ہیں۔ جب آپ نے مصافحے کے لئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا یا تو میں ڈر گیا کہ اگر خدا نخواستہ آپ کے اتصال سے یہی روگ مجھے بھی لگ جائے تو میں تو کہیں کا بھی نہ رہوں گا۔ بنا دو ہر وہ جو گروہاؤں کا“

بچی برکی نے اپنی نگرانی سے شرمسار ہو کر گروہ بھگانے لگا۔

”اگر آپ نہ بات مان نہ جائے تو حقائق اس طرح ہوئے کہ اس کے سر سے پھسل کر بچی برکی اس کی گردن میں آئی جہاں سے گزرتی ہوئی چھانی پر چبھنے۔ ذرا نیچے پھسلتی ہوئی پرائی او بھٹکتی ہوئی وہ دونوں بچکوں سے گزر کر دونوں پاؤں میں آئی ہوگی اس لئے تو کہتا ہوں کہ شاہد اس کی ایک ٹانگہ تھی“

”نہیں۔“ میں نے نہیں پر زور دیا۔ ”میں نے نہیں“

کھڑکی تک گیا اور خیالوں میں گھوبا ہوا باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

میں چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔ غمخواری دہرے کے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ”اس کہانی میں مزاح کا عنصر کہاں ہے؟ مجھے تو نظر نہیں آتا۔ اگر کسی آدمی کے سر میں درد ہے تو اس نے پاؤں پہ پتی کیوں بانڈھی؟“ وہ بیٹھا گیا۔

”لیکن اس نے بانڈھی کہاں، وہ تو پھسل کر وہاں پہنچی تھی۔“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ ہاتھ کھڑا ہوا اور مجھے گھورنے ہوئے بولا۔

”آجے باہر کھلی نفا میں چٹیں، ہمیں اس بات کی تہہ تک پہنچانے۔“

میں باہر کھلی نفا میں آگئے۔

”دیکھئے جناب!“ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھنے ہوئے کہا۔ ”مجھ بتائیے کہ یہ کوئی مزاح نہ ہوتا ہے یا مجھے بے وقوف بنا جا رہا ہے۔“

”میرے خیال میں مزاح کا پہلو ممانت اور واضح ہے۔“

مجھے تعجب سے دیکھنے ہوئے اس نے پوچھا۔ ”اس میں مزاح سے کہاں؟“

”مجھے ظلم نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ مزاح سے بھرپور واضح ہے۔“

”مزاح سے بھرپور!“ اس نے توجہ سے دہرایا۔

”تو پھر وہ سٹکا ہے کہ آپ نے پورے حقائق بیان نہ کئے ہوں۔“

”حقائق!“ میں نے تفریحاً چیلنجے ہوئے کہا۔

”جی ہاں، مثلاً اس مریض کی صرف ایک ہی ٹانگہ تھی۔“

”نہیں۔“ میں نے بوجھلاہٹ میں کہا۔ ”اس کی دونوں ٹانگیں تھیں۔“

"نہیں بات فی حد تک پہنچنا چاہتا ہوں، آخر میں

نے منتقلی کس دن کے لئے ہو چکی ہے۔" اس نے دوپٹا کھینچا اور میں نے غصے سے ردیسیورٹ ڈالا۔

وہ لگا تارہ کانی عرصے تک فون کرتا رہا، ایک مرتبہ گھر بھی آیا، میں نے اس سے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا، جھڑکیاں تک وہیں لہکن وئی نیچو نہیں نکلا۔

آخر میں نے اس کو کہا، "کھینچنے کا فیصلہ نہ کرنا، وکھے کہ ان جہان میں ایسے لوگ بھی ہیں جن میں مزاح نیکھے واٹی شے عظیم نام تو بھی نہیں۔" کہانی کھڑا رہا۔

ظہرہ مزاح کے ایڈیٹر کے پاس لے گیا۔

وہ اول حوں کر بننا۔

"کتھے بے وقوف ہیں تم لوگ؟" ایڈیٹر نے کہا۔

"نہا، ایشی ایسے لوگ بھی ہیں اس جہاں میں جن میں مزاح نیکھے کی صدا جیت نہ ہو؟"

"تسا ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "اور ایک کو تو میں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے۔"

"واٹی؟"

اپنے لہکوں کو اپنی ہی نہیں غالب:

ایکہ وجہ نہ ہزار بیٹے تہا

ایڈیٹر صاحب نے مزاح بھرنے، اوسے تھا۔

اس کے بعد ایڈیٹر صاحب نے ایک ہانڈ میری

ہتھ پر رکھ کر منہ کو میرے کان سے لگا باور سرگوشیاں میں کہنے

لگا۔ "آپ مجھے اس راز سے واقف تو کرنا نہیں، آخر

مریٹس کو کہا تکلیف تھی؟"

"اس کو دہر تھا۔" میں نے ڈرنے ڈرتے کہا۔

"تو اپنی اس کے ہتھ پر کیوں بندھی تھی؟"

میری آنکھوں کے سامنے تھپتھاپنے لگیں اور

میں سمجھا کہ میری یہ کہانی کبھی بھی شائع نہ ہوگی کبھی بھی

نہیں۔

+●+

"نہیں تکرار نہیں تھا۔"

"تو پھر ایک پارہاں میں ہی کیسے آئی؟" ابراہان نے نظروں سے بچھے دیکھنے سے ہوا۔

"وہ پھسل کر پارہاں پہنچی۔" میں نے کہا۔

اس نے اپنی پریشانی سے پسند پونچھا اور حیرت زدہ چہرے میں کہنے لگا۔ "میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر مریٹس کو کہا عارضہ تھا۔"

"خداہ خدا!" میں نے کہا، وہاں سے چل دو۔

ایک بچہ میری آنکھ میں ٹیٹھون کی مسلسل مسمی سے

کھلی۔ وہی آواز آ رہی تھی۔ "بیمار! میری مدد کر، میں

میری تو نیند اڑاؤں ہے ان کہانی نے۔" اور پھر بندھا ہوا جی

میرے سر میں گھوم رہا ہے۔ ضرور، ان کہانی میں کبھی نہ

کبھی مزاح ہے ضرور لیکن کس جگہ؟"

"کسی جگہ ہے تو ضرور۔" میں نے جوابی لے کر

کہا۔

"تو میں بھی سمجھتا ہوں وہ بے خوف نہیں ہوں

میں جناب! اور خاصا پڑھا لکھا لیکن ہوں۔ میں نے یہ

کہانی اپنی بہن کو سنائی تو اس کا پیٹنے پیٹنے نرا حال ہو

گیا۔"

"آپ کو نیند کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا اور

ٹیلی فون بند کر دیا۔

دوسرے روز شام کے وقت اس کا فون آیا دو کھ

رہا تھا۔ "میں نے آپ کی کہانی بہت سے ڈاکٹروں

ڈیپریوں اور نرسوں کو سنائی ہے وہ ان سب کا کہنا ہے کہ

یہی کسی بھی صورت میں سر سے پھسل کر پاؤں میں نہیں جا

سکتی۔"

"نہیں جا سکتی تو جائے جہنم میں، اگر دو پارہاں نہیں

جا سکتی تو آپ اور ہم کون ہوں جس سے وہاں پہنچانے

وانے؟" میں نے جلی کر جواب دیا۔

تعلیق

زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بڑے بڑے حقائق

..... صیبا شرف صہبی

میرا ایک بھئیے کا ساتھ اور اب بھی ہے جو بندوں کا ہے۔
 شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہوتا۔
 اکثر و بیشتر اس جملے کو اپنی روزمرہ کی گفتگو میں دہراتا رہتا
 تھا۔ پچھلے سال میں گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ سوبان کی گھنٹی
 بجی میں نے دیکھا کہ سوبان کی سکرین پر پاکستان سے
 باہر کا نمبر آ رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر سوبان کا موبائل کا مین آن
 کیا تو میرے دفتر کے ایک بہت پرانے ساتھی کی آواز
 سنائی دی۔ سلام و دعا کے بعد میں نے فوراً اس سے
 پوچھا۔ ”رانا سیف الرحمن صاحب! کیا آپ پاکستان
 سے باہر چلے گئے ہیں؟“ اس نے کہا۔
 ”جی! میں عمر و کرنے آیا ہوں اور خانہ کعبہ کا
 خلاف پکڑے ہوئے آپ کے لئے دعا کر رہا ہوں۔“
 ”بھائی! یہ کام تو میرا فریضہ ہے فریب و رشہ وار بھی
 نہیں کرتا جو کام آپ کر رہے ہیں۔“ میں نے حیران ہو کر

میرا ایک بھئیے کا ساتھ اور اب بھی ہے جو بندوں کا ہے۔
 شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہوتا۔
 اکثر و بیشتر اس جملے کو اپنی روزمرہ کی گفتگو میں دہراتا رہتا
 تھا۔ پچھلے سال میں گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ سوبان کی گھنٹی
 بجی میں نے دیکھا کہ سوبان کی سکرین پر پاکستان سے
 باہر کا نمبر آ رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر سوبان کا موبائل کا مین آن
 کیا تو میرے دفتر کے ایک بہت پرانے ساتھی کی آواز
 سنائی دی۔ سلام و دعا کے بعد میں نے فوراً اس سے
 پوچھا۔ ”رانا سیف الرحمن صاحب! کیا آپ پاکستان
 سے باہر چلے گئے ہیں؟“ اس نے کہا۔
 ”جی! میں عمر و کرنے آیا ہوں اور خانہ کعبہ کا
 خلاف پکڑے ہوئے آپ کے لئے دعا کر رہا ہوں۔“
 ”بھائی! یہ کام تو میرا فریضہ ہے فریب و رشہ وار بھی
 نہیں کرتا جو کام آپ کر رہے ہیں۔“ میں نے حیران ہو کر

انہوں نے میرے والد کو جیل میں قید روادار ہے۔
شہادت کے لئے 25 ہزار روپوں کی ضرورت ہے۔ ورنہ
ان کی عبد جیل میں ہی ہوگی۔ کوئی رشتہ دار مدد کرنے کو تیار
نہیں ہے۔“

میں نے کچھ دو سونوں کی مدد سے قیدیوں کا انتظام
کر دیا اور ابراہیم سے نقل اس کی شہادت ہو گئی۔ عبد والے
روز وہ میرا شکر بادا کر نے گھرا باؤد کہا کہ دعا کر کہ
میرے حالات ٹھیک ہو جائیں تاکہ میں آپ کا خرض
دے سکوں۔ میں نے اسے کہا کہ جیسوی نگر نہ رہیں۔
جب بھی ہونو دے رہنا۔ ورنہ وہ پیسے معاف کر دے
ہیں۔ رفت گزرتے گیا۔ اس رمضان شریف میں اس کا بیٹا
سجد میں نظر آیا۔ میں نے اس کے والد کے بارے میں
پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے والد آج کل ماہی پھال
میں کام کر رہے ہیں اور خدا کے شکر سے کام ٹھیک چارہ
ہے۔ کچھ فون کے بعد اس نے خاموشی سے تمام پیسے
میں نے اس کے والد کے سطلے میں دینے سے واپس کر
دینے اور کہا کہ جانا کام اللہ کے شکر سے ٹھیک چل رہا
ہے۔ یہ پیسے آپ کی امانت ہیں۔ کسی ضرورت مند کے
کام آجائیں گے۔

زندگی میں پہلی دفعہ کسی نے پیسے لے کر واپس
کئے۔

○ میرے گھر کے سامنے پولیس کے ٹکے کے ایک
آفیسر رہتے تھے جو روزانہ زندگی گزار رہے تھے۔ نماز
روز رکھنے کی سے پابند تھے۔ منجھ گزارنے والوں کو
کام آتے تھے۔ نماز پڑھنے سجد میں باقاعدگی سے جاتے
تھے اور ان کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ کبھی کوئی مساجد
ہو۔ اکثر کسی شائق با فقریب میں بھی جاتے تھے خواہ
بات کا خصوصی اہتمام کرنے تھے کہ نماز باجماعت پڑھی
جائے۔ جب تک ملازمت میں بھی تھے تو انہوں نے
میں ہمیشہ رزق حلال پر زور دیا۔ ان کے تمام بچے مدرسہ

ہے۔ جب تک ان کا کام ہم سے چلتا ہے یہ بہت اور
نہیں سے ملتا رہے گا اور جب کام ختم ہو جائے گا تو یہ بھی
روزی لوگوں کی طرح غائب ہو جائے گا۔ دو اکثر ایک
جسٹس کے کہتا تھا۔ ”آپ کی نیکیاں میں فیکری دیواروں تک
نہیں بھولوں گا۔“

میں اس سے کہتا کہ بھائی یہ نہاوی کاروباری
بانی ہیں جب میں اس سبٹ سے ہٹ جاؤں گا۔ تم مجھے
پوچھو گے تک نہیں۔ آج مجھے اس سبٹ سے ہٹے ہوئے
15 سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے لیکن ان نے مجھے نہیں
بھلا! ہر سال شروع ہوتے ہی سنے سال کا کیلنڈر اور
زادگی بھیجنا ہے۔ اس کے علاوہ عید اور دیگر منیواروں پر
بھی یاد رکھتا ہے۔ اس مہینے کے اور میں اپنے لوگوں کا
لہنا کی نعمت سے کم نہیں ہیں۔ آج نقل سبب کن سے کام
پڑتا ہے تو اس کو باپ بتائیے ہیں اور جب وقت گزرتا جاتا
ہے تو اس کی نیکیوں کو بھول جاتے ہیں۔

○ سجد میں ایک نمازی سے دو سنی ہو گئی۔ دریا بھٹنا
وقت باجماعت نماز ادا کرتا تھا۔ اس کے کاروباری
حالات ٹھیک نہیں تھے اور ان کی وجہ سے فکر مند رہتا تھا۔
وہ سال نقل کا واقعہ ہے کہ رمضان شریف کے مہینے میں
اس نے سجد میں آنا چھوڑ دیا۔ دو چار دفعہ اس کے لڑکے
سے پوچھا کہ تمہارا سجد میں نماز پڑھنے میں نہیں
آتے؟ کیا وجہ ہے؟ وہ ہر دفعہ کوئی بہانہ بنا دیتا تھا اور اس
کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ سخت پریشان ہے۔ میں
نے عبد سے چند روز قبل اس کو زبردستی نماز کے بعد دوک
لیا اور کہا کہ تم کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔ ہو سکتا ہے
میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔ جب میں نے اس پر بہت
زور دیا تو اس نے بتایا۔

”میرے والد نے لوگوں کے بہت پیسے ادھار
دینے تھے۔ کاروبار بالکل تباہ ہو کر دو گیا ہے۔ دشتے
ماروں نے مت پھیر لیا ہے۔ جن لوگوں کا پیسہ دینا تھا

طاہرہ

قیمت: 270 روپے

یہ ناول نوجوانوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

حاکمی وردی لالہ

دو حصے قیمت: 270 روپے

اس کہانی میں آپ پاکستان کی سیاست اور معاشرت کے ڈھلے چھپے گوشوں کو بے نقاب دیکھ سکیں گے۔ اب بڑے مسائل میں خوبصورت رہنمائی کے ساتھ جتنے کی مضبوطی جلد میں پیش کی جا رہی ہیں۔

بی آرمی جیتی رہے گی

کشمیر، چھاتیس گڑھ کی دفاعی طاقت کو شہکار کرنا ایک بڑا تاریخی لمحہ اور دشمن پرست قوم پر فخر جو اس کی تمام اہمیت کو دیکھ رہے۔

ایک نیا دور اور نیا جہازیں ایک نئے دور کے لیے تیار ہیں۔ آج کے نئے نئے دور کے لیے۔

مکتبہ داستان

تھے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں بیمار ہو گئے اور ہسپتال میں داخل ہو گئے۔

ڈاکٹروں نے ان کی سُرئی ہوئی صحت کو بد نظر رکھتے ہوئے ان کے بچوں کے باہر سے آنے تک ان کو آسپین برکھا۔ جب ان کے بیٹے اور رشتہ دار سب پہنچ گئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ اب میں آسپین کی نالی ان کی ناک سے نکال لوں گا اور یہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہیں گے۔ چنانچہ ڈاکٹر نے ان کے بچوں اور رشتہ داروں سے اجازت لے کر آسپین کی نالی ان کی ناک سے نکال دی۔

سب نے نکل پڑھا شروع کر دیا لیکن نالی نکالنے ہی بخیر ہو گیا۔ ہوا کہ بزرگوار کلمہ پڑھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اتنے لمبوں کو کھڑے رکھ کر نیراں ہو گئے اور کہا کہ آپ لوگ کس طرح آ گئے ہیں۔ ان کو بتایا گیا کہ آپ کالی عمر سے بیمار تھے اور اب آپ بخیرانی طور پر ٹھیک ہو گئے ہیں۔ بزرگوار کہنے لگے کہ اب مجھے گھر لے جاؤ۔ میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ تموز کی ہی کمزوری ضرور ہے۔ چنانچہ وہ گھر والوں کے ساتھ اپنے گھر آ گئے۔

گھر آئے ہوئے ابھی دو دن روز ہوئے تھے جسم میں کمزوری ضرور تھی مگر والوں سے باہر نکلتے تھے کہ یہ سفید وردی میں لوگ گھر میں کیوں پھر رہے ہیں، ان کا کیا کام ہے؟ گھر والے کہتے تھے کہ میں کوئی نظر نہیں آ رہے۔ انتقال سے چند لمحے پہلے کہنے لگے کہ خواتین کمرے سے باہر چلی جائیں، سفید وردی والے زیادہ تعداد میں آ گئے ہیں۔ خواتین کمرے سے باہر چلی گئیں۔ تموزی در بعد اہلی آئیں تو بزرگوار انتقال کر چکے تھے۔ سفید وردی والے اصل میں فرشتے تھے اور ان کی جان قبض کرنے آئے تھے اور بغیر کسی تکلیف کے ان کو مشکل آسان ہو گئی۔ نیک آدمیوں کی موت بھی آسان اور بھروسے کے ساتھ ہوتی ہے۔ انسان کی نفسی اس کے

مرنے سے بعد جسی تو تم واپس رہتی ہے۔

جاتے۔

اسی طرح میں ایک روز راولپنڈی سے لاہور ریل کار سے آ رہا تھا۔ ریل کار میں بہت رش تھا، کافی لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ میرے سامنے دو مسافروں کی سیٹ تھی اور دو شخص بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ٹرین کو چلے جوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک ضعیف آدمی بڑی مشکل سے چلتا ہوا ہمارے سامنے آیا اور سامنے بیٹھے ہوئے دونوں اشخاص سے درخواست کی مجھے بیٹھنے کی تھوڑی سی جگہ دے دیں۔ ان دونوں لوگوں نے جگہ دے دی۔ وہ ضعیف آدمی شکر یہ ادا کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔ ان دو اشخاص میں ایک شخص کچھ دیر بعد واٹس روم چلا گیا۔ راستے میں اسے کھڑے ہوئے مسافروں میں اس کا کوئی قریبی رشتہ دار مل گیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے آیا اور ضعیف آدمی سے کہنے لگا کہ اب یہ سیٹ خالی کر دو میرے لیے۔ غریب کافی دیر سے وہاں کھڑے تھے۔ اس ضعیف آدمی نے یہ سیٹ خالی کر دی اور بڑی رنجیدہ شکل بنااتے ہوئے بیکرا ابھی۔ چند لمبے بعد ٹکٹ چیکر آ گیا۔ اس نے سب ٹکٹ چیک کی جب وہ ضعیف آدمی کے پاس آیا اور اس کا ٹکٹ چیک کیا تو حیرانی سے بولا کہ باباجی یہ آپ کی سیٹ ہے جس پر یہ دو لوگ بیٹھے ہیں اور آپ کھڑے ہیں؟ ٹکٹ چیکر نے ان دونوں آدمیوں کو اٹھا دیا جو باباجی کی سیٹ پر بیٹھ کر رہے تھے۔ باباجی کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے تھے اور وہ مشتعل شخص جس کی سیٹ تھی وہ کھڑا ہوا تھا۔ یہ ضعیف آدمی کی اعلیٰ طرفی تھی کہ اس نے ان لوگوں کو یہ بتایا کہ یہ سیٹ اس کی ہے اور وہ پریشانی اور تکلیف میں کھڑا ہے۔ میں نے ایسا اعلیٰ طرف اور وسیع انظر انسان کبھی نہیں دیکھا اور اس کردار کو میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔

داؤد

○ خوش اخلاقی اور قسمت ملی سے انسان بڑے سے بڑے کام کو کر لیتا ہے اس سلسلے میں کچھ واقعات بتانا چاہتا ہوں۔ میرے ایک عزیز کراچی سے لاہور آئے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کیا۔ یہاں سے وہ راولپنڈی جانا چاہتے تھے ان کی بیٹھیس میں نے کراچی سے آنے والی ٹرین میں بک کروادیا۔ جب ہم مقررہ تاریخ اور دن کو راولپنڈی جانے کے لئے اپنی بیٹھیس پر پہنچے تو وہاں ایک بزرگ خاتون بچوں سمیت تھی ہوئی تھیں جب ہم نے ان سے کہا کہ یہ بیٹھیس ہماری ہیں تو انہوں نے لڑائی شروع کر دی اور کہنے لگیں کہ ہم تو کراچی سے راولپنڈی تک نئے لئے بک کر آئے ہیں، ہم خالی نہیں کر سکتے۔ میرے عزیز نے بزرگ خاتون کی باتیں بڑے سہل اور سہرے میں اور کہنے لگے۔

”اماں جان! آپ بیٹھی رہیں، آپ کے لئے بیٹھی بیٹھی رہیں۔ اس بات سے نہیں ہے کہ قسمت چنگی ہے یا نہیں فصل کر دیا گیا کہ یہ بیٹھیس کس کی ہیں؟ ہم زمین پر بیٹھ کر گزارا کر نہیں گئے۔ پھر مجھ سے ظاہر ہو کر کہئے گئے۔“ دو لکھوں کی شکل ہماری اسی سے نکلتی تھی ہے۔ میرے اسی اچھا لڑکے کا۔“

اپنے بچوں کے لئے جو بکٹ اور دوسری چیزیں خریدی تھیں تو ان کے بچوں اور بزرگ خاتون کو دینا۔ چند لمحوں میں ان بزرگ خاتون نے ان کی بیٹھیس خالی کر دیں اور کہا کہ تم اتنے پھرنے دو تے ہوئے اس ایٹھے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہو۔ میں تمہاری تعلیم اور تربیت کی قائل ہو گئی ہوں۔ بعد میں میرے عزیز نے بتایا کہ میرے اس ردیے سے اتنی سزا ہوئی اور کہنے لگیں کہ راولپنڈی میرے گھر ضرور آتا۔ اس قسمت سے بہت بارہ سزا ہوئی ہوں۔ یہ سب ایٹھے اخلاق اور اچھی قسمت ملی کا نتیجہ تھا اور نہ سارے راستے کوئی اور ہوتا تو لڑکے

ناشور

میرے روکنے کو نہ ہو گئے اور میں شدت احساس کے باعث لڑا تھا۔ میرا
 رننگ ماکڈ ہونے لگا اور میں نے تیزی سے مز کر اپنے آپ کو ٹانگے میں ڈال دیا۔

انٹرنیشنل



بھی بہت جلد دلا رہا۔ اس پر کافی چہ سبکیاں شروع ہو گئیں۔ طرح طرح کے شگونے چھوڑتے جانے لگے اور نہ نئی افواہیں سننے میں آئے تھیں۔ لوگ خانم کے کہ بکنز کو مشکوک بتاتے تھے۔ ان دنوں نئی ہستی کے برچوہا بہت پر خانم ہی موضوع بحث تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ظلیل خان نے فاخا میں اڑانا چھوڑ کر لوگوں کی نگاہیں اچھاننا شروع کر دی ہیں۔

خانم کا بڑی ہی ہونے کی وجہ سے ہر سے دل میں بھی ان باتوں کی تحقیق کرنے کی جستجو پیدا ہوئی۔ یوں سری نظر سے کوئی قابل اعتراض بات نہ گزری تھی۔ بی بی بونی کا مختصر سا کہنا تھا۔ دو ضعیف ماں، باپ اور ایک خود ماسوائے ان دونوں کے جب اس کا دل بچہ پر درگرم ہوتا تو مہر پر ہی رہتی اور باہر چھوڑے پر اپنے اسٹین کئے سے کھلتی رہتی لیکن جب میں اپنے کارڈز سے باہر نکلتا تو در برآمدے میں چلنے کے پیچھے چلی جاتی۔ ہوں وہ معمولی نقشہ کی ڈلی، پتلے پاتے ہی تڑکی تھی۔ رنگ اپنے صاف تھا اور جہاں کہ مجھے بعد میں چل کر معلوم ہوا حد درجہ کی تنگ مزاج اور حساس تھی۔

وہ تقسیم بند کے بعد کا زمانہ تھا۔ کتنی ہی ہستیاں دربان ہو گئی تھیں درباری آپادیاں جنم لے رہی تھیں۔ نکال پھینکے اور نوکریوں کی ایسے انتہا قلت تھی۔ زندگی ایک مسلسل ازیت بن چکی تھی اور سر چھپانے کے لئے ایک کپھر مل تک کاٹنا بھی کاردار تھا۔

آخضر دوست نے اپنی بی بی ایجاد کو جنم دیا اور لوگوں کی مسلسل خج دیکار کے بعد حکومت کوئی ہستیاں کی نمبر کا خیال آیا۔ ان ہی ہستیاں میں سے ایک میں مجھے بھی سر چھپانے کے لئے کارڈ مل گیا لیکن اگر نہ ہی ملتا تو اچھا تھا کم از کم دنیا میرے حال پر رحم تو کھاتی لیکن کارڈز کے اندر تو میں ہی غزوہ تھا۔ میں ہی ٹھگسار۔ منی جون کے سینے تو فیہ جوں جوں کر کے نمبر بجلی اور کچھوں کے ہستیاں

میں ہستیاں پر ازا تو دو وقت مل رہے تھے۔ ہستیاں جب سے باہر آنے ہی میں نے ہتھ پر سامان لاد کر نئی ہستی کا رخ کیا جو ہستیاں سے چھ سات میل کی مسافت پر واقع تھی۔

میں ایک مدت بعد نئی ماری جھنی لے کر پاکستان آیا تھا اور عزیز و اقارب سے ملنے کے لئے مگری مگری پھر رہا تھا۔ میں نئی ہستی میں خانم سے ملنے کے لئے بے حد بے چین تھا اور ان کے ساتھ نئی ہستی کی صاف شفاف سڑکوں پر چہل قدمی کر کے کچھ گزرے دنوں کی یاد تازہ کرنا چاہتا تھا۔

دقت کئی تیزی سے مزار گیا تھا اور جب جگہ میں جاؤا زہست پر کافی اگے بڑھ آیا تھا تو ماسی کے دھندلوں پر غمناک نظر ڈالنے سے کچھ ہوں محسوس ہوتا تھا جیسے زندگی پاکستان اور رگزار میں اچھلتی، کوڑی اور مسکن دم توڑنی پر صحن ہی تھی۔

آج سے پانچ سال پہلے میں خود ہی ہستی میں رہنا تھا۔ بارش کے بعد یہ کئی دہائی کی نظر آتی تھی اور یہاں کی نئی تعمیر شدہ سڑکیں جیسے دھرتی کی کوکھ سے نکلی ہوئی، بل کھاتی حسین و سزا میں، جوں کر میوں کے بیٹے دنوں میں تو پہاڑ کے رامن میں یہ اونچی نیچی، سگری ہوئی زمین ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے کسی بڑھیا کے چہرے کی جھریاں تھیں ہائے زمانہ کا فکھو کرتے دقت کچھ اور زیادہ گہری اور نمایاں ہو جاتی ہیں لیکن چاندنی راتوں میں ان ہی جھریوں پر ایک بہت ہی دلچسپ سا کھار پیدا ہو جاتا اور ایسا محسوس ہوتا جیسے یورپی سہاگن، سولہ سنگھاد کئے اچھنے پر مکی محبوب کے انتظار میں ارمان بھرے گیت الاپ رہتی ہو۔

یہ کچھ ان ہی دنوں کی بات ہے کہ میرے ساتھ والا کارڈ ایک ویڈیو آڈیو ڈسٹ خانم کے نام الاٹ کر دیا گیا اور ظہر بحالیات نے خاص رسوم سے کام لے کر اس کا چند

راہیں نئے کر سکتی لیکن بد قسمتی سے اب تک اس کی زندگی میں جتنے بھی مرد داخل ہوئے تھے وہ اس سے پانچواں ماہ جوڑنے کے منتہی تھے اور شہدگی سے اس کا ہاتھ تھامنے کو کوئی بھی ناز نہ تھا۔ کچھ ایسے ہی پیہم سچ تجربوں سے خانم کا دل ٹوٹ چکا تھا کہ میں اس کی زندگی میں داخل ہوں۔ یہ کچھ تو خانم کی روز بروز کی بڑھتی ہوئی وابستگی نے بے زبانی کی زبان سے مجھ تک پہنچایا اور کچھ اس کی ماں کے پتہ امیدواریوں سے اشاروں نے۔

یوں خانم میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو کہ ایک گھریلو بیوی میں ہونی چاہئیں۔ دو حد درجہ کی خودداری، ہمدرد اور سچی ہوئی غمی اور اگر مہربانی ممکن نہ ہو سکتی ہوتی تو میں ضرور اس سے شادی کر لیتا۔ ویسے میری نظر میں محبت کوئی بے اعتباری چیز بھی نہیں ہے کسی ایک خاص ماحول میں کسی کے ساتھ وابستگی کا ماحول ہے اور یہ وابستگی محض اتفاقات کی پیدا کردہ ہے۔ پہلی نظر کی محبت کا کم از کم میں کاش نہیں۔ بہر حال اس سلسلے میں میں خانم کو بلاشبہ میں رکھتا نہیں چاہتا تھا نہ معلوم کیوں مجھے خانم سے بے حد ہمدردی تھی شاید ان لئے کہ اس کی حیثیت ایک ایسے مظلوم کی تھی جو بالکل بے یار و مددگار ہو۔

جب سے خانم میرے پردوں میں آباد ہوئی میرے درختوں کا وارو کچھ تو بارہوی وسیع ہو گیا جن سے معمولی پیمانے پر وہ دیکھنے ہی دیکھتے بے تکلف قسم کے دوست بن گئے اور نئے لوگ مجھ سے متعارف ہونے کے بہانے ڈھونڈتے اور بناتے رہے۔ ایسے ذاتی اصرار صاحب بھی جو پہلے مجھ سے کافی الگ الگ رہتے تھے، اپنے خلوص کا اظہار کرنے لگے۔ یوں بھی ہر گھنگے کے باوجود نے اپنی فرض شناسی اور انسانی ہمدردی کا اظہار خانم کے کارڈ سے ہی شروع کیا اور وہی پرستم کر لیا گلے کے لائن میں نے آ کر کہا کہ اس بستی میں سب سے پہلا گلے کا گلشن آپ کو ملے گا۔ یہ کچھ دنوں کی تکلیف ہے، اس کے لئے

میں نہانہا کر گزار ہی رہے مگر برسات کی راتیں میرے لئے بھر کی راتیں ثابت ہوئیں۔ چھوٹے عالم کی بارش راتوں کے گھنٹوں بعد تک برسی رہتیں۔ صبح اٹھ کر جب میں آئینہ کے سامنے شیو کرنے کھڑا ہوتا تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ ابھر آئینہ کے اس طرف ایک خوبصورت لگو اس مجھے دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی مسکراہٹ سے مجھے کچھ یوں محسوس ہوتا جیسے یہ ان دنوں کی مسکراہٹ ہو جن پر تک چمک رہا ہے۔

یہ سب کچھ تھا لیکن میں زندگی سے ناامید نہ ہوا تھا۔ ایک سوہومیں امید تھی کہ دو دو تار کیوں کے پار مسلسل جھلسا دے گی۔

مجھے سادہ فانی وہ برسی ہوئی شام بھی نہیں بھولی جب خانم کے ملازم نے مجھ سے آ کر کہا کہ چھوٹی بی بی جی آپ کو سلام کہتی ہیں اور یہ کہ آجینان کا ریلوے پر وگرام ہے۔ بارش کی بہرہ سے کوئی تاکہ نہیں لی رہا آ کر آپ کو تکلیف نہ ہو تو ویلہ پلٹیں تک ان کو اپنی کا دہریں چھوڑ آئیں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا بلکہ میں خود ملاقات کے لئے کسی بھی موقع کا منتظر تھا۔ مگر خدا کی شان دیکھئے کہ ملاقات کا وسیلہ مجھ جیٹا تو میری اموڈا کار جس کے پارن کے علاوہ باا مبالغہ ہر چیز بولی تھی اور جس کے متعلق یہ روایت تھی کہ واسکوڈے گاما اس کار کو اپنے ساتھ برنگال سے لایا تھا اور جاتی مرتبہ بیکار کھڑے ہو کر گیا تھا۔ کیا خوب کار تھی کہ اول تو چلتی ہی نہ تھی اور سب چل پڑتی تو برنگال سے بے نیاز ہو جاتی۔ یوں میرے کو تو میں نے حامی بھری گردن میں ہر دل میں شکر ضرور دیا۔ بہر حال اس روز کا دن میری عزت دکھ لی۔

اس شام کے بعد میں دو خانم ایک دوسرے کے فریب آنے لگے۔

ہر کھواری لڑکی کی طرح خانم بھی ایک ساتھی کی تلاش ہی تھی۔ جس کے ساتھ وہ زندگی کی طویل اور کٹھن

خلاف کس بنا دینے جائیں گے اور ہمیں تادان دینا پڑے گا۔“

یہ کچھ کہہ کر وہ دھبھان سے دفتر میں بیٹھ کر خانم کا انتظار کرنے لگے۔ انہوں نے گشت پر نظر ناگہی بند کر دیا۔ بس بروقت خیالی پلاڈیکالے رہے۔ نغمہ نے گی تو اس پر رعب ڈالوں گا پھر نرم چ جاؤں گا اور پھول لگانے رکھنے کی وجہات دے دوں گا۔ بعد میں اسے چاہئے بھی پلواروں کا وغیرہ وغیرہ۔

اگر پرنسڈنٹ وانرو کس نے بھی اپنی طرف سے کسر دکھانے دگی۔

خانم کے کارڈ وال لائن میں دو دو تالی کا کلکشن نہ دیا کہ وہ خود اس کی منت سماجت کرے لیکن وہ بھی بڑی ہی خود را لڑکی تھی اس سے اس قسم کی امید کرنا انہوں کی بہشت میں رہنے کے مترادف تھا۔

پرنسڈنٹ وانرو کس بھی ایک زالی شخصیت کے مالک تھے ہوں نرمی اپنے نوحے ہی مگر پیٹ نوالا مان دلچسپا، ایسا معلوم ہوا جیسے پیٹ میں بیروز نئے پیلے جا رہے ہوں۔

خانم کے گوارڈ کے نزدیک پی ڈبلیوزنی نے ظہری کا ڈون کیے تھے ایک سیلاب بنایا ہوا غدار اسے مہرنے کے لئے وہاں ایک ٹکا بھی لگا ہوا تھا اس نکتے سے خانم گھر کے لئے اپنی سگونی بلکہ بھی کبھی تو گریوں کی مسلمان دوپہر بھی خود بھی چھوٹی سی ہائی لے کر اپنے ملازم کے ساتھ اپنی مجھے نکل پڑنی اور میں دل میں اس لڑکی کے گھر چلو گی کی داو دے اٹھا۔

اس ڈون دو دو پرنسڈنٹ وانرو کس کو اپنے اپنے اخبارات پر براہین تھا۔ میں ڈون اوصاحب کہتے۔

”اسے تم کو معلوم نہیں کہ خانم کو پھول کتنے چاہتے ہیں جب سے انہوں نے نہیں دیا گیا ہے۔“

پلوارنی اور جزوی جا بے گی تو نہیں ہوں سمجھو کہ غریب ہی

معدومت چاہتا ہوں۔ منگہ بحالیات کے کھڑک نے آ کر اطمینان دلایا کہ اگر کسی مینے آپ کے پاس قسط ادا کرنے کے لئے پیسے نہ ہوں تو گھر نہ گیا کریں۔ ہم الاٹمنٹ آپ کے نام سے کسٹل نہیں ہونے دیں گے۔ وانرو کس کے مسٹر نے آ کر دلا سہ دیا کہ بہت جلد ہی آپ کے ہاں پانی کا کٹیشن دے جائے گا۔ دوسرے بائیس سے ہی چکر میں یہ لوگ خانم سے گانے کی فرمائش کر دیتے اور وہ سب کو ایک ہی سا جواب دینی کہ جب ریڈیو پر ان کا پروگرام ہو تو اس وقت سن لیں۔

بہر حال یہ تو نما کھڑک طیفے کا حال اس کے علاوہ انسر ان کی بھی ایک لمبی غیر مست بھی جن میں سے اکثر باؤں اپنی خودی بلند ہونے کی وجہ سے اپنا نہوا ہوا ہوش سے خیل سے خود خانم کے کوڈر پر نہ آ سکتے تھے دن میں انسر بحالیات اسٹنٹ ڈائریکٹر ریڈیو سٹیشن اسٹنٹ انجینئر منگہ جلی، ایس ڈی او، پی ڈی او ڈی اور پرنسڈنٹ وانرو کس خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان سب لوگوں کی خواہش تھی کہ خانم خود ان کے دفتر میں آئے۔ ہائی کے لئے یہ لوگ اپنے دائرہ اختیار کے میں ہونے پر ڈیڑھی کی کوشش کرنے رہے۔ شام خانم نے اپنے گوارڈ کے باہر سڑک کے ساتھ چھوٹی کی ایک کباری بنا رکھی تھی۔ اسی پر وہیں ڈی او صاحب اپنے روز اسٹیکر پر بیٹے پڑے کہ ان نے سڑک پر تجاوزتوں ہونے دیا۔ آج لوگوں نے کباریاں بنان جن کل کچھ اور بنا بیٹھیں گے۔ ان غریب نے عرض کی۔ ”جناب! میں انھی جا کر کباریاں برقرار کروائے دیتا ہوں۔“

اس پر وہ اور بھی گرجے۔

”کوئی مذاق خود ڈی سے لوگ دعوے کر نہیں گئے تو عدالت کی پینچیاں کون بھگتے گا۔ جا کر سب لوگوں کو ہنس رواد رکھو کہ جس جس نے نام گوارز نکالتا ہے وہ جتھہ

کر لیں ورنہ تجاوزتے جا کے سٹیل میں بیٹھوں گے۔“

موسے نے اپنے سزنی کو بلا کر کہا کہ اسنو رکھے پاس والا تلاب تعمیری کاموں کے لئے بنایا گیا تھا اور اب کیونکہ تعمیر کا کام ختم ہو چکا ہے اس لئے اس کا ٹکے بند کر دو۔

جب پانی بند کئے گئے روز ہو گئے اور دفتر میں کوئی نہ رہا تو پھر شہنشاہ نے پھر چھان بین شروع کی۔ معلوم ہوا کہ خانم کا نوکر دائر درسی کی تنگی سے جو کہ ڈیپک ہی نہیں پانی بھرتا ہے۔ انہوں نے فوراً ہی پرواز کر کے بلا کر بڑی ہی زبردست قسم کی جھڑپائی کر خیردار! اگر آئندہ کسی کو تنگی سے پانی بھرنے دیا تو ہمیں فوراً ہی سے ہاتھ دھوئے پڑیں گے۔

ان کے اتنا کرنے سے پر ضرور ہوا کہ خانم کا ضعیف باپ لکڑی ٹیکہ ہوا ان کے پاس آ گیا مگر یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی گئی مرینا ان کے پاس آ چکا تھا۔ اسی بار پھر شہنشاہ نے نفسی طور پر اسے بتا دیا کہ اس مسئلے میں اس کے پاس الٹا ہی خود آنا چاہئے۔ بڑے سہاگ نے احتجاج کیا۔ "جناب! وہ کارڈ میری ٹکی کے تمام آلات ہے کم از کم عورتوں کے ساتھ تو سہراغایت ہونی چاہئے کہ ان پر دفتر آنے کی پابندی عائد کی جائے۔"

موسے پھر شہنشاہ نے بڑے ہی سنجھے ہونے انداز میں جواب دیا۔ "یہ رعایت صرف پردہ نشین عورتوں کو دی گئی ہے اگر آپ کی صاحبزادی پردہ کرتی ہوں تو بے شک آپ کے نام کا نامہ بنوادیں جس پر کسی فرسٹ کلاس جہاز میں کی تصدق ہو۔ دو اصل آپ تو معاملہ کی نوعیت کو سمجھتے ہی نہیں۔ میں واقعی بالکل مجبور ہوں۔ اور یہ سے جانتے ہی ایسی آئی ہوئی ہیں۔ وہ نہ اس سے پہلے تو یہ ہونا تھا کہ کسی ملازم نے جھوٹے منہ بھی کہا تو میں نے گنگلسن دے دیا۔ مگر جب سے کچھ لوگوں نے پانی کے کس دینے سے اس جذب سے انکار کر دیا کہ انہوں نے تو عرض

ہوگی۔ اب کسی دن، کسی گھڑی بھی وہ میرے دفتر میں آ جائے گی۔"

اور موسے پھر شہنشاہ کہتا۔
"بچہ پالی کی مار بڑی مار ہے بھلا بھولوں کی مار بھی کوئی مار ہوتی ہے۔"

"اے موسے! کوئی کسی کا پانی بند نہیں کر سکتا۔ آخر بہشتی سر توڑے گئے ہیں۔ دو روپے ماہوار پر کوئی بھی بہشتی آ سکتا ہے۔ مگر پھلوادی تو میری مرضی کے بغیر کسی صورت میں برقرار نہیں رہ سکتی۔" ایس ڈی ادا صاحب اپنی نوبت جتانے۔

"پھلوادی کی بھی کوئی فہمت ہے، وہ دآنے میں پھول ہی پھول۔" پھر شہنشاہ فقیر آمبر لہجہ میں جواب دیتا۔

"ارے ٹوکتا تادان ہے۔ تیری عقل تو مجھ سے بھی زیادہ موٹی ہے۔" ایس ڈی ادا اسنو اذہر دہنی بھرے لہجے میں کہتا۔ "ہو تو آج کل آج کی بھی کوئی نئی نئی نہیں میں روپے ماہوار پر جیسا آدی چاہے رکھ لو لیکن آج اگر تجھے مادہ باجائے اور تیری ماں کو دس آدی خرید کر لے دے جائیں تو کیا خوش ہو جائے گی؟"

الغرض یہ دونوں ایک دوسرے پر ایسے اضمیادان کا مکہ جمانے کے لئے گفتگوں بحث کرنے اور اکٹرا کر ٹوٹو میں میں پرازا آتے۔

آخر ایک روز بدیش میں آ کر انہوں نے سو سو روپے کی شرط لگائی کہ خانم جس کے دفتر میں پہلے آ جائے وہ شرط جیت جائے گا۔

اس کے بعد دونوں نے اپنی اپنی کوششیں شروع کر دیں۔ ایس ڈی ادا نے پھر اپنا دو ڈانسنگ خانم کے گھر بھیجا کہ اگر آپ نین دن کے اندر نامہ ان پھلوادی کے لئے ایس ڈی ادا صاحب سے اجازت نامہ نہ لائیں تو میں یہ لکھاؤںے پر مجبور ہو جاؤں گا۔

اس کے علاوہ اور افسران بھی اپنے اپنے اختیارات بروئے کار لائے مگر انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔

ایک دن مہرے ایک دوست نے ایک رنڈیو انجینئر سے سہرا تعارف کروایا۔ ایسے ہی خانم کا ذکر چل لگا۔ صاحب نے پوچھا۔

”آپ کی نو خانم سے انجینیئر خاصی واقفیت ہوگی۔“
 ”انجینیئر خاصی واقفیت!“ انہوں نے طعنا کہا۔
 ”اے، وہ تو یہاں منتقل ہونے سے پہلے میرے مکان کی چھٹی منزل میں رہتی تھی۔ ویسے مجھ سے یہاں رشتہ لوگ مجھ سے بنا کر ہی رکھنے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ان کے پرگرام نشر ہوتے وقت ٹرانسمیٹر میں کچھ ٹویڈ کر دوں۔“

”پھر آپ جا کر خانم سے مل آئیں۔“ میں نے تجویز کیا۔

”لیکن آج کل وہ مجھ سے عاراض ہے۔“ انجینئر صاحب نے ایک لمبا سانس کھینچنے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“ میں سراپا سوال میں گیا۔
 ”بس بونٹی، کچھ تو وہ لڑکی ہی بہت گہری قسم کی ہے۔“

”اور کچھ میں نے اس کے متعلق غلط اعجازہ لگایا۔ یوں مگر اس کا بھٹا کئی سہولتی آدمی کا روگ نہیں۔“

”بے جاوی، مجھے تو اس سے بے انتہا ہمدردی ہے۔“ میں کچھ جھجھکیاں بنا کر کہتا ہوں۔

”ہمدردی!“ انجینئر صاحب جیسے چونک پڑے۔
 ”پھر آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“

”بس کیسی ممکن نہیں، ورنہ میں اس کے لئے کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں۔“

”پھر تو آپ کی ہمدردی خانم کے لئے بے معنی ہے اور یہ کیا کچھ کرنے کی تمنا بیکار۔ میں آج کل نوہوہ کئی اچھے سے خاندان کی تلاش میں ہے۔“ انجینئر صاحب نے

نگوانے کے لئے درخواست ہی نہیں دی، جب سے یہ سختی اختیار کرنی پڑی۔ ویسے بھی آپ کو نو معلوم ہی ہے کہ آپ کے کو اور زوالی لائن ابھی مکمل نہیں ہوئی اور یوں میں نے بھی قبضہ کر لیا ہے کہ جب تک اس لائن کے سارے الاٹنی آکر مہرے دفتر میں انٹگریشن قائم نہ ہو سکتا ہے کہ میں اس لائن کو مکمل ہی نہیں کرواؤں گا۔“

نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے سماں اپنا سامنہ لے کر واپس آ گئے۔ نو معلوم انہوں نے خانم کو دفتر جانے کے متعلق کہا یا نہیں۔ بہر حال وہ دفتر نہیں گئی اور دوسرے ہی روز اس کے ہاں پانی بھرنے کے لئے مدد دکھ لیا گیا۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن خانم نے اس سلسلے میں مجھ سے ذکر تک نہ کیا۔ غالباً اس کی برو باؤ طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا ہو۔ کچھ اپنی اسی خودداری کے سبب وہ ٹھنکی دنیا میں بھی کامیاب نہ ہو سکی ورنہ اسے کئی ٹکسوں میں اپنے بیک گائوں کی پیشکش ہوجا سکتی تھی۔

یوں پانی کی مجھے بھی سخت تکلیف تھی اور میں نے پانی بھرنے کے لئے ایک سہارا لگا رکھا تھا جو پرانی سنجھڑ کے گنوں سے پانی لاتا تھا جو عادی ہونے کے ساتھ ساتھ بھاری بھی تھا۔

ایک مرتبہ میں نے بھی پرسنلڈنٹ سے پانی کے کنکشن کے لئے کہا تھا مگر مجھے اس نے صاف صاف نکتوں میں کہہ دیا کہ اگر کنکشن لہا چاہتے ہو تو خانم کو ہمارے دفتر میں بھیج دو ورنہ ان کو اور زوالی لائن ہی مکمل نہیں ہوگی کیونکہ موٹا میرا دوست تھا اس لئے میں نے اس کی حکایت کرنی مناسب نہ تھی اور نہ ہی وہ باوہ اس سے درخواست کی۔

اور اسی دن اسی صاحب بھی جب وہم کیا ویجے دینے تک گئے تو انہوں نے نامیہ ہو کر آخر ایک دن خانم کے کوآرڈر کے سامنے لگی ہوئی کیاریاں برابر کروا دیں۔

دیکھا تھا وہ نہ ایسا بڑا کڑوا کہ کچھ معلوم ہی نہیں کسی انسانی سوچ میں غرق ہے اور میں نے ہمدردی کے دو دہانے کہے اور اس کی آنکھیں پڑنم ہو گئیں اور پھر دہرنگ ان کا دھبان بنانے کی کوشش کرتا رہا۔

کبھی کبھی تو وہ دہرے ہونے انداز میں کہتی۔

"بھیا! اگر آپ نہ ہوتے تو مجھے کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔" اور میں بھی خانم کی مدد کے ایک گونہ تسکین محسوس کرتا۔

ایک دن جب خانم آرزو خاطر بیٹی خاڑاں میں گھور رہی تھی میں نے بونہی اس کا دل بسانے کے لئے کہا۔

"ہستی میں اب نو کافی چہل پہل ہو گئی ہے اور ان بات چاندنی پودا ہے۔" ٹھٹھے میں بڑا لطف آئے گا۔

لیکن اس روز خانم پر فطرت کا شہ بدودہ پڑا ہوا تھا اس نے کھسائی تھی جس کا جواب دیا۔ "یوں ہستی تو آباؤ ہو چلا ہے پر کچھ میرا دل بھٹتا جا رہا ہے جیسے میں ایک شیخ ہوں جو خاموش ہوا جا تھی ہو یا ایک ایسا تارہ ہوں جو ٹوٹ چکا ہو جس کا تعلق چاندنی راتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے متعلق ہو گیا ہو اور ہوں لوگوں کو تارے کے ٹوٹنے اور بے نور ہو جانے سے کوئی سردکار نہیں۔" وہ تو اس آؤد کے سبب تھوڑی دیر کے لئے پریشان ہو گئے ہوں کہ کہیں تارے کا نونہان کے لئے سٹوں ثابت نہ ہوں۔

میں خانم کی ڈھانس بندھانے کی فی التقدیر کوشش کرتا مگر زندگی سے سفر نامہ بڑھا اور اس کی بڑھتی ہوئی مشکلات روز بروز نئی نفسیاتی الجھنوں کو جنم دے رہی تھی۔

پھر میں نے اپنے ٹک کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کر لیا۔ بحرین میں ٹیل کی ایک کمپنی نے مجھے معمول نخواستہ کا

اپنا قطعی فیصلہ بنا لیا۔

اس کے بعد اچھتر صاحب میرے کوارٹر سے نکل کر خانم کے کوارٹر کے سامنے ٹھٹھے لگے۔ لیکن ابھی انہوں نے تین چار ہی پھر لگائے تھے کہ اندر سے خانم کا کنا بھونکا ہوا باہر آ گیا اس کو دیکھنے ہی ان کا مزہ ہی ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کئے سے ان کی کوئی ناخوشگوار یاد دہانت ہو۔ انہوں نے اپنی سائیکل اٹھائی اور چل دیجے۔ کئے کی آواز اہلہ دہرنگ ان کا پیچھا کرتی رہی۔

ایک شام خانم کا ملازم میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "بڑی بی بی جی آپ کو بلاتی ہیں۔" گیا تو خانم کی والدہ نے متحکمانہ میں کہا۔ "نہ معلوم تھا کو کیا ہو گیا ہے۔ صبح سے کتبہ میں منڈے رور رہی ہے۔ کھانا پانہی کچھ نہیں۔" میں خانم کے کمرے میں گیا تو اس کی پٹلی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بڑی بے بسی سے دیکھا اور پھر کتبہ میں منڈ چھاپا۔ میں نے کہا۔

"خانم! بلا نہیں بھانپوں سے بھی اپنا دکھ دو چھپاتی ہیں۔" اور پھر میں اس کے پریٹن بالوں میں اٹھکیوں سے کٹھی کرنے لگا۔

خانم نے کوئی جواب نہ دیا اور کتبہ کے نیچے سے ایک پرچہ نکال کر مجھے پکڑا دیا۔

برائے بہانہ کی طرف سے نوش تھا جس میں لکھا تھا کہ اگر اس نوش کے ملنے کے ضمن دن کے اندر اندر پانچ سو روپے کی قسط جمع نہ کرائی گئی تو الاٹمنٹ کینسل کر دی جائے گی۔

"اوسے۔ بس اتنی ہی بات۔" میں نے خانم کو دلاسا دیا۔ "یہ پیسہ کل ہی جمع ہو جائے گا تم فکر کیوں کرتی ہو۔ اب اٹھو، منڈا ہوا چھوڑو۔"

خانم کی دو معلوم اور ننگر آئینہ نظریں مجھے اب تک یاد ہیں۔

اس طرح دوتے ہونے میں نے خانم کو پہلی بار

نئی ہستی میں پہنچ کر مجھے کچھ مجب سا ہنپنا بہت کا احساس ہوا۔ یہاں اب آبادی دریا کی ہے لیکن سڑکوں کی طرح کھلا دریا ہی تھی۔ خانم کے کواڑ کی تو کامیابی پلٹ گئی تھی اس کے سامنے چلواری پھر سے لگ گئی تھی جس کے ساتھ ہی ایک کار کھڑی تھی۔ باہر کے نوزخ نیک کرے کا اضافہ ہو گیا تھا جس میں سے مدھم روشنی کے ساتھ ساتھ خانم کے گانے کی آواز باہر آ رہی تھی۔

"باہر آؤ اور جلدی ہی آگئے۔" تاکئے والے نے دانت کھس کر کہا۔

میں نے تہر آؤ فکروں سے گھورا اور پھر بچے اتر کر دروازے پر دستک دینے لگا۔

دروازہ کھلنے پر میں دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اندر سے ایک بی بی سوچوں والا پٹھان باہر آیا اور کہنے لگا۔

"خود آج جانی کسی سے نہیں مل سکتی، دو سونھ کے ساتھ مصروف ہے۔"

میرے روکنے کڑے نہ گئے اور میں شہت احسان کے باعث رزا اٹھا۔ میرا داغ ماؤف ہونے لگا اور میں نے تیزی سے مزکر اپنے آپ کو تگے میں زائل کیا۔

اور جب تاکہ واپس ہو رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے خانم کے کتب میں رہے ہوں اور دل رور رہا ہو۔ جیسے تادو نوٹ چکا ہو جسے بوڑھی دھرنی کا سہاگ لت گیا ہو اور اس کی کوٹھ سے لگی ہوئی دو تیز انہیں کسبالت بن گئی ہوں اور جیسے نئی ہستی کے گھر گھر باسور پھوٹ پڑے ہوں، انسا بہت سوزنا سوز، جن پر آج تک کسی نے یہاں نہیں رکھا۔

اور جیسے خانم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے بھائی سے رخصت ہو۔



پہنچش کی تھی۔ جانے سے پہلے جب میں خانم سے ملنے گیا تو وہ کٹنا دوئی تھی، وہ منظر مجھے جب بھی یاد آتا ہے دل بھرتا ہے۔ میں جو گھر بھر میں منگول مشہور ہوں اس روز روئے جانا، وہ مکان تھا۔

دو سال تک خانم سے خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا بلکہ کا ہے گا ہے میں اسے کچھ دوپے بھی ارسال کرتا رہا۔ اس عرصہ میں اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا اور دوسری کئی بڑی شہت سے محسوس کر رہی تھی۔ اس کی اولیٰ شہتیت عود کر آئی تھی۔ اس کے اکثر خطوط میں ڈانڈ کی بے سروتی کا دونا دوبا ہونا تھا اور وہ کسی حد تک تھا بھی ٹھیک۔ جن بھی سرکا ہو جو نوبت نیا پائنت لینے ہیں لیکن دل کا جو جہ ہانسنے والا شاد و دور ہی بنتا ہے۔

پھر بکا یک کڑ ہوا کہ خانم مجھ سے ناواض ہو گئی اور مجھے اسے منانے کے بدلے یہاں آنا پڑا۔ دراصل ہوا یہ کہ میں کبھی کے کام سے مشرف و سٹی کے ایک طویل دور سے پر نکلا ہوا تھا۔ میری خبر حاضر ہی میں خانم کا تارا آیا۔ اسے اپنے والد کے علاج کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی۔ دو سے سے واہسی پر جب مجھے یہ تارگلا تو میں اُننے خورار پے ارسال کئے اور ساتھ ہی معذرت کی کہ مجرین سے میری طویل خبر حاضر ہی اس تاخیر کا باعث ہوئی لیکن یہ روپے مجھے شکر یہ کے ساتھ واپس مل گئے اور ساتھ خانم کا خط کہ اب دوپوں کی ضرورت نہیں رہی۔ یہاں جی کو اب شکر آئے گی ہے اور انہیں ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق ہسپتال میں داخل کر دیا ہے۔

اس کے بعد جب بھی میں نے خانم کو کوئی چیز بھیجی تو دوسری ہی ڈاک سے واپس آگئی۔ شاید وہ مجھ سے ناواض ہوئی تھی۔

اب میرا تگہ نئی ہستی کے فریب پہنچ گیا تھا اور جوں جوں نئی ہستی نزدیک آتی جاتی تھی میرا اشتیاق اسی قدر بڑھتا جاتا تھا۔

برائے بقدر



وہ انسان کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ انسان سے بہتر تو یہ جنگلی جانور ہیں جو
دستی کہلانے جاتے ہیں پھر بھی حیوانیت کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ انسان کی طرح۔

☆ دیکھ کنول - بھارت

متحرا اداس
مہر رواہ کے ہانکا علانیے کے خوری
گاؤں کا باہی تھا۔ فطرت سے بڑا
کبیر تھا۔ تھا تو وہ پیشہ ور مداری مگر میر بننے کی لگن میں وہ
اپنے پیشے کو چھوڑ کر ایسے نلے سب سے کام کرنے لگا جو
اُس کے شایان شان نہ تھے۔ وہ کہنے ہیں نا "جس نے
اتاری لوٹی اُس کا کہا کرے گا کوئی"۔ حیا شرم خوردہ کی
کھا گیا تھا۔ اُس پر تو بس دولت مند بننے کا بھوت سوار
تھا۔ وہ یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ ایمانداری کے راستے

عاجز آچکا تھا کہ شہر میں رو کر وہ بھوکا رہا، مہینے شہینڈ پر سوجا مگر اپنے گاؤں بھی اوتا جب اُسے۔ چنبرلی کی توجہ پوچھیں والے اُسے ہر اسماں کرنے آئے تھے اُن کا بیٹا صاف ہو گیا تھا۔ گاؤں لوٹ کر کچھ روز نووہ یونگی ہے تیس مہینے گھومتا رہا۔ ایک دن اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک بار پھر اپنے خاندانی پتے کو اپنالے گا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ جانور کا بندوبست کہاں سے کیا جائے۔ جانور کے بنا داری ایسا ہی ہے جیسے موزے کے بنا تاکہ۔ عداوی کو پچانے کے لئے کوئی نہ کوئی جانور چاہئے تھی وہ اپنا اھیل پتانا لکھا سکتا ہے۔ برسوں پہلے اُس نے ایک بھالو خریدا تھا جس کی ناک میں گھبل ڈال کر وہ اُسے گاؤں گاؤں بچاتا تھا۔ جب سے دوسرے گاؤں تھا مگر اس کا بی بی کام سے اٹھ گیا تھا۔ اب جب کہ اُسے کوئی سن بند کام مل نہیں پڑا تھا تو اُن نے ایک بار پھر ڈگڈگی بھانے کا فیصلہ کیا تھا مگر بات جانور پر جا کے اٹک گئی تھی۔ جانور کو خریدنے کے لئے جیسے دوڑا تھے۔ اس کی حالت تو ایسی تھی کہ زہر کھانے کے لئے بھی اُس کے پاس پیچھے نہیں تھے۔ ایسے میں گئی کہا نہایت کیا ٹھوڑے۔

آزاد خانانی سوچ بچار کے بعد اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی بندر کے بیچ کو بکڑ کر اُسے اس طرح سدا حالے گا کہ وہ اُن کے اُپاروں پر بچنے لگے گا۔ اس کام میں اُسے بھاری بہت حاصل تھی۔ اس علاقے میں کافی فداوا میں بندر موجود تھے جو کہ مصافحات کے جنگل میں رہتے تھے۔ مگر اُس تو اس جنگل کے چپے چپے سے واقف تھا۔ اُس نے ایک دن بیچ جنگل میں پھندا لگا لیا اور خرد ایک خاردورفت کی آڑ میں خاک لگا کر بندھا گیا۔ اس کی مراد جلدی پوری ہو گئی۔ ایک بندر کا بچہ اس پھندے میں جا کر پھنس گیا اُس کا شور وغل جن کر سارے بندر اس کی حد کے لئے دوڑ کے آگئے مگر کوئی اُسے اس پھندے سے آزار نہ دے سکا۔ مگر اُس نے بندروں کے

سے کوئی مہبت نہ داند نہیں بن سکا۔ ذمیر سدا اچہر کا بی کافی سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے اور کالے وندے نے لئے بے ایمان بننا بہت ضروری ہے۔

مگر اس نو پیدائشی بے ایمان تھا۔ چونکہ وہ جنگلوں کے بچوں بیچ رہتا تھا اس لئے اُس نے اسی جنگلوں کو لوٹنا شروع کیا۔ سال چھ مہینے اُس کی سنگت کا وندہ زور شور سے چلتا رہا۔ اُس نے اس غیر قانونی وندے سے فوب مال کیا۔ ایک دن قسمت نے پٹا کھایا۔ کسی آدمی نے پولیس میں اس کے خلاف شکایت درج کرائی۔ اس کے گھر پر چھاپے پڑا اور گھر سے درجنوں فہمیریں برآمد ہوئیں۔ مگر کی تڑاکی لینے کے بھانے جتنی بھی نقدی گھر میں پڑی تھی اُس پر پولیس والوں نے ہاتھ صاف کر لیا۔ مگر اس ایک پھنسلے میں ککال ہو گیا۔

مگر اُس چھ مہینے جیل میں گزارا۔ ان چھ مہینوں میں اُس کی حالت ایسی خستہ ہو گئی کہ وہ اپنی پانی کا محتاج ہو کے رہ گیا۔ ایک طرف فہد و بندہ نہیں تو دوسری طرف پولیس والوں کی دادا گیری۔ پولیس والوں کے ساتھ کہ جب کسی انسان کا خون لگ جاتا ہے وہ بھانے بھانے سے جو تک بن کر اُس کا خون چوستے رہتے ہیں۔ مگر اُس نے جتنی بھی کالی تھانی کی تھی ایک نووہ چلی گئی اور وہ سے اپنی خورزی بہت جائیداد بیچ کر وہ پولیس اور وکیلوں کی منہ بھرائی کرتا رہا۔ کہنے والے سچ ہی کہہ گئے ہیں کہ کتوں کی کٹی کتوں کوئی گنتی ہے۔ مگر اُس دولت مند بننے کی سنگ میں دل کیا اصل تھی ہار بیٹھا۔ اتنا بڑا ٹونا پڑنے کے بعد اُس نے کھوا وندہ کرنے سے ہمیشہ ہمیش کے لئے توبہ کر لی۔ چھ مہینے کی سزا پوری کرنے کے بعد وہ بھدراہ کے علاقے سے ایسے غائب ہو گیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اُس نے پورے چھ مہینے جیل میں جا کر گزارے۔ وہ اپنے گاؤں اور پولیس کے رو بے سے اتنا

اولی تھا۔ رات کو خمرے کے بنا اسے نیند نہیں آتی تھی۔ اس نے بالم کی بھی عادت بچا ڈی تھی۔ جب وہ سنی میں آجاتا تھا تو وہ زبردستی اس کے سارے خمرے کی بوتل نکال لیتا تھا۔ بالم کو طوعا و کرہا اس نے ہر کو اپنے گلے سے اتارنا پڑتا تھا۔ دھیرے دھیرے اسے بھی شراب کا چسکا لگ گیا۔ جس دن اسے پینے کو نہیں ملتی تھی وہ بے چین ہو جاتا تھا اور رات بھر اور صبح چاتا رہتا تھا۔ وہ خمر اور اس پر غرانا تھا، گھر کا سامان اٹھا کر پھینک دیا تھا اور تو اسے اپنا نزلہ دیا۔

دیکھتے دیکھتے بالم نے بڑے بڑے ہاتھ پاؤں نکالے۔ وہ کھانی کے ایک دم فریب ہو گیا۔ خمر اور اس کو اس کا بڑھتا ہوا ذہن ڈول دیا کہ کھانے کو ڈھونڈنے لگا تھا اس لئے وہ اسے ہلے بھر کے لئے بھی کھانا نہیں چھوڑتا تھا۔ بالم بھی اس طوق غلامی کو پسند کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس نتیجے سے آزاد ہونا چاہتا تھا مگر اس کے فرار کے بھی راستے مسدود کر دیئے گئے تھے۔ خمر اور اس پر وہ اس پر مطلقاً نظر نہیں دیتا۔ رہتا تھا۔ ایسے میں اس کا اس کے چنگل سے خلاصی پانا کار اور والا مسامحہ تھا۔

ایک دن کہا ہوا کہ خمر اور اس نے صبح سے اپنی شروع کر دی تھی۔ رات کے تھک کر دو نیشے میں انٹار میں ہو گیا کہ وہ بالم کو باندھنے کی جگہ کھلا چھوڑ گیا۔ بالم کو اپنی آزادی کا پہلے یقین ہی نہیں آیا۔ جب اس نے کمرے میں کدکڑے لگانے تو وہ خوشی سے بھولے نہیں سہا۔ وہ بہت دیر تک کمرے میں ہو گیا کہ کدکڑے ہاتھ رہا۔ اس سے پہلے کہ وہ یہاں سے چھوٹتا رہتا تھا اس نے خمر اور اس پر ایک زرش نکا ڈالی۔ اسے دو سارے ظلم و ستم پار آئے جو اس نے اس پر روا رکھے تھے۔ اس کی ساری کڑواہٹ اور نفرت عموماً آتی۔ خمر اور اس ایک زندہ لاش کی طرح زمین پر پڑا تھا۔ اپنی جھومکھل اتارنے کے لئے اس نے چھانی پر سوار ہوا اور اس نے اس کے سارے بال تویج

اس جتنے کو بھگانے کے لئے ایک پانچ پھوڑو ہا۔ سارے بندہ زار کے سارے اور ہا ہر بھاگ گئے۔ خمر اور اس بندہ کو پھندے سے نکال کر اپنے ساتھ لے گیا۔

اس نے اس بندہ کے پیچے کا نام بالم رکھ دیا۔ اسے سدھانے میں اس نے اس غریب پر اپنے مظالم ڈھائے کہ وہ سوکھ کر کانا ہو گیا۔ تین مہینے تک اس نے اس بندہ کو رسیوں سے باندھ کر رکھا۔ وہ اسے بہت مارتا پینتا تھا اور کھانے کو بھی بہت کم دیتا تھا۔ وہ اس غریب جانور پر ہر طرح کے ستم ڈھاتا رہا۔ بڑی دیر کے بعد بالم کی کھج میں یہ بات آئی کہ اگر اسے زندہ رہا ہے تو اسے خمر اور اس کے اشاروں کو سمجھتا ہوگا۔ وہ نیزی سے خمر اور اس کے اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا یہی وہ خمر اور اس کی طرح بولنے کی بھی کوشش کرنے لگا۔ بہت جلد اس نے بھدی بھدی گالیاں سیکھ لیں۔ جو خمر اور اس سے اسے سکھاتے سکھانے دینے جا کر آتا تھا۔ بندہ انسان کی طرح بول سکتا ہے ایسا وہ دینی نہ شنیدتی رہتا مگر خمر اور اس نے یہ ممکن کو ممکن بنا کر رکھ دیا تھا۔

ایک سال کے اندر وہ اتنا ماہر ہو گیا کہ خمر اور اس نے جو بھی اشارہ کرتا تھا وہ بھی شرابی بن جاتا تھا، کبھی بے رحم شوہر تو کبھی تھاندار۔ تھاندار بننے ہوئے جب خمر اور اس سے گالی دینے کے لئے کہتا تھا تو وہ اسکی دشنام طرازی پر اتر آتا تھا کہ شریف شرفا کانون میں انگلیاں ٹھونس دیتے تھے۔ پر جو اس بندہ کو انسان کی طرح گالیاں دیتے ہوئے دیکھتے تھے وہ سراپا حیرت بن کر کھڑے رہتے تھے اور پھر وہ بالم کی اس ادا پر واری وادی جاتے تھے اور اس پر سکوں کی بارش کر دیتے تھے۔ بالم جیسے خمر اور اس کا دلہنہ رو کر دیتا تھا۔ اب تو اس کے پورا ہونے کے لئے تھے۔ رات کو جب وہ گھر لوٹتا تھا تو اس کی جیبیں سکوں سے بھری ہوتی تھیں۔ وہ کھانا بھلے ہی بھول جاتے۔ پر وہ خمرے کی لال لبتا نہیں بھولتا تھا۔ وہ فخر کی

نہا اس لئے اس نے اپنی ہار تسلیم کی اور وہ اس علاقے کی بھاری سن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلا گیا۔

اب بالم اس علاقے کا بے تاج بادشاہ تھا۔ وہ آزادی پانے کے بعد بڑا جارج اور بے رحم بن گیا تھا۔ انسان کا ہم نام نہ کر اس کا خون کھول لگتا تھا۔ وہ انسان سے بے احتیاجت کرتا تھا۔ اس کے دل کی کدورت کم ہونے کا نام نہ لے دئی تھی۔ اس نے اس علاقے میں ایسی دہشت بٹھار رکھی تھی کہ دن کو بھی یہاں سے کسی آدمی کا چٹنا مجال ہو گیا تھا۔ اس نے کئی آدمیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ انسان کو دیکھنے ہی لال، بھسوکا ہو جاتا تھا۔ بالم وہ سارے ظلم و ستم بھول نہیں پاؤ تھا جو تھر اور اس نے اس پر ڈھائے تھے۔ وہ ان سارے مظالم کا بدلہ ایک ایک انسان سے لینا چاہتا تھا۔

ایک دن کی بات ہے کہ نورف کاؤن کو ایک نوجوان ابنو دلال محمد وہاں سے اپنے گھر جا رہا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ یہ جانے ہوئے بھی کہ جنگل کے راستے سے جانا یہاں جو گھمب کا کام ہے وہ پھر بھی بہت کر کے اسی راستے سے جانا چاہتا تھا۔ جو کسی دن جنگل کے پیچھے بیچ پھینکا سارے بندر ایک سانحہ چوروں اور نئے نکل کر اوڈھم پانے لگے۔

بالم بھی ایک بڑے سے اڑ کے نئے آباد پھر لٹو دلال کی طرف دیکھ کر غراؤ لگا۔ وہ پورے گوش دھواں اور کہنے۔ دو گھر پھر کا پنے لگا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر بالم کو شانت کرنے کی کوشش کی، وہ بالم کا غصہ شانت ہونے کا تا نہیں لے رہا تھا۔ دو اس کی موجودگی سے ہتھک رہا تھا۔

”بھی کرتا ہے کہ میں تم پر نوت کر نہا دے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔ آخر تم نے میرے علاقے میں پاؤں رکھنے کی جرأت کیسے کی؟“

”میری ماں بچا ہے۔ میں اس کی روانی لینے کے لئے شہر گیا تھا۔ آنے میں دیر ہو گئی اس لئے اس راستے سے مجھے لوٹنا پڑا۔ میں تمہیں بیخبر دلاتا ہوں کہ میں

لئے۔ اس کے بعد وہ اپنے فوجیوں کو گھسوتے لگا۔ اپنی ساری اذیت کے بعد تھر اور اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ دو ورد کی شدت سے چیتنے چلانے لگا۔ بالم کو اس پر زرارہم نہ آیا۔ وہ تب تک آئے اذیتیں پہنچاتا رہا جب تک اس کے سن لی آگ۔ کچھ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ اس کے بعد اس نے گھڑی سے چھلانگ ماری اور پھر یہ جاو جا۔ تھر اور اس کو تیر کی طرح زمین پر بہت دہر تک چڑا کر ہار ہا۔

بالم اپنے علاقے کو بھولا نہیں تھا۔ دو سیدھے نوری کے جنگل میں پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر بندروں کا غول ایک بندھ بنا کر اس کے گرد گھیر ڈال کر وہ جم جانے لگے۔ اس کا سمو کا مکعب جو سب سے خوش قسمت تھا اسے بالم کی موجودگی منظور نہیں تھی۔ بالم سمجھ گیا کہ سب اس جنگل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے تاہم وہ پورا مان کے جا نہیں چاہتا تھا۔ وہ انسانوں کے ساتھ اٹنے سال رہ چکا تھا۔ مگر وہ فریب چھل کیت۔ محسوس تھر نکار کی سیاہی تیر لٹکان اور شہدو باز باں، خوشامد پر تھی اور دروغ بھوتی۔ جو ساری چیزیں وہ انسانوں سے ابھی طرح دیکھ چکا تھا ان لئے اس نے کھانے کے سامنے سرخم کیا اور اس کی شان میں نصیبے چڑھنے لگا۔ مکعب اپنی تھر نہیں سن کر مارے خوشی کے گیا ہو گیا۔ بالم کی جرب زبانی کام کر گئی۔ مکعب نے بالم کو اپنے جیسے میں رہنے کی اجازت دے دی۔

اگلے چند ہفتوں میں بالم نے وہ سارے جز توڑ استعمال کئے جن میں ہمارے سہارا انوں کو با کی مہارت حاصل ہے۔ بالم نے سب سے پہلے لڑاؤں کو اپنے میں گرایا اور اس کے بعد جیتنے بھی جوان نرنے نہیں بھی شیشے میں اتار لیا۔ مکعب اب اکیلا دو گیا تھا۔ بالم نے مکعب پر ہل بول دیا۔ مکعب ان اوجا تک بھار سے پہلے تو دھک رو گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے سمو نے اس سے بغاوت کرتی ہے فو اس کا دل دھک سے ہو گیا۔ وہ اکیلے اتنے سارے بندروں کے ساتھ لڑ نہیں سکتا

نر سے بندر کے بندری ہو گئے۔ ایک بہ جان سہارا اور غیر سہذب جبکہ ہم نے انسان بن کر ترقی فی سہرا کو چھو لیا۔

"اچھا ہوا کہ ہم بندر کے بندری رہے۔ سہرا کی طرح سہذب نہیں بنے، سہرا کی سہذب نے سہرا کی جان اور ہمیں بنا دیا کہ ہم نے انہی جنگلوں کو اونٹ شروع کیا جن کی آغوش میں سہرا کی پرورش ہوئی تھی۔ جنہیں ہم اپنے بھائی کہنے رہے ہم نے ان ہی بھائیوں سے ان کی زمینیں چھین لیں۔ انہیں گھر سے بے گھر کرنے پڑا۔ جہاں ہم نے اپنا رہن بسوا دیا وہاں سے لے کر وہاں بسوں کو راج کیا تو ہم نے ہمیں بے ودی سے بنا دیا۔ ہمارے بچوں کی جان لی۔ ہم اپنے آپ کو سہذب کہنے رہے پھر بھی دوسروں کو حق مارتے رہے۔ ان کے انتہی سببوں کو کھو ہم جنگل میں رہے تو ہم نے ان جنگلوں کو نقصان نہیں پہنچا، ہم نے پھل چڑوں سے اپنی بھوک منا لی مگر کسی کی روٹی نہیں چھتی کسی کو گڑ نہیں پہنچا، کسی کو خر نہیں مارا۔"

"نہ کابل تھے اس لئے ہم انہی جنگلوں میں بھٹکتے رہے۔ ہم نے نو چاند ستاروں کو اپنی مٹی میں سمجھ لیا۔ ہم شہادت کا دعویٰ کرتے ہو تاکہ ہر سہرا سے دوسرے کی سہرا کی آس وہ جب دوسروں کو اپنے منہ کا نوالہ بنانے لگا تو کہا وہ فکل شہرا نہیں ہے۔"

"فدرت کے نظام کے حساب سے جس کو گوشت خور بنا دیا تو وہ کیا کھانے گا۔ وہ گھاس کھا کے بی نہیں سکتا۔ وہ کسی نہ کسی جنگل جانور کو اپنے منہ کا نوالہ بنا ہی لے گا۔ وہ اتنا ہی شکار کرتا ہے جتنے کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ہم تو اس کی طرح صرف مزے کے لئے ہی کی جان نہیں لیتا ہے۔ فدرت نے سہرا سے لے کر فی ساری مینٹینس پیدا کی تھیں مگر ہمیں نہ معلوم اور سہرا جانوروں کی جان کیوں لیتے ہو جب کہ گوشت کھانے

دوبارہ اس راستے پر قدم نہیں رکھوں گا۔ اس بار مجھے سہاف کر دو، مجھے سہاف کر دو۔"

"نہیں کبھی نہیں، میں تمہیں کبھی سہاف نہیں کر سکتا۔ سچ کہوں تو میں انسانوں سے پہلے ہی نفرت کرتا تھا اور آج بھی کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا کیونکہ ہم انسان جتنے شاطر ہوتے ہی کہنے اور احسان فرما سوش ہو۔ مجھے تم انسانوں سے تمہن آتی ہے۔ کیونکہ تم خود غرض اور مطلب پرست ہو۔ جب مشکل میں ہستے ہو تو اپنے مالک کو باؤ کرنے لگتے ہو، جب مطلب نکل گیا تو اپنے خدا کو بھی بھول جاتے ہو۔ میں تم انسانوں کی فیس فیس سے واقف ہوں۔ یاد دو جا مرنے کے لئے۔"

"مجھے یاد کر اگر تمہارا قصاص پورا ہوتا ہے تو بے شک مجھے یاد دلاؤ۔ مگر مرنے سے پہلے میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اب کے ابشور نے ہم سے بنا کے پوچھا۔"

"پوچھو کیا پوچھنا ہے؟" ابشور نے فرما کر پوچھا۔
"کیا سچ کہتے ہو کہ تم سب پہلے بندری بن کر انسانوں میں آئے تھے؟"

"ہاں، یہ سچ ہے کہ ہم سب بندری بن کر ہی انسانوں میں آئے تھے۔ ہم بے ذوق تھے ہم سونے رہے تھے کہ ہم بڑے سہرا نے نکلے ہم نے چار جنگلوں کی جگہ دریا جنگلوں سے پہنچا شروع کیا۔ تم اور اپنی اڑان بھرتا چاہتے تھے، اس زمین پر قابض ہونا چاہتے تھے اس لئے ہم نے اپنے آپ کو بدلا شروع کیا مگر اس بدلاؤ میں تم اپنے بے رحم سہرا اور خود غرض بن گئے کہ تم اپنی مصلحت ہی بھلا بیٹھے۔"

"جیسے تم سہرا کی اور خود غرضی کہتے ہو وہ اصل میں تمہارے ارتقا کی شروعات تھی۔ ہم نے زمین کے درپے کھول دیئے اور ہم آگے بڑھے جب کہ تم نے اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ براستہ بنانا تمہیں جنگل کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے اس جنگل میں رو کر تم

ایک انسان دوسرے کو مار رہا ہے اور اسے زنی و تہذیب کا نام دے رہا ہے۔ ایک نگاہ اپنے گرد پیش میں ڈالو اور پھر مجھے بتاؤ کہ کیا ہم لوگ اشرف المخلوق کہلانے کے لائق ہوں۔

”میں ماننا ہوں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک نہیں ہو رہا ہے۔“

”تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے اعتراض کرنے سے کل سے یہ سب کچھ بند ہو جائے گا۔ نہیں یہ کبھی بند نہیں ہوگا۔ بفرل و عمارت، یہ خون ریزی، یہ تشدد، یہ جنگ و جدل، یہ سب کچھ تمہارے خون میں رسی کس گیا ہے۔ تم مہذب تو بنے مگر تم نے اپنی وحشی بہلت کو اپنے آپ سے الگ نہیں ہونے دو۔ تم کو جب بھی سوچ ملا تم نے ہم سے بھی براسلک کیا۔ تم کہتے کہ تو انسان کہلاتے جاؤ تو مگر تم نے اپنے فعل و عمل سے انسانیت کو شرمسار کر کے رکھ دیا۔ مجھے بتاؤ کہ جنہوں نے کشمیر میں بیٹے لوگوں کو جن جن کے مارا وہ کون تھے؟ مجھے بتاؤ کہ پاکستان میں جو آئے دن بے گناہ شہریوں کو بموں کا نشانہ بنا جا رہا ہے وہ کون لوگ ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ عراق میں، شام میں، افغانستان میں، صومالیہ میں جو فساد و عارت ہو رہا ہے یہ سب کون کر رہا ہے؟ تم اپنے آپ کو انسان کہتے ہو تو پھر مجھے بتاؤ کہ آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ کون کر رہا ہے؟“

”ہاں یہ سب کچھ ہم انسان ہی کر رہے ہیں۔“

”تو پھر تم اپنے آپ کو کس منہ سے اشرف المخلوق کہتے ہو؟ اور تم نے تم سے بھی جاہل اور خود غرض ہو۔ کہتے اور بے رحم ہو۔ تم کو بچوں پر دیا نہیں آتی۔ تمہیں بزرگوں پر زبردستی نہیں آتی۔ تم خود توں پر رحم نہیں کھاتے ہو۔ ارے کس طرح کے مہذب ہو تم۔ بڑی بڑی مشینیں چلانے سے لارہ ہلک آتھا رچا کر کرنے سے تم مہذب نہیں کہلائے جا سکتے ہو۔ تم جس تواریخ بھر بھی انسان نہیں

کے لئے تم کو پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ تم تو قدرت کے بنائے گئے اصولوں کی خلاف ورزی کرتے رہے پھر بھی تم نہایت کار موئی کر رہے ہو؟“

”اگر ہم کسی جانور کی جان لیتے ہیں تو تم بھی انسانوں کی جان لیتے ہو؟ ہم جنگلی جانور انسان کی جان نہیں لیتے ہیں جب ہماری جان کو خطرہ پیدا ہو جائے۔ اپنے دفاع میں کسی کی جان لینا کوئی گناہ نہیں ہے۔ تم لوگوں نے تو اپنے ہی لوگوں کی جان لینے سے گریز نہیں کیا، کبھی دین و دھرم کے نام پر تو کبھی ملک گیری کی ہوس میں تم لوگوں نے ہزاروں لوگوں کی جانیں لیں۔“

”یہ جو تمہاری حرم دہوس ہے اس نے تمہیں ہم سے بھی بڑا زور وحشی بنا دیا۔ ہمیں دکھو ہم آپس میں کتنے اطمینان اور سکون سے رہ رہے ہیں۔ ہم نہ کسی کا کھانا کھاتے ہیں نہ کسی معصوم کی عزت لٹوتے ہیں۔ نہ کسی کا گھر اجاڑ دیتے ہیں اور نہ کسی کو زندہ جلا دیتے ہیں۔ نہ کسی کو تم سے اڑا دیتے ہیں اور نہ فون کی ندیاں بہاتے ہیں۔ ہم بھوکے ہوں تب بھی نشتر نہیں سونے کے آخر میں یہ کس تہذیب کی وہلی دے رہے ہو؟“

”چند لوگوں کے افعال سے عالم انسانیت کو پتہ چلا سکتا نہیں بنا جا سکتا۔ یہ سب مجھ کو کہ انسان ہی ہے جسے قدرت کی طرف سے اشرف المخلوق کا خطاب ملا ہے۔“

”تمہیں جو خطاب ملا تھا اصل زندگی میں تو تم نے سب کچھ اس کے الٹ کر کے رکھا۔ اپنے ہی بھائی بندوں کو مارنے کے لئے تم نے ہلک سے ہلک اختیار بنائے۔ اس سے بھی نسل نہ ہوئی تو تم نے اہل علم کو بنایا۔ اپنے ہی ہاتھوں تم نے اپنے دجو کو مٹانے کے لئے وہ سب کچھ بنایا جس کی تمہیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ اصل میں فریضہ جو ہوا تم سب کے سب اپنا پرستی اور مادہ پرستی کے ارادے کے شکار ہو۔ اپنی برتری کا تم کرنے کے لئے

آدی کے خول میں جا کر گھسے ہو گلت میں ہی رہے ہو۔ سب کچھ پانے کی گٹن، دولت کمانے کی بول، جنس و عشرت کی زندگی گزارنے کی حرص، ان سب چیزوں کو پانے کے لئے نم نے ہمیشہ گلت برتی ہے اور یہ سب چیزیں پانے کے لئے نم نے وہ سب کچھ کہا جو انسانیت کے داڑھے سے باہر ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ مہری باتیں تمہیں کڑوی لگیں گی کیونکہ مہری باتیں جی ہیں نا، تم سچ شناسند نہیں کرتے۔

ابھی وہ ان بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ چاکلی شیر کی حواض سنائی دی۔ حواض میں کپور سے سموہ میں گھللی گچ گئی۔ ہر کوئی اپنی جان بچانے کی خاطر ادھر ادھر پناہ لینے لگا۔ ایشور کے لئے جیسے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ شیر اس کی طرف بڑھتا پلا آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے اگے اندھیرا چھا گیا۔ اسی اپنی سوت ٹھک سانسے دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے پہلے شیر اس پر پھبت پڑے بندروں نے ایک ساتھ اودھم مچا دیا۔ شیر اس شور غل سے اس قدر بدحواس ہو گیا کہ وہ ایشور کو شکار کرنے کی بجائے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ ایشور نے منکر مہری نظروں سے پالم کی طرف دیکھا جو ایک چیز کی شان پر پیٹھ کراہنے گروہ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس کے بعد وہ تنکانے سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ ٹھک رات کے بارہ بجے وہ اپنے گھر پہنچا۔ رات بھر بندر کی گئی ہوئی انہی اس کے ذہن پر تھوڑے بن کر رہتی رہیں۔ اس کی گئی ہوئی باتیں اسے رات بھر ٹوہتی، کچھوٹی رہیں۔ اسے اپنے آپ سے گھن آنے لگی۔ وہ سوچنے لگا کہ انسان کی کرنی ایسی ہے کہ وہ انسان کھلانے کا حقدار نہیں ہے، انسان سے بہتر تو یہ ہنگلی جانور ہیں جو وحشی کھلانے جاتے ہیں پھر بھی حیوانیت کا مظاہرہ نہیں کرتے، انسان کی طرح۔

(بیکر بہا ہاسٹہ "مختص" لا ۱۹۷۷ء)



ہے۔ تم اپنے مفاد کے لئے اپنے خدا کو ہزار ہا بازار میں بچ کے آتے ہو۔ ہمیں دیکھو ہمارا نہ کوئی مذہب ہے نہ کوئی مذہب، پھر بھی ہم کچھ شافی سے رہتے ہیں۔ تم نے تو اپنی اس چھوٹی سی دنیا کو مذہب کے خانوں میں بانٹ لیا ہے۔ کوئی اللہ کے نام پر خون بھاتا ہے تو کوئی ایشور کو اپنے گنہوں کا سامنے رارہ لیتا ہے۔ کئی مسجد کی خاطر گرجے کو اڑاتے ہو تو کئی مندر کی خاطر مسجد کو مسمار کر دیتے ہو۔ یہ مٹکڑا ہے کس کا؟ خدا کا، اللہ کا، ایشور کا، گاڈ کا یا انسان کا۔ میں آج تک تمہاری منتقلی تمہارے فلسفے کو سمجھ نہیں پایا۔ میں کیا تم خود اپنی فطرت کو سمجھ نہیں پاتے ہو۔

"تمہیں انسان میں تخریب کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ تم اس کے تمہری کاموں اور کنارے کے بہ جانا چاہتے ہو کہ ہر مذہب کے کام کا ذمہ دار انسان ہے۔"

"تم نہیں تو اور کون ہے؟ میں تو جنگلوں میں رہتا ہوں۔ میرا یہاں نہ کوئی نظام ہے نہ کوئی قانون ہے پھر بھی مضابطہ دیکھ لےنا۔ ہم جنسی لذت کے لئے کبھی کی عزت نہیں لائے۔ ہمارا جنسی اختلاط افزائش نسل کے لئے ہوتا ہے۔ وہ بھی اسی مادہ کے ساتھ جو اس کے لئے تیار ہو۔ ہم غیر مذہب ہو کر بھی زنا بالجبر نہیں کرتے۔ قدرت نے کچھ اصول ہمارے لئے بھی طے کئے ہیں جن پر ہم بغیر کسی دباؤ کے عمل کرتے ہیں۔ تم انسان، جانور کھلانے کے لائق بھی نہیں ہو کیونکہ چھوٹی چھوٹی بچوں تک کو اپنی حیوانیت کا مظاہرہ دیتے ہو۔ اتنا ہی نہیں باپ اپنی بیٹی کی عزت کو قضا ہے، بھائی اپنی بہن کی، پھر بھی تم انسانیت اور شرافت کا مہرئی کرتے ہو۔"

ایشور لاجواب ہو گیا۔ اس کے پاس پالم کے سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اس بند سے دیکھا پھر اٹھا چاہتا تھا وہ بولا۔ "مجھے یہ اور ہی ہے مجھے پلانا چاہئے۔"

"ہاں تم تو ہمیشہ گلت میں رہے ہو۔ تم تو جاب سے

قیامت

سبھروں میں سے ان آئندہ اور خطباء کو نکال دیا جائے جو کسی مدرسے سے فارغ التحصیل نہ ہوں اور امامت کو محض کاروبار سمجھ کر پیشے کی حیثیت اختیار کر رکھی ہو اسل میں یہی لوگ فساد کی جڑ ہیں جو دین کی اصل روح کو تو سمجھتے نہیں اور جبہ و ستار پر جبراً نغمہ کر رکھا ہے۔

محمد افضل رحمانی

بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں، کہنی ہیں کہ جب خبیث کی بیوی کا وقت فریب آیا تو انہوں نے ذر ناف بال صاف نہ کرنے کے لئے اسزانا کا چنانچہ انہیں اسزاونے دیا گیا۔ اتفاق سے ایک گھن پھراں وقت خبیث کے پاس پہلا گیا۔ گھر والوں نے دیکھا کہ دستران کے ہاتھ میں ہے اور پچان کے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائے۔ خبیث نے فرمایا کہ کیا تم نے سمجھتے ہو کہ میں پچر کوئی کر دوں گا انہیں خدا کی قسم میں اسبا نہیں کر سکتا۔

پشاور میں سنگ دل قاتلوں نے کون سا اسلام ایجاد کیا ہے۔ بدھ تو ہاتھ میں اسزانا اور کربے میں جانی دشمنوں کا پچہ موجود ہے لیکن اپنے دشمنوں اور قاتلوں کے بچے سے بدلہ نہیں لیا۔ یہ سب مصلحت ہے کہ اردوں سے امریکہ کے دور آپریشن فون کرے اور اس کے جواب میں مسموم گلیوں کو مسل دیا جائے۔ یہ تو انسانی بہوں کا معاملہ ہے کیا سنگ دل قاتلوں کے دل دو اراغ ہیں۔

پشاور کے آری سکول میں وہشت گزروں نے بیگ ولی اور نشاوت نسلی کے نام دیکر رڈ توڑ دیے۔ 150 انسانی جانیں جہنم زدوں میں ضائع کر دیں جن میں 132 مسموم طلباء بھی شامل ہیں۔ گو اس قسم کے واقعات روس، امریکہ وغیرہ میں ہو چکے ہیں لیکن عالم اسلام کی بندرہ سوسائٹی کی تاریخ میں ایسی سنگ ولی کی مثال نہیں ملتی۔ مسلمان کسی بھی کسی بھی وقت کسی بھی حالت میں اپنا سنگ دل واضح نہیں ہوا حتیٰ کہ حالت جنگ میں بھی بچوں کے قتل سے منع کر دیا گیا ہے بلکہ مذہبوں میں سے بھی نابالغ بچوں کو علیحدہ کر لیا جاتا تھا اور انہیں قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ صرف ان نابالغ مذہبوں کو قتل کیا جاتا تھا جو اپنے جرم کی سنگینی کی وجہ سے سزائے موت کے حقدار ہوتے تھے۔

حضرت خبیث کو مکہ میں سولی دی گئی مگر میں اپنی الوہاب نے سوادنت کے بدلے میں انہیں خردا خاٹا کر دینے باپ کے بدلے میں انہیں قتل کرے۔ جگر کی لوٹھی جو

○ لال مسجد آپریشن کا سب سے زیادہ نقصان حکومت کو ہوا۔ (قاضی حسین احمد مرحوم)

○ لال مسجد آپریشن سابقہ جلیانوالہ باغ سے بڑا جرم ہے۔ (مہدی گل)

○ لال مسجد آپریشن حکومت اور اہل فقہ امریکہ کو دکھانے کے لئے کیا گیا۔ (جاوید ہاشمی)

○ جس مذور لاقانونیت ہے اگر خودکشی جائز ہوئی تو کر لیتا۔ امریکہ سے شاپاٹ لینے کے لئے ایک فون کال پر لال مسجد کے خلاف آپریشن کیا گیا۔ سینکڑوں معصوم جاں بحق ہوئے۔ (بزرگ پارلیمنٹریں مزد)

○ افاضی الدارین اور مجلس عمل کی اہمیت پر لال مسجد آپریشن کے خلاف ملک گیر احتجاجی ہزاروں افراد کے باہر سے غائبانہ نماز جنازہ لوگ رونے سے بھرناؤں کے پٹے نذر آتش، حرالی سے پناہ رنگ و ام میں غم و غصہ مساجد میں مذبحی فرار و اہل بے مکران ہزاروں معصوم بچوں کے قاتل ہیں یہ نفاذی خاندان کی خواہشیں کا ریاضہ خم کیا جائے، سپریم کورٹ نقصانات کر سے (مقررین کا مطالبہ)

○ جاسوس مسجد اقصیٰ میں ہونے والی غائبانہ نماز جنازہ، 10 ہزار افراتفری و افراد کی شرکت لاہور پریس کلب کے نشانی سے: مظاہر، قاضی کا منصورہ میں اجتماع کے خطاب، شہر انوالہ گنہ گار اور گوجرانوالہ میں بھی اجتماعی ہیلوں، حکومتی اذکار کی مذمت متیونہ شہر میں بڑے لہرہ مظاہر سے کئی حریت کارکن گرفتار، ملی گیلانی نظر بند، حکام کا احتجاج جارحی، آپریشن لال مسجد کی شدید مذمت۔

○ لال مسجد آپریشن بے گناہ افراد سے گئے، پاکستان کی ملکی طور پر مذمت ہوا۔ (عمران خان)

○ ایک سنور کے تیش کا ڈنڈہ پر کمر سے ساہو قاء مسلم نوجوان نے پوچھا۔ "کیا میں سے آئے؟" میں نے کہا۔ "پاکستان سے"۔ کام کرتے گرنے اس کے

ہات نہ آئی کہ ان ماڈل کا کیا حشر ہوگا جن کے جگر کو تے ہمیشہ کے لئے ان سے جدا کر دیے گئے۔ سردار جن وانس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز داری پر منہ پکے تھے۔ جب اٹانے سز میں ایک صحابی نے ایک چڑیا کے بیج پکھولے تھے اور چڑیا اپنے بچوں کی جدائی میں بے قرار ہو گئی تھی وہ زمین پر پڑی اور نہایت پریشان تھی کہ نئی کمر نے اس کی حالت دیکھی تو ارشاد فرمایا اس چڑیا کے بیج جس نے پکھولے ہیں وہ وہیں اس کے گھونسلے میں رکھو اسے چنانچہ آپ کے غم کی تسکین کی گئی۔

مولانا عبدالعزیز سے

گو مولانا عبدالعزیز نے پناہ کے واقعے کی مذمت کر دی ہے۔ میں ان سے خوفزدہ دل سے گزارش کروں گا کہ ہر اہم بہت کچھ کہتے ہیں، لیکن میں جذبات میں بہر کر کوئی غلط الفاظ لکھنا نہیں چاہتا صرف اتنا کہیں گا کہ جب آپ کی لال مسجد میں معصوم بچوں اور مردوں کی بچوں اور بچوں کو گولیوں سے بھونک دیا گیا تھا اس وقت بھی قوم نے اس انداز تک واسطے کی مذمت کی تھی اور صلیب والوں نے اپنے آپ کو انتہائی خطرے میں ڈال کر تمام واقعات کو رو بہت کیا تھا۔ سیاستدانوں، علماء، کرامہ و انشوراء کا نام لگا دیا ہے مگر پورے لینے سے مذمت کی تھی۔ صرف چند حوالے لکھنے پر تین دن کتنا کروں گا۔

○ آپریشن اس وقت کیا گیا جب صحابی قادر سولا طے پا چکا تھا لیکن صدر (پرویز شریف) نے بھر پور طاقت استعمال کی اور اندھا و ہندو خون بہا بلہ مغلوب ڈھاکا جیسے حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ (نواز شریف)

○ لال مسجد میں امنیابیت سوز آپریشن امریکہ و باڈ پر کیا گیا۔ جنرل مشرف اسلامی مراکز کو ہشت کر دی کے روپ میں پیش کر کے اپنی نوکری کچی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (نواز شریف)

اپنی تعلیم کی اشاعت کے لئے تھے اور نہ دوسرے مذاہب کے لئے موجب آگراہ و رب العالمین نے اسلامی جہاد کی جو وجہ بیان کی ہے وہ فرآن مجید میں موجود ہے۔

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی مدافعت نہ کرتا اور بعض کے ذریعے بعض کو نہ بنا دیتا تب صورت اور بیخ اور صلوة اور ساجد جن میں اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے۔ ضرور گمراہی جانی اور جو اللہ (کے مقاصد) کی مدد کرتا ہے، اللہ تو قوت والا اور غلبہ والا ہے۔

ضوابط، ضوابط، ضوابط کی طرح ہے لغت میں اس عمارت کو کہتے ہیں جو اوپر سے پتلی ہوتی جائے اور پتلیان فوہر زشا کے غنوت خانے ہی شکل کے ہونے تھے۔ بندوں کے مندروں کی جگہ یہی شکل ہے اور اس م سے صرف ہیں۔

بیغ، بیغ کی بیغ ہے اس سے مراد بیسائیوں کا گرجا ہے۔

ضلوفا، یہ عبرانی ضلوفا کا معنی ہے اس سے مراد یہودیوں کی عبادت گاہ ہے۔

نساہد، مسجد کی جمع ہے مسلمانوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔

آب آیت بالا میں غر کر د آیت کریمہ یہ ظاہر کر رہی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لئے ہی گئی کہ وہ نام نہاد ظالم کی آزادی کو قائم کر دیں، بدامنی دور کر دیں، پادشاهوں، بیسائیوں، یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی نقص نہ پہنچے۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ ایرانیوں نے ہر بڑے عہد حکومت میں ایسا کوئی ایک پر قابض ہونے کے بعد بیسائیوں کے گرجوں کو گمراہ بنا دیا تھا۔ دس سال بعد عیسائیوں نے وہاں غلبہ کے بعد پادشاهوں کی عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا تھا۔ شاہان زمانے یہودیوں کے سب عبادت خانے زمین کے برابر کر دیئے تھے، غیر ملکا، دود

پانچ روک گئے اور وہ۔ جہاں مسجد پر حملہ کر کے عورتوں اور بچوں کو مار دیا گیا؟ میں نے جواب دیا۔ ہاں وہیں سے تھکن یہ سب کچھ ہم نے تمہارے اور امریکہ کے لئے کہا ہے، اس کی آنکھیں غضب ناک ہو گئیں۔ مت کہو ایسی بات تمہیں پتہ نہیں کہ مسجدوں پر گولی نہیں چلائی جاتی، ہمیں خوش کرنے کے لئے تم اپنے اللہ کو بھی بھول جاتے ہو، جناب صدقہ کی تقدیر کسی دُخم پر مہیا نہ رکھ سکی ان لئے کہ آئینہ اس وقت کی حدت اور شدت کا اندازہ ہی نہیں جو پاکستان پر گزر گئی جس نے سولہ کروڑ انسانوں کے سینے پھٹتی کر دیئے اور جس کی تپش کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ (فتوح خیابان جناب عرفان مدنی سے ایک انٹرویو)

○ شہیدوں کے گھر پر شہادت اور شہادت کا جھنڈا گانے والوں نے بے نصیبوں کے زخموں پر نمک پاشی کی ہے۔ اب یہ مسجد معلوم لوگوں کی ارواح کا گھر بن چکی ہے۔ اب یہ مسجد ایک قبرستان ہے۔ تریبان کا انتقام گاہ بن چکی ہے۔ اب اس مسجد سے اللہ اکبر کی نہیں بدعاؤں کی بازگشت سنائی رہتی ہے۔ سب رنگوں پر اللہ کا رنگ غالب ہے۔ مسجد کا لال رنگ شہیدوں کے لہو اور سفید رنگ بے گور و کفن لاشوں کے کفن کی یاد دلاتا رہے گا۔ (مترجمہ طیبہ ضیاء چورہ روزانہ بندگی میں تھمتا ہے) سے ایک انٹرویو)

مولانا دیکھ لیا آپ نے حالانکہ یہ میں نے صرف چند حرف لکھے ہیں لیکن آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس وقت بھی پوری قوم نے اس سانحے کی مذمت کی تھی۔ آج آپ پشاور سانحے کی مذمت کرنے پر تہذیب کا شکار کیوں ہوئے؟

جہاد کا ہتیاوی مقصد

میں ذور وے کر کہنا چاہتا ہوں کہ اسلامی جہاد نہ

باز آئے۔ ہانی اسلام حضرت محمد کریمؐ نے کب فرمایا تھا کہ لوگوں کو کھوار کے زور سے مسلمان کرو۔

ایک عذر اور اس کا جواب

شاید یہ کہا جائے کہ کافروں کو بالجبر مسلمان نہیں کیا جاتا جو مسلمان ہیں ان پر اسلامی قوانین کا نفاذ ضروری ہے۔ تو میں کہوں گا کہ بے شک مسلمانوں کو اسلامی طرز زندگی اپنانا چاہئے۔ ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ بھی لازمی ہونا چاہئے بلکہ فی الواقع ہونا چاہئے لیکن جن لوگوں کو آپ نے سجدوں میں بھرے بازاروں میں، بسوں میں، بادوں سے اڑاوا۔ کیا آپ کو پتہ ہے کہ وہ اسلامی نظام سے باقی بچے کیا آپ نے عام لوگوں تک اسلامی نظام کی برکات کا پیغام یا نمونہ کتنا پہنچا دیا ان کے دماغوں میں اسلام کی سچائی اور دیگر مذاہب پر اسلام کی برتری ثابت کر دی۔ مبرا دکھائی ہے کہ آپ تمام الناس تک اسلامی خلیفہ کی اصل روح پہنچانے میں نہی طرح ناکام رہے ہیں۔ آپ نے اسلام کو پوری دنیا میں پھیلانے کا ارادہ کیا ہے اور اصل اسلام و اسلام سے منحرف کر دیا ہے۔ آپ نے آج جو اسلام کی صورت پیش کی ہے کوئی اصل کا اندھا نہیں اب اسلام کا نام لے گا۔ آپ کی چشم پوشی سے بعض مسلمان اس جاہت تک پہنچے ہیں جو کامل رحم ہی کہنا جا سکتی ہے۔

میں ایک امیر آدمی کے گھر ظہر اہل کو باتوں کے دوران اس نے اپنی مباحث کا ذکر شروع کر دیا اور کئی بار وہی حکوں کے نام گوائے جہاں کی دوسرے چکا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کدو دینے بھی گئے۔ جنت سے بولا کہ نہیں۔ دراصل اوھر جانے میں مجھے دیکھی نہیں ہے۔ میں نے کہا جناب دو تو مسلمانوں کے سبزک مقام ہیں۔ کدو انکڑہ میں خانہ خدا ہے اور دینے طیبہ میں واقع رسولؐ ہے۔ کہنے لگا معاف کرنا۔ میرے علم میں ایسی کوئی بات

نے 80ء میں بروہلم کی عبادت گاہ گراوی بھی۔ فلسطین کی والدہ کے حکم سے گوزا کرکٹ گرانے کی جگہ بنا گیا تھا۔ مسلمانوں کی مساجد تو بالکل ہی غیر محفوظ تھیں کیونکہ پاری، زمامی، لھرانی مسلمانوں کے خلاف بالافغان عداوت پروڈنے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اٹھایا اور پھر انہی کے کندھوں پر تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کی حکایت کا بار رکھا اور انہوں نے اس بار کو خوشگوار فرض کے طور پر اٹھایا اور خلفائے راشدین، خلفائے بنو امیہ، خلفائے بنو عباس کے ادوار حکومت میں متورخ ایک مثال دینے سے بھی قاصر ہے کہ کسی مذہب کے عبادت خانوں کی توہین کی گئی ہو گرانے تو بہت دور کی بات ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے بیت المقدس کے گرجے میں صرف اس وجہ سے نماز نہیں پڑھی تھی کہ کہیں مسلمانوں کو عیسائیوں کی عبادت گاہوں میں گھسنے کا جواز نہ مل جائے۔ جب اسلامی لشکر نے اسکندریہ فتح کیا تو منورح رعایا نے استغاثہ کیا کہ ان کے ایک بت کی آنکھ کسی مسلمان نے توڑ دی ہے، تو جی افسر نے کہا کہ اگر تم یہ ثابت کرو کہ ہماری تونج کے کسی شخص کا یہ فعل قیام امن کے بعد اور یہ دو افسانہ خفا تو میں تم کو اعتبار دیتا ہوں کہ تم بے شک میری ایک آنکھ چھوڑ دو۔ یہ فعل سن کر سب لوگ سکون کے ساتھ وہاں سے چلے گئے۔

اوپر تو یہ حالت ہے لیکن پاکستان میں عجیب و غریب مانائوں اسلام ستارے کر دیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہیں تو درکنار سجدوں تک کو معاف نہیں کیا گیا اور شیڈول مسجدیں، بسوں کے دھماکوں سے خاک کا ڈھیر بنا دی گئی ہیں۔ یہ گناہ نمازیوں کو بغیر کسی جرم کے شہید کر دیا گیا جن کی تعداد بے حد و حساب ہو گئی ہے میں نے خود اپنے کانوں سے سنی دیکھی کہ کتنے شاہے کہ اگر سچی اسلام ہے تو ایسے اسلام کو سلام۔ ہم ایسے اسلام سے

جواب طاقت سے دینا بعض دفعہ کارگر بھی ہوتا ہے۔ اس صورت حال کا اصل حل میرے نزدیک یہ ہے کہ نکلنے پسندوں کی برہنہ داشتگی کی جائے، ان کے ذہنوں میں جن غلط نظریات کو بنھ دیا گیا ہے اور وہ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں انہیں سمجھا دیا جائے اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقے بنائے جاسکتے ہیں۔

1. اعتدال پسند علماء کرام کو سرکاری ٹی وی اور پرائیویٹ چینلوں پر کالی وقت دیا جائے اور وہ پوری تیاری کے ساتھ قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ میں سے مستند واقعات اور حوالہ جات سے ثابت کریں کہ اسلام کی اصل روح کیا ہے۔

2. جمعیات، گز، بازار، اسلامی سیکرٹریٹس، مساجد اور مدارس میں وہ قلمی جہاد کریں اور اپنے مضامین میں پوری لیاقت اور خداواد صلاحیت کو بروئے کار لانے ہوئے ایسے مضمون سپرد قلم کریں جن میں اسلام کی صحیح تصویر زہن میں آئے۔

3. خطبات جمعہ میں بھائے اس کے کفر و دارانیہ گفتگو کی جائے ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے اور ان بھائیوں کا کردار ادا کریں کہ جن کے گھر کو دشمن نے آگ لگا دی تھی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ آگ نہیں کے جھڑے تو چلتے ہی رہیں گے لیکن پھلے اس سے پنتا چاہئے جو سرے کے ہارے گھر اٹھانے کے در ہے۔

4. بھائیوں کی سطح پر اپنا نہ جنگ ہونی چاہئے جس میں مسزین علاقے کے علاوہ مساجد کے خطبہ حضرات کو بلور خاص مدعو کیا جائے واحد ایجنڈے پر کہ علاقے میں اس کس طرح قائم رکھا جائے اس طرح مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام کو باہم ملنے کے مواقع فراہم ہوں گے جو خوشگوار نتائج کے حامل ہوں گے۔

5. جو علماء کرام طالبان کے علاوہ باکمانہ دل ہیں اور راست مل سکتے ہیں اور گفتگو کر سکتے ہیں وہ

ایک نوجوان لڑکا جو ملک سے باہر رہتا تھا اس کا والد کافی دنوں تک ہسپتال میں ذہن علاج دینے کے بعد مر گیا اس کی داڑھی بڑھ گئی تھی۔ وفات کی اطلاع پر لڑکا واپس آیا اور باپ کی برہمی ہوئی داڑھی دکھ کر ڈاکٹروں پر برس پڑا اور کہتے لگے تم لوگوں نے میرے والد کی یہ کیا شہسویں شکل بنا دی ہے۔ حجام کو بلوا کر داڑھی کو صاف کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ خدا را سوچئے، ایسے لوگوں پر اسلام کیسے نافذ ہو سکتا ہے۔ اسلام نافذ کرنا ہے تو پہلے لوگوں کو اسلام سکھاؤ، بندوں رکھو، کتاب ہاتھ میں لو اور لوگوں کے دروازوں تک پہنچو۔ نبی کریم کی تیرہ سالہ کی زندگی کو نکالو اور رکھو۔

تصویر کا دوسرا رخ

ایک نوجوان لڑکی اپنی والدہ کے ساتھ میرے پاس آئی۔ میں نے بغیر چپک کر نے کی غرض سے اسے کہا کہ ہاتھ ادھر رکھو۔ کہنے لگی مامی صاحب! صاف کرنا اگر آپ بغیر چپک نہ کریں اور میں اپنی باری خروڑ بائی بنا دوں تو آپ نہ افسوس ڈنہ کر سکتے۔ میں نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ ویسے تم بغیر چپک کیوں نہیں کرانا چاہتی؟ کہنے لگی۔ دراصل میرا دل نہیں چاہتا کہ کوئی غیر مرید میرے جسم کو ہاتھ لگے۔ میں دل میں خوش ہونے کے علاوہ حیران بھی ہوا۔ مجھے بتاؤ، کس بندوں برادر سے ڈر کر ایسا کر رہی تھی؟

علماء حق سے ہمدردانہ اپیل!

گوشتہ پسندوں کے خلاف پاک فوج آپریشن کر رہی ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ مسئلہ ہو جائے گا کیونکہ جنگ کسی مسئلے کا حل مل نہیں ہوتی بلکہ بعض دفعہ جنگ سے مسائل مزید اچھ جاتے ہیں البتہ طاقت کا

ہائیں نہ بیجے ہائیں۔

10۔ مسجدوں میں سے ان آئمہ اور خطباء کو نکال دیا جائے جو کسی حد سے فارغ التحصیل نہ ہوں اور امت کو گھٹس کا دو بار کچھ کر چینی کی حیثیت اختیار کر رہی ہو اصل میں یہی لوگ فساد کی جڑ ہیں جو دین کی اصل روح کو تھکے نہیں اور جب دوسرا پر جبراً قبضہ کر دکھائے۔

11۔ قصہ گوراعظمین فرقہ وارانہ آگ کو بجھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں چھک وہ خوش آواز نور جذبات میں فیکل چمانے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کے اہلادبیان میں کات اور طرز تکلم میں بلا کی مفاہیست ہوتی ہے انہیں مخالف فرقوں کے جذبات سے کھینچے کاٹن آتا ہے اور چند اختلافی مسائل طوطے کی طرح رٹے ہوتے ہیں ان کی زبانیں ہم دھماکوں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں انہیں عوام الناس میں جانے لدا اپنے فن کا مظاہرہ کرنے سے روکا جائے۔

12۔ مجلس، جیہہ مجمع عالم دین کی قدرتی جائے۔ انہیں معاشرے میں ان کا صحیح مقام دیا جائے تاکہ نام نہاد، علاقے، فہمائے اور جعلی مابیندیت چوری نہ کر سکیں۔

13۔ نام نہاد دانشوروں کوئی پروا اپنا اسلام پیش کرنے سے روکا جائے اور ان دانشوروں کو پابند کیا جائے کہ اپنی بے بنیاد رائے سے اسلام کے روشن چہرے پر سیاہی کے دھبے نہ لگائیں۔

14۔ پشاور سانحے کے بحرسوں اور ان کے ماسٹر ماسٹرز کو کڑی سے گڑی سزا دی جائے۔

15۔ اللہ سے دعا بھی کی جائے کہ اللہ پاک ملک پاکستان کی حفاظت فرمائے، ہر پاکستانی کو اپنا عاصیہ بھی گناہ چاہے کھڑو تو چل سکتا ہے علم زیادہ دہ نہیں چل سکتا۔

دلائل سے سمجھائیں کہ موجودہ حالات میں وہ اپنا بھی نقصان کر دے ہیں اور خدا اعلیٰ ملکستان کا بھی اور اسلام کا بھی۔ اگر ان کے دماغ میں انٹراضر اور جوش بھر دیا گیا ہے کہ وہ اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور اس کا تو ذمی تو کیا جاسکتا ہے اور یہ کام صرف علماء ہی کر سکتے ہیں۔

6۔ مدرسوں کو کسی صورت نہ پھیرا جائے کیونکہ مدارس دین کے ٹیکے ہیں۔ وزیر داخلہ کا بیان ریکارڈ پر آ چکا ہے کہ لوہے فیصد مدارس اہست گردی سے پاب ہیں اور وہاں دہشت گردی کی تعلیم بازرنگ نہیں دی جارہی۔ وزیر داخلہ کے اعداد و شمار کے مطابق جو س فیصد مٹھوک مدارس ہیں باغیر دہشت گردی کے خلاف ان کے خلاف کارروائی کی جائے، انکی دینی مدارس سے جب علماء دین، مفتیان مقام، بے شس خطبہ نیا ہو کر دین کی خدمت میں مصروف کاو ہیں۔

7۔ میرے خیال میں دینی مدارس میں صرف مختلف دینی مضامین ہی پڑھانے چاہیں کیونکہ یہ ضروری نہیں ایک طالب علم کو آپ سائنس دان یا انجینئر بنا دے ہیں تو وہ حافظہ قرآن بھی ہو۔ جس شعبے میں کوئی جانا چاہیے وہ جائے لیکن یہ ضروری ہے کہ اسے شعبے میں وہ ماسٹر ہو اور اگر سائنس پڑھنے والا طالب علم حافظہ قرآن بھی ہو تو یہ اس کی اضافی خوبی ہوگی اسی طرح اگر عالم دین یا حافظہ قرآن سائنس اور انکس پڑھو یہ اس کی اضافی خوبی ہوگی جو صرف سائنس ہی نہیں بلکہ قابل قدر بھی ہے۔

8۔ یہ خیال کہ انتہا پسند صرف دینی ذہن رکھنے والے ہی ہیں بالکل غلط ہے۔ ملک پاکستان اور ان کے دوسرے کئی ممالک میں انتہا پسند جماعتیں موجود ہیں لیکن ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

9۔ انتہا پسندی کی اصل وجوہات جاننے کی کوشش سے اور ان وجوہات کو ختم کیا جائے تاکہ نہ رہے



خوب تر

ایک نوجوان لڑکی کے انوکھے انجام کی کہانی
اسے خوب سے خوب تر کی تلاش تھی۔

ستیا پریا کشین

لگا تا لیکن نہیں تھا کیونکہ وہ پردے کے ہوئے تھی۔ پلیٹ فارم
اپنی روشنی سے اس کا ایک ہلکا سا ایک ڈیٹا کو بن سکتا
تھا۔ نوجوان نے کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی پھر اطمینان کی
سانس لینے کر ڈبے میں اُدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ درمیانی عمر کا
لوہا بڑھ چکا نسل پر بہنے چکا تھا۔ اس کی نشست زیادہ دور
نہیں تھی، وہ اس جڑنے کو آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔ اس
کی توجہ اپنی دونوں کی طرف تھی۔ گاڑی چلنے لگی۔ نوجوان
نے سر کوشی میں اپنی ساتھی سے کہا: "سورج جلد نکل آئے
گا، ہم آٹھ بجے تک ڈھاکہ پہنچ جائیں گے۔"

عورت نے پار سے اپنا چہرہ چمپاتے ہوئے کہا۔
"مگر میں ذرتی ہوں۔"

"تم کیوں ذرتی ہو؟ ڈھاکہ بہت بڑا شہر ہے، وہاں
ہمیں کوئی نہیں دھمکا سکتا۔" نوجوان نے اسے تسلی دی۔

"کیا ایسا ہی ہو گا؟" عورت نے بے یقینی سے پوچھا۔

بڑی سے گزر رہی تھی۔ ڈھاکہ نہانے ڈالی
راست ایک پھریس تھوڑی دیر کے لئے جمال پر کے
نشیں پر ڈکی۔ انز میں زیادہ مسافر نہیں تھے، جگہ ڈاڑھی تھی
اس لئے بیشتر مسافر پاؤں پہارے خرائے لے رہے
تھے۔ گاڑی چلنے والی تھی۔ انجن نے رواجی سٹی بیوائی۔
اس کی سٹی گھوڑے کے گلے سے لگی ہوئی ناگوار آواز سے
خاصی مشابہہ تھی۔ درمیانی عمر کا ایک شخص دوڑ کر ڈبے میں
سوار ہو گیا۔ اس کا لباس سادہ تھا، آنکھیں اندر جھنسی ہوئی
تھیں، چہرے پر زندگی کی غشیوں کے آثار تھے۔ وہ رات
کے سکون پر درخاضوں سے بے نیاز معلوم ہو رہا تھا، شاید
غندگی لذتوں سے بہت پہلے دستبردار ہو چکا تھا۔

ڈبے میں در افراد ابھی تک جاگ رہے تھے۔ ایک
نوجوان تھا، اس کی عمر میں اکیس سال کے لگ بھگ ہو
گئی۔ نوجوان کے ساتھ ایک عورت تھی، اس کی عمر کا اندازہ

نہ پڑھا۔
 "اور کیا"۔ نوجوان نے یقین سے جواب دیا۔
 عورت نے درمیانی عمر کے نوراوادی کی طرف دیکھا اور سہم ہی گئی۔ نوجوان نے محسوس کیا کہ نوراوادی اگر چہ ان کی طرف دیکھ رہا ہے لیکن خاموش ہے اور اس کی نگاہوں میں تجسس یا بدتمیزی کی چمک نہیں ہے۔ نوجوان مسکرایا۔
 اس نے سوچا، عموماً غلطی طور پر بڑی ہوتی ہیں پھر وہ اپنا منہ عورت کے کان کے قریب کر کے بولا۔ "کیا تم اس شخص سے ذورہی ہو؟ تم نے دیکھا نہیں، وہ کتنا شریف آدمی معلوم ہو رہا ہے؟"

نوجوان نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ اس نے کھائی چمڑانے ہوئے کہا۔ "غمبر تو سہی، میں ابھی آتا ہوں۔"
 وہ اس آدمی کے قریب پہنچ گیا۔ "میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

ایسا محسوس ہوا جیسے اوجیز عمر کا شخص نوجوان کا منتظر ہی تھا۔ اسے نوجوان کی آمد پر حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے صرف یہ کہا۔ "کیسے؟" نوجوان کے لئے اس کا یہ رویہ غیر متوقع تھا۔ وہ کچھ ٹھہرا گیا اور اس کے جوش میں کمی آ گئی۔ اوجیز عمر کے شخص نے درباغت کہا۔ "وہ عورت تہلہ کی کون ہے؟"

"جی، میری بیوی ہے"۔ نوجوان نے جواب دیا۔
 "نہاری شادی کو کتنا عرصہ ہوا؟"
 "صرف چند دن۔ وہ بہت شرمیلی ہے۔ دیکھنے، نا، کپڑوں کے بدلنے کی طرح کچھ بھی نہیں ہے۔ شرم ابھی چھ ہے لیکن اسے کم سے کم مجھ سے نہیں شرمانا چاہئے۔ میں اس کے بدلنے کوئی غیر تو نہیں ہوں"۔ نوجوان ایک ہی سانس میں اتنی باتیں کر گیا۔

"بہت خوب شاید تم دونوں ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تھے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ غالباً محبت کی شادی ہے؟" اس آدمی نے کہا۔ نوجوان کا چہرہ غم سے سرخ ہو گیا۔ وہ کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس نے صرف سر ہلا دیا۔

گامزی ایک شہین پرزی۔ یہاں بہت زیادہ مسافر

عورت نے کہا۔ "میرا گلے شہین پر از جانبیں گئے"۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔
 "کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟ رات کا وقت ہے، ہم اس وقت انہی کراہیاں پھر رہے ہیں؟"
 "زباہہ پریشانی نہیں ہوگی۔ ہم ذورہی زین سے اٹھا کر چلے جائیں گے۔"

"واہ، صرف اس لئے کہ ایک اوجیز عمر کا شخص تجھیں دیکھ رہا ہے۔ اگر تم اسی طرح ڈرتی رہیں تو اٹھا کر تیار کیسے رہو گی؟ وہاں تو ہزاروں لوگ رہتے ہیں اور..."

عورت نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ آدمی ہماری طرف کس طرح دیکھ رہا ہے؟"

"دیکھا کرے، وہی دیکھیں گے۔ تم جیسی حسین عورت کو نہ دیکھنا تو ایک گناہ ہے"۔ نوجوان مردوں کے اس جذبے پر تعجب کر کے خوش ہوا۔

عورت نوجوان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی مگر خاموش ہو گئی۔ اس نے اپنے آپ کو چاروں طرف دیکھ کر حیرت سے دیکھا۔ شاید وہ ذورہی بھی با شاید بہت شرمیلی تھی۔ نوجوان کو اس کی خاموشی ابھی نہیں تھی۔ "تم محسوس کیوں ہو؟ کوئی بات کرو۔" عورت کچھ نہیں بولی۔

RTM: 71114

N.B.S

FANS

سب اچھا لگا مگر
بات ان سے بنی



U.I INDUSTRY

184-C, Small Industries State
Gujrat PAKISTAN.

PH: +92 53 3535901-2, 3523494-5

Fax: 053-3513307

E-mail: nbsfans@gmail.com

نہے۔ اب سورج نکلنے والا تھا۔ مسافر شہد کی کھیموں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ رکھنے ہی رکھیے گا زوی بھر گئی۔ انتر کا وہ بھی بھر گیا۔ زبے میں جو مسافر سو رہے تھے، انہیں اٹھنا پڑا۔ مسافروں کے ہجوم سے عورت گھبرا گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ نوجوان نے ارجح عمر کے آدمی سے کہا۔ ”اب مجھے جانا چاہیے۔“

”ہاں، ہاں ضرور۔ تمہاری بیوی کچھ پریشان بھی نظر آ رہی ہے۔“

انجن نے دسل رنی، گاڑی روانہ ہوئی اور جلد ہی اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ نوجوان نے اپنی ساتھی سے کہا۔ ”گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ دو بہت اچھا آدمی ہے۔ اس نے بہت ہمدردی سے باغش کیں۔ ایک بار تو میں نے سوچا کہ اسے سب کچھ بتا دوں۔“

عورت نے بے چینی سے پوچھا۔ ”کونسی تم نے بتا تو نہیں رہا؟“

”نہیں، میں نے کچھ نہیں بتایا ہے لیکن اگر بتا بھی رہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں رہے، بہت شریف آدمی ہے۔“ عورت نے پریشانی سے کہا۔ ”پھوڑو بھی یہ ڈر نہ۔ خاصوس رہو۔“ نوجوان اس کی بے چینی پر حیران تھا۔ لیکن اس نے کچھ پوچھا نہیں، فاسٹنی ہی میں عافیت چاہی۔ آخر گاڑی ڈھاکا پہنچ گئی۔ یہ آخری سٹیشن تھا۔

یہاں سے گاڑی گوداہیں جاتا تھا۔ مسافر سامان سمیٹ سمیٹ کر اتارنے لگے۔ نوجوان اپنی ساتھی کے ساتھ بیٹھا رہا۔ شاید سب سے آخر میں اتارنے کا ارادہ تھا۔ درمیانی عمر والے کو بھی زیادہ جلدی نہیں تھی وہ بھی بیٹھا رہا۔ ٹھوڑی دیر میں بھڑک کھم ہو گئی۔ نوجوان نے باہر دیکھا۔ اب ان کے اترنے کی باری تھی لیکن باہر دیکھنے ہی رہے اٹھتار چلایا۔ ”غضب ہو گیا۔“

عورت سر سے ہو گئی۔ ”کیا بات ہے؟“

نوجوان نے گھبراہٹ میں کہا۔ ”نہہارا نوہر

عورت نے پوچھا۔ "تمہارے ساتھ کون رہتا ہے؟" مرد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ گیت کے قریب پہنچے۔ ٹکٹ کلکٹر نے ان سے ٹکٹ طلب کئے۔ مرد نے عورت سے اس کے ٹکٹ کے بارے میں پوچھا۔ عورت نے نفی میں جواب دیا۔ مرد نے اپنی جیبیں منڈیس پھر اپنا ٹکٹ اور ایک کرنسی نوٹ نکال کر ٹکٹ کلکٹر کے حوالے کر دیا۔ ٹکٹ کلکٹر نے انہیں جانے دیا۔ گیت سے نکل کے عورت نے پوچھا۔ "منٹو کیسی ہے؟" مرد نے ہنسی سے جواب دیا۔ "اچھی ہے۔"

"تمہارے ساتھ کون رہتا ہے؟" عورت نے دوبارہ دریافت کیا۔ "کوئی نہیں رہتا۔ منٹو اپنی چھوٹی مکی کے ساتھ رہتی ہے۔"

"اچھا!" عورت مرد کے ساتھ چلتی رہی۔ نوجوان باہر کھڑا تھا لیکن عورت اس سے بے خبر تھی۔ وہ مرد سے پوچھ رہی تھی۔ "کیا منٹو نے کبھی مجھے یاد کیا؟ کیا کبھی اس نے میرے متعلق پوچھا؟" اس کا گلہ بندھ گیا۔ آنکھوں

انکب ہا رہ گئیں۔ وہ جواب کی منتظر تھی مگر اسے جواب نہیں ملا۔

مرد نے شبی اینٹنی کر دی۔ دو ٹیٹا قدم بعد اس نے کہا۔ "اچھا، اب مجھے چلنا چاہئے۔" وہ بہت تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اس نے نوجوان کو شکر ہے کا موقع بھی نہیں دیا۔

دونوں کسی سواری کی تلاش میں معروف ہو گئے۔ نوجوان نے عورت سے کہا۔ "جب تم دونوں نیچے اترے تو تمہارا خاندان درمیانی مردا لے کر دو کچھ کر بیٹی طرح ہمارا جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ آخر وہ کون تھا؟" لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ اس نے کہا۔ "اس کے ساتھ میں چلی ہوں۔"



پولیس والوں کے ساتھ پلیٹ فارم پر موجود ہے۔

عورت بذی طرح ہم گئی۔ "اب کہا ہوگا؟" نوجوان چند لمحے کھڑا رہا مگر ادیٹر عمر کے شخص کی طرف لپکا۔ ادیٹر عمر کے شخص نے اس سے پوچھا۔ "کیا بات ہے، دیکھو کیوں نہیں اترتے؟" "میں خطرے میں ہوں۔" نوجوان نے آہستہ سے کہا۔

"بات کیا ہے؟" "میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔ ہم شادی بندہ ہیں، میں گھر سے بھاگے ہوئے ہیں۔ میری ساسھی کا شوہر پلیٹ فارم پر موجود ہے۔" نوجوان کی آواز بھرا گئی۔ "اب کیا ہوگا؟ فادری مدد کیجئے۔" میں التجا کرتا ہوں۔"

درمیانی عمر کے شخص پر نوجوان کے انکشاف کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سب کچھ پہلے سے معلوم ہو۔ اس نے آہستہ سے آگے بڑھ کے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ پلیٹ فارم پر ایک کالا سائب آڈی پولیس والوں کے ساتھ ایک ایک ڈبے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ادیٹر عمر کا شخص مسکرا کے نوجوان سے مخاطب ہوا۔ "مگر نہ کرو، ہم باہر جاؤں تو تمہاری بیوی..... معاف کرنا، تمہاری بیوی کو لے کر آتا ہوں۔" نوجوان نے اس کی طرف تنکے سے دیکھا اور ڈبے سے نکل کے لپکا کی جہم میں غائب ہو گیا۔ ادیٹر عمر کے شخص نے عورت سے کہا۔ "آداب چلیں۔"

عورت اس کے ساتھ ڈبے سے اترتی اور کسی ہلکے پھلکے کے بغیر اس کے پہلو میں چلنے لگی۔ وہ بہت بے سکون دکھائی دے رہی تھی۔ چند قدم چلنے کے بعد اس کی شرم ختم ہو گئی۔ "کیا تم اب بھی روتے ہو؟" یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ اس شخص نے عورت کی آواز سنی ہے مگر اس نے سنی تھی۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بولا۔ "وہ بھلا کہاں جا سکتا ہوں۔"

رفوگر

کیا اس قوم کی ایک بھی ماں ایسی نہیں جسے رفوگری آتی ہو؟

ابدال بیلا

دعا کر اپنے اپنے رنگ میں رنگا کمال ہنرمندی سے اوپر
بیٹے سے گزر کر، پچھیل کے بعد، ایک حسین پھولوں کا
گلدستہ بنا نظر آتا ہے۔

! ایک چادر بس بڑی نازک ہوتی ہیں۔

دو ماں، جس نے ایک چادر بنی اور وہ ایسی کسی چادر
کو کھوٹی کھانچ نہیں آنے دیتی۔ اسے پند ہوتا ہے کہ اس
ریشم ہفت چھینے کو کسی ٹوکلی سٹخ پہ ڈال کے کھینچا تو بہ
پست جائے گی۔ بسنے ہوئے ہسے میں جو پھول پتی بھی
آئی وہ ادھر چائے گی۔ ہر ریشم سے محنت سے بنائے تانے
بانے سرک جائے ہیں۔ کوئی شرابچہ کسی بھی رنگ کے
دھاگے کو کپڑے کے پچھتے چنٹے چائے تو پوری چادر ادھر جانی
ہے۔ پھول پتیاں اپنے اپنے گروں سے نکل کے پھر
جانی ہیں۔

ایسے سے پھر ماں کام آتی۔

☆
کے سببا اور گھروں کی ناخوش حقیقت میں
رفوگر ہوتی ہیں۔ سارے گھڑکی سلامتی،
اس کا تحفظ اور اس ماں کی مہنت سے وہ ہنس ہے۔ اس لئے
کہ ماں زمین پر خدا کا نور ہوتی ہے۔ جس کا سب سے بڑا
کام جوڑنا ہوتا ہے۔ جب تک ماں کی جھڑ جھما اور لا
کے سر پہ ہو، بھائی بھائی سے جڑے رہتے ہیں۔ بیٹس
بھائیوں کی چادر بھائی بہنوں کے لئے جیا کرتے ہیں۔
پورے گھرانے کے تمام زینچے اپنی انفرادی خوش رنگیں
کے باوجود ایک وحدت میں جڑے رہتے ہیں۔ جیسے پورا
گھرانہ ایک خوش کن مٹلی ریشم تاروں سے گھدی بنی
پھولوں بھری چادر ہو جس میں ہر پھول اپنی اپنی جگہ رچے
ہوئے بھی پوری چادر کا حسن بنا ہوا ہو۔ ایسا چادر میں
شائیں، دریاں اور قالین بڑی محنت سے محبت کی گھدی پر
چڑھ کے بنا ہوتے ہیں۔ ان کے تانے بانے کی ہر لہر، ہر

ہر ماں اصل میں روتی ہے۔

امیر المومنین **حضرت علی** کرم اللہ وجہہ الکریم کا اوشاد گمراہی ہے۔ "مصرف پیسے کا ہونا رزق نہیں ہے۔ اچھا اخلاق، نیک اولاد اور تقویٰ دوست بھی بہترین رزق میں شامل ہیں۔"

رفتاری کرے کہ رگ ہوا گھاؤ بعد میں نظری نہ آئے۔

آج کل معاملہ الٹا ہے۔

ہر ایسا فیما را جسے دو لفظ لکھتے آتے ہیں، جسے دو بول بولنے کی کہیں کسی جملے پہ تو لگا دی جاتی ہے، وہ قوم کی بکائی کے پختے اور جڑنے میں جنا ہوا ہے۔ ہر "اداشوز" بجائے ڈو گری کے، اس خوش رنگ قوم کے قابو لچے کے دھاکے کھینچنے میں لگا ہوا ہے۔ وہ جنہیں سیاسی زلما ہونے کا گمان ہے، وہ بھی اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ بلکہ رفتاری کا ہے، پختے اور جڑنے کا نہیں۔

ادھو زمانو ہے ہنرمند عقلی بچوں کا کام ہے۔ ایسے بچوں کا جن کے نصیب میں ماں جیسی ممانا اور محبت نہیں ہوتی۔ یہاں ہماری قوم کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ ایک اجتماعی جینے کا پھول ہے، خوش رنگ پھول۔ وہ مزدور ہو، کسان ہو، کارکن ہو، کلرک ہو، فوجی ہو، ڈاکٹر ہو، حکم کار ہو یا کوئی اہل کار ہر شخص کی اپنی خصوصیت جگہ ہے۔ اپنی جگہ پر ہر پھول سو ہونا لگتا ہے۔ مگر دو، کلکت، چترال، پشاور، سوات، روات، واپا، میران شاہ، مظفر آباد، سرگودھا، جھنگ، لاہور، ملتان، لاہور، کشمیر، تربت، کوئٹہ، گوادر، کراچی، سیون شریف اور بدین تک سارے مقامات ہماری قومیت کی اجتماعی عبادت گاہ میں بیچے ہوئے مصلے کے پھول ہیں۔ ان سب کی سلاخی ہی ہماری اجتماعی عبادت ہے۔ پتہ نہیں، ہمارے آج کے زلما کیوں ہماری ماؤں، نانوں، دادیوں کے اس سین ہنر کو جو لے بیٹھے ہیں، جڑکا کر رہی نہیں۔

"پھاؤ نہیں، جوڑو۔"

پہلے تو وہ ہر خوش رنگ پھولوں ہماری چاد کو اسکی ہر اس جگہ سے بچاتی ہے جہاں کھل کاٹنے ہوں۔ جہاں سے چاد کے پھینے کا ڈو ہو۔ اگر کبھی، کبھی چاد کو کوئی کھونچ لگ جائے تو وہ اس جگہ سے نکلے دھاگے نہیں کھینچتی، ان دھاگوں کو اپنی رنگ روپ دھاگوں کی مدد سے ایسی ترتیب اور مہارت سے ڈو کرتی ہے کہ چاد پھینے کا وہ نشان نظر نہیں آتا۔ رہے نہیں پڑا، پھٹی چادو سالم لگتی ہے۔ چاد پٹی رہتی ہے۔

ایک قوم بھی ایک گمراہ ہوتی ہے۔

ہر قوم اپنے خوش رنگ پھول بیوں کے سانچے ایک ہی سماجی فرسٹ ہماری چاد جیسی ڈوئی ہے۔

ہر قوم کی بھی ایک ماں ہوتی ہے۔

ہر قوم کی ماں ہوتی جانی ہے۔

ایسی ماں جو قوم کی جتا خوش رنگ سلاخی کے لئے ہر اس قوم پر مہم کی رفتاری کرتے کہ اس قوم کا کوئی پھول اپنی جگہ سے نہر کے۔

ڈو گری شکل کام ہے۔

پھاؤ آسان۔

جوڑو کمال فن کا متقاضی ہے۔

ہمارے دل میں ہر شہر، ہر نصیب، ہر گروں اپنی اپنی جگہ ایک خوش رنگ پھول ہے۔ انفرادی شخصی زندگی کی طرح، کبھی کبھار فوسوں کی زندگی میں بھی انہیں خادوار راستوں پہ چلنے کی مجبوری آ جاتی ہے۔ سلاخی کی راہ بھی ہے کہ خادوار راستوں پہ آ دی اپنی نا سنبھال کے ایسے چلے کہ کبھی کسی کاٹنے سے کھونچ نہ آئے۔ اگر کوئی کاٹنا، کوئی کھل کھیں چھو جائے، پھٹی ہوئی تھا یا اوڑھی ہوئی چاد گھٹکا سے پھٹ جائے تو ہوش مندی کا تقاضا بھی ہے کہ ایک ماں کی طرح رفتاری کی جائے۔ کوئی سینے کپڑے کو تزیین نہ پھاؤ۔ ماہر رفتاری کی طرح ایسی

جوڑنا ہے تو ڈوگری لکھو۔

پہنے ہوئے کناروں سے دھاکے نہ کھینچو۔

اپنی اکیلا کو لیر و نیر نہ کرو۔

اسے سلامتی سے سلامت رکھو اور ہر مشکل وقت

میں اپنی حرمت بھری بیکانی کی چادر کو تو فی پچم کا تقدس

دے کے یقین، اخلاص اور لگن سے اڑھے رکھو۔ دشمن کی

چالوں میں نہ آؤ۔

دشمن کا کام بھارتا ہے۔

اپنے بھارتا نہیں کرنے۔

جو بھارتا رہا ہے، اسے اپنا نہ کہو۔

جو جوڑے، صرف اسے اپنا مانو۔

اخلاقیات کہاں نہیں ہونے مگر اخلاص رائے نمی

فرڈ کو یہ حق نہیں رہتا کہ کوئی مرنے مارنے پہ ہنر آئے۔ یہ

گلی گھولوں اور بازاروں میں بنے والا خون کہنے کو کسی کی

شریان کا ہونے، یہ دو ایک باہم پیدا ہونے سفید جسم کا۔

ایک جسم میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔

آنکھیں، کان، ناک، منہ، ہاتھ، پاؤں،

گردے، جگر، نائلیں اور ہاڈوں۔ کیا بھی ایک جسم کے

اپنے ہی اعضا نے بھی ایک دوسرے کو کاٹا ہے؟

کیا بھی آنکھیں بہ سوچتی ہیں کہ اپنے ملاحظہ ہوا

کاٹ پھینکیں؟

بھی اپنے ہاتھوں نے بھی اپنے عیت پر کیوں

ماری ہیں؟

دشمن نہیں بھی آئے، گناہ کبھی بھی لگے، دود سے پودا

جسم بلبلا تا ہے۔ کیا اس میں کوئی بحث ہے کہ ضرورت

مزمزم کی ہے۔ زخم سینے کا وقت ہے، دگر گری کا ہے۔

پھر ان دشمنوں کے دھاکے کیوں کھینچے جا رہے ہیں؟

کیا اس قوم کی ایک بھی ماں ایسی نہیں جسے ڈوگری

آئی ہو؟

15 اگست کی، دنیا کے معروف فلم کار

یہ دیانہ کھنچے پائے



محمد سلیم اختر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بہت سناہ اور
 نیا نیا کھنچے ہیں اس لئے ان کی خرید ڈالنے والے، یا انہیں
 سے براہ راست نکال کر بیچنے والے۔

مذہب و مہم، اہل ہندو مت پر، جی کہانیاں
 محمد سلیم اختر کی کائنات میں ایک مستہ نام ہے۔
 انہیں آثار میں وہ بچپن میں مشہور رکھنے کا حق آتا ہے۔

ایک ماہ سے اس وقت
 محمد سلیم اختر کی اہل ہندو مت کی عیت پر غصہ کی گرفت
 رکھتے ہیں۔

جی کہانیاں کی ہاتھوں کے منہ پر پتہ کرنا کھل ضرور کرتا ہوں
 پر پتہ لگرائی
 جاسی، اہل ہندو مت کی ہلی کشتیوں کی

نواب شہزادہ سید علی گشتی
 01152 6666216

گاہ

میری نظر میں ہر وہ مرد مرد کامل ہے جو نفس کی خواہشات کو اپنے مقصد کی راہ کی رکاوٹ نہیں بنے رہتا پھر وہ چاہے کوئی بھی ہو، کچھ بھی ہو اور کہیں بھی ہو۔

رجلی شاہد

ہے اور بھی اپنے نفس کا غلام بن کر خدائی عدوں کو پامال کرتا ہے۔ واحد چشمہ چراغ ہونے کی وجہ سے میری عزت و تکریم میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ وہ میری ذات نہ تھی، وہ اس خاندان کا چراغ ہوتا تھی۔ مگر نہ انہ میں اپنے مانی کے گھر پہنچا ہونے والا آتھوں بچہ ہوتا تو بھی کیا اسی عزت و تکریم کا گھٹنا ہوتا؟ میں اپنی سوچ کی دستوں میں سرگرداں سچائی کی حدود سے خوفزدہ رہتا اپنی ذات اور اس کے گرد ہمار کی صورت میں لینے دشمنوں اور ماحول کی سچائی سے خوفزدہ رہتا۔ ہیرو ذات اور سراغ جاں مٹا شے مٹا شے میری روح مثل ہو جاتی مگر جواب سے میری نشانی دور ہی رہتی۔

میں اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنی ماں اور وادی سے زیادہ فریب تھا۔ اپنے گرد انہی دور دشمنوں کی

وہاں علی خان اپنی ذات اور ضروریات کا بوجھ لئے بنے چلا جا رہا ہوں اب جاننے ہوئے بھی کہ بوجھ تو بوجھ ہی ہوتا ہے ذات کا ہو یا جسم کا اور ذات کا بوجھ تو اور بھی زیادہ اذیت دیتا ہے کیونکہ وہ جسم کی حدود میں محصور ہوئی اذیت سہ رہا ہوتا ہے۔ مجھے اوش سنہا لینے ہی میری ماں نے بتایا تھا کہ میں اپنے خاندان کا پہلا اور اکلوتا چشمہ چراغ ہوں۔ میری پیدائش پر میری دلوہی جان مجھوں آگئی تھیں۔ دادا تو حیات نہ تھے اس لئے میری پیدائش کی صورت میں انہیں مجھ میں اپنے مرحوم شوہر کی تصویر نظر آتی تھی۔

انسان سدا کا غلام ہے، مالک بن بھی جائے تو سوچ کی عدوں سے غلامی بیچا نہیں چھوڑتی۔ یہی اپنی ضرورتوں کا غلام بن کر دوسروں کے حقوق غصب کرتا

میرے لئے جاو کر وہ ڈسٹری میں ناکامی اور نامرادی کا کوئی لحظہ نہ تھا۔ کاش! جسم کی آسائش اور آرائش کی طرح روح کی آرائش اور تکمیل کا بھی اہتمام کیا جاتا۔ وہ تو میری دگوں میں دوڑنے خون کی شرافت تھی اور میری ماں کی تربیت جس نے مجھے کبھی راہ سے بھٹکا نہیں دگر نہ نیرنگی واہیں تو راستے کے پتھروں کی طرح سامنے آتی رہیں اور میں انہیں ٹھوکہ میں رکھے آگے بڑھتا گیا۔

آج میرے پاس دنیا کی بہترین ڈگر ہاں ہیں، مروانہ دج ہنٹ، اونچا خاندان اور اچھی تربیت میرے قدموں کی دھول ہیں۔ میں نے اس خاندان کا نام ڈوبے نہیں دیا اور اپنی وادی اور ماں کی خواہش کے مطابق بظاہر مردِ کامل بن ہی گیا مگر مردِ کاغذ کی روح پیاپی نہیں ہوئی میر میں؟

میں سوچتا ہوں انسان ہونے ہوئے بھی ہمارے اندر کے بت ہمیں سمجھنے سے بچنے نہیں دیتے یہ بت خود پرستی کی آگ کے لئے نرستے دہتے ہیں۔ تمسکین کی خواہش میں دنیاوی معیار کو بہت بلندی پہ لے جانے ہیں اور دوسرے انسانوں کی خواہشات اور احساسات کا خون انہی ہونے کے قدموں میں بہا لے ہیں، پھر بھی تشنہ رہتے ہیں، کیوں؟ شاید اس لئے کہ ہم بظاہر کے غلام ہیں اسی لئے ہم خواہش سے محروم ہیں۔ سہرئی نہ ہونے تو خدا سے محروم ہونے کیوں کہے جائے، سہرئی خواہشات اور ضروریات لامحدود نہ تھیں مگر ان محدود خواہشات کے گرد غلبہ ذات کی دیواریں اونچی ہوتی جا رہی تھیں۔ کبھی کبھی دم ٹھنکتا اور کبھی کبھی جمود چھا جاتا۔ ایسے جیسے سمندر کی لہروں کو فہر کر دیا گیا ہو اور وہ انہی میں سر جھینٹے جھینٹے ہو کر ڈوبیں۔

مہربانو میری دوسری محبت تھی۔ پہلی محبت میری ماں تھی۔ وہ جو میری ہی طرح احساسِ رواداروں کی

دوست تھی اور زیادہ حساس بنا دیا تھا کہ اب ان کی اسپرین پاپووا اترنے کی ذمہ داری مجھ پہ ہی عائد ہوئی۔ اپنی وادی کے مردِ کامل بننے کے تصور میں نہیں پردان چڑھے گا۔ دو ایک سخت گیر خانوں تھیں، یہ تھی ان کے حالات کی پیچھا دہی اور میری ماں ایک اٹھنٹائی نرم اور شائستہ خانوں تھیں۔ ان دو خواہشوں کے بیچ میں میری ذات کا سلیب کے سفر پہ رواں دواں تھی۔ ان دو خواہشوں کے مزاج کا تضاد میری ذات اور روح کا تضاد بن گیا۔ میری ماں بتاتی ہیں کہ میری وادی جاننے نے کبھی مجھے دوئے نہیں دیا کیونکہ ان کے نزدیک مردِ دوہا نہیں کرتے۔ میں سوچتا کیا مرد انسان نہیں ہونے یا ان میں دل نہیں ہوتا؟ وہ محسوس نہیں کرتے؟

میرے ساتھ بچپن سے ہی کئی کئیوں کی فوج رہنی جو مجھے دوئے بھی گالی تے دور رکھتی تھیں۔ میرے خیال میں نہیں آخری باد اور شاہد کھلی باؤ بھی اسی وقت دوہا ہوں گا جب میں اس دنیا میں آتا تھا! میرا زمانہ انہماکوں کا ظاہر کرنا تھا۔ اس لئے مجھے اس سے دور ہی دکھنا پڑا تھا۔

وقت کی سائنٹ طے کرنے کے لئے لاکھوں کی حدوں تک آپہنچا۔ ضروریات زندگی کی ہر آسائش میرے ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عجب سی اور وہی غلطی رہتی تھی ابھی جانتا میرے لئے بہت مشکل ہو رہا تھا۔ مجھے اپنی کلاں کے لڑکوں سے ہی وہی کی اجازت تھی، وہ خاندان جو میرے خاندان کے معیار کے مطابق تھے انہی میں اپنی زندگی کے گھوڑے دوڑاتے دوڑاتے آج میں اس مقام پر آ پہنچا کہ غلطی بڑھنے بڑھنے ماسور بن گئی۔ زندگی میں کئی چیز کی کمی نہ تھی جو چاہا خواہش سے پہلے اور ضرورت سے فراہم ملے۔ پھر اس اور مردے ہی کی کیا وجہ تھی؟ غلطی ماسور کیوں ہو گئی کامل ہونے کے بعد؟ کیوں وہ گیا؟

کامل بننے کا حقدار نہ تھا اور کوئی بھی نہیں تھا جو یہ دعویٰ کرتا کہ وہ ایک کامل انسان ہے اور کامل مرد کی صف میں شامل ہے۔ اس لئے کہ کامل مرد تو ایک ہی ہستی تھی اور وہ ہے گی اور ان کے علاوہ مرد کامل بننے کی خواہش اور کوشش بے کار اور معنی ہے۔ وہ مرد کا صلہ علی اللہ علیہ وسلم جو تکمیل کی ساری حدوں کو خود میں سمیٹے ہوئے تھے، ان کی ہمدردی کی راہیں ہی ہمیں دینا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہیں۔

مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا تھا، مبرا اندراب مطمئن تھا۔ میرے آنسوؤں کی بلبلاہ نے مجھے منزل کے راستے کا تعین دیا۔ مجھے ان نام نہاد کلاسیک کے وہ جہادوں سے محض ہمدردی محسوس ہوتی جو نہیں جانتے کہ ان کا دنیا میں آنے کا مقصد وہ نہیں جس کے پیچھے وہ سادگی مگر بھانپتے رہتے ہیں بلکہ وہ ہے جس کو انہوں نے خود سے بہت دور کر دیا ہے۔ میں دنیا دار انسان ہوں اور دنیا میں رہتے ہوئے مجھے اس کے تقاضے بھانپنے ہوتے آخرت کی راہوں کو ہموار کرنا ہے۔ مجھے ان دنیا داروں سے خود کو بچانا ضروری اور ہائی کی ذمہ داری کی تکمیل کرتے بڑا آرزو ہے ہیں اور ہائی کی ذمہ داری کی تکمیل کبھی نہیں کر سکتے ہیں۔ مجھے خناسو کی داد سے خود کو اور دوسروں کو بچانا ہے۔ میری حیثیت ایک ذرا ناخانی کی ہے اور میری یہی سوچ میری تکمیل کی طرف پہلا قدم ہے۔ میری روح میری سوچ کی کھراپی پر مسکرائی اور میں آگے بڑھ گیا۔ دوسروں کو سہارا دینے کے لئے اس ذمہ داری کی مدد اور اس مرد کامل کی ہمدردی کے سہارے اور میری نظر میں ہر مرد مرد کامل ہے جو نفس کی خواہشات کو اپنے مقصد کی راہ کی رکاوٹ نہیں بنے اور پھر وہ چاہے کوئی بھی ہو، کچھ بھی ہو اور کہیں بھی ہو۔



دعویٰ کی نیدی ہیں۔ مہر انو سے محبت میرے وجود سے ظاہر ہونے لگی تو سب سے پہلا احساس میری ماں کو ہوا کی تہ میرا اور میری ماں کا احساس ایک ہی ذرہ سے بندھا تھا۔ میری ماں نے مجھے اپنے قدم روک لینے کی محبت بھری حسیہ کی۔ اس سے پہلے کہ یہ بات راز کی ڈور توڑ کر نکل جاتی میں اپنے قدموں کو سمجھانے میں کامیاب ہو گیا۔ ویسے بھی مجھے خود کو سمجھانے رہنے کی عادت ہو گئی تھی۔ میں ذرا دن اور زمین کے وجود اور ذات کو فتح کر اپنے واسلے دنیاوی تصور سے خود کو بچانا چاہتا تھا۔ اسی لئے اپنے لئے سماجی ہونے کے سہارے اختیارات اپنی ماں اور دادی کے سر پر کر دیئے۔ جسم تکمیل کی حدوں کو چھوئے لگا اور ذات تکمیل کی حدوں کو۔ توگوں کی نظر میں مجھ سا خوش نصیب اور کمال انسان کوئی نہیں تھا جس کے پاس آسائش اور ذات کی بلبلاہ اور آسائش جو جوئی مگر میری نظر میں مجھ سا مجبور انسان کبھی نہ تھا۔ اپنی ذات کی زنجیروں میں پھنسا دوسروں کی خواہشات کا تابع مجبور انسان، میں ہاشمرا نہ تھا مگر ایک نعلی، تکمیل کے ایک ذرا کا متنی تھا۔

ذات کی یہ غلطی مجھے رازوں کو چھانی اور میں بہت روتا کیونکہ رات کے اس پہر میں صرف اور صرف ایک ہی ہستی کی توجہ کا طلبگار رہتا تھا۔ یہ رات مجھے میرے آنسوؤں کی نشانی اور اپنے اندر کے خالی پن نے دکھایا تھا۔ رات کا یہی پہر میرا ہوتا تھا جہاں میں اور مبرا رب دونوں خوب بانٹ کر تے جہاں دنیاوی معیار کی زنجیروں مجھے بند نہ کرتیں۔ میں اپنے اور گرد و سوجو رشتوں کی مجبوری اور غرض سمجھنے کی کوشش کرتا۔ اپنے دینے ہوئے اپنے کے مناسب استعمال کو عمل کرنے کی تدبیریں کرتا اور اپنے اور گرد اپنے جیسے انسانوں کو ان کی ذات اور جسم کی جنگ سے آزار دینے تو کم از کم ان کو سکون دینے کی کوشش کرنے کی ترنا رکھتا تھا۔ میں کچھ بھی کر لیتا میں مرد

ہر چالہاز کے منصوبے کی کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار اس طریقہ کار پر ہوتا ہے جو اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ترتیب دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں محبت اور جنگ میں سب جانتے ہیں۔ اس نے بھی یہی کیا۔ ایک عورت کی کتھا جو اپنے محبوب کو دوسری عورت کے چنگل سے آزاد کرانے کا تہیہ کر چکی تھی۔



بیگانگی

☆ رہائش عاقب کوہلر

”تینوں کہ جسین معاشی پر برابری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔
نیم بیگ ٹیے ٹیے والے پرافٹ سے اپنی نذر اوقات
اچھی طرح نر سکونی۔ یہ گھر بھی تمھارے نام لکھ دیا ہے۔
اور کیا چاہیے؟“

”روز آجیہ لہجے میں بولی۔“ میں نے کچھ اور بھی
مانگا تھا؟“

”اسی لیے تو آج واپس آیا ہوں لیکن ہفت نہیں
مصرف تین دن۔ ٹھوڑے ٹھن دن سے زیادہ میری دوری
برداشت نہیں کر سکتی۔ اور شاہد نہیں ہرا کے مگر میں اس
کی کوئی بات مان نہیں سکتا۔“

”گو یہ میری آخری خواہش تھی۔ بہر حال اب میں
نہیں صرف آج کا دن روکوں گی۔ کل نم اپنی ٹھوڑے بڑا کے

”دو تو فیصلہ کر چکے ہو؟“
”ہاں۔“ ہنسنے سر جھکا لیا۔

”وجہ؟ کیا وہ مجھ سے خوبصورت ہے؟“
”کم عمر ہے۔“

”ہنسنے بہت زیادہ چاہتی ہے۔“
”اور میں؟ کیا میری چاہت میں کمی آگئی
ہے؟“

”نہیں۔۔۔ لیکن وہ مجھے پسند ہے۔ بہری وفاق اور
جہ۔“

”کبھی میں بھی نہیں۔“ روز کے لہجے میں مسرت
ٹھوڑے لے دے گی۔

”و کچھ میں تمھارے لیے اتنا کچھ چھوڑے جا رہا

ہے۔ اسے صرف نہاد کی آسودہ حالی سے سروکار ہے۔ ہاں بے نادہ نظائیس سال کی ہے اور تم اس ماہ چائیس کے ہو جاؤ گے۔“

”بہ فرخ اکتا بڑا نہیں ہے۔ وہ میرے ساتھ سوت کرتی ہے۔“

”وہ عاکباً اسی واہیات ہوئی میں تمہاری منتظر ہو گی، جہاں وہ نم سے کھلنا باہر لی گی۔“

”ہاں روز..... نم جاتی ہو اس چوٹے شہر میں اس کے علاوہ ڈھنگ کا کوئی ہوئی ہی نہیں ہے۔“

”کچھ اس..... اس کے علاوہ سارے ہوئی ڈھنگ کے ہیں۔“ روز نے منہ بناؤ۔

”بہ نہادری وہ بنت بول رہی ہے۔“ پتیر نے اس کی بات کا برا نہیں سنا پٹا۔

”نواز سے بھی لے آئے۔ جیری ہول میں کافی اچھے ہوئی سوچ رہی ہیں۔“

”ڈیڑھ سو کھو میٹر کا سفر صرف اس لیے طے کرنا کہ وہ بہری کھلی ہوئی سے مل سکے۔ اسے قطعاً گوارا نہ ہوئی۔“

”بڑا خیال ہے اس نئی پینڈ واپینڈ کا؟“ وہ بہری نہیں جانتی تھی مگر نہ پانے ہوئے بھی اس کے لیے میں تھی کارنگ بھر گیا۔

”نہادری خیال بھی نورکتا تھا؟“ پتیر کا جواب غیر متوقع تھا۔

”ہاں..... اسی وجہ سے تلجود کی اتنی تکلیف دہ لگ رہی ہے۔“ روز کے لیے آسودہ کنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے ذہن لانے کے لیے موضوع تبدیل کرنے کا سوچا مگر اس کے علاوہ اسے کوئی موضوع نہ سوجھا۔ وہ دوبارہ بولی۔

”کل فچ کے بعد نم چلے جانا۔“

”اگر چاہو تو دونوں مرد رکتا ہوں۔“ پتیر نے

پاس جا سکتے ہو؟“

”بیٹیا نم خفا ہو؟“ پتیر آج بھی اسے پینڈ کرتا تھا مگر غور بڑانے جانے اس پر کون سا جادو کیا تھا کہ وہ دس سالہ دنافنت کو ٹھوکر مار کر جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو خندہ پیشانی سے الوداع کہیں۔

”کیا فائدہ؟“ روز نے کندھے اچکانے۔ ”غفلت کی اہمیت اس وقت ہوتی ہے جب کسی کو ہمارے دوٹمنے سے تکلیف پہنچے۔“

”روز!..... اگر آخری دن کھوں، کھوں کی تذکرہ ہے تو مجھے چلا جانا چاہیے۔ جبکہ میں پہلے تاجکا ہوں کہ میں تمہیں کوئی صفائی نہیں کر سکتا۔“

”اوس کے..... ڈنر میں کیا پینڈ کر رہی ہے؟“

پتیر سسکرایا۔ ”رہیں لائیک اے گڈ گرل۔“

☆ ☆ ☆

رات کو اس نے ایک منٹ بھی پتیر کو ہونے نہیں دیا تھا۔ بہت بھری باتوں کی تان آخر نمودار کے ذکر پر ہی آئی ہوئی تھی۔

”تمہیں بہ خوبصورت ڈاؤن نو بہتہ باور ہے گا نا؟“

”ہاں۔“ پتیر نے اعتراف کیا۔ ”اور نم بھی۔“

”ڈاکٹر لارا کہہ رہی تھیں کہ اب میں ماں بن سکتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے نا؟..... تم شادی کر لیتا۔“

”نہیں۔“ روز نے فنی میں سر ہلایا۔ ”میں ہمیشہ تمہاری واپسی کی منتظر ہوں گی۔ مجھے امید ہے جلد ہی تمہارا دل اس نئی تھی سے بھر جائے گا اور تمہیں دوبارہ اپنی روز کی یاد آئے گی۔“

”نم جذباتی بلیک سبلیگ کی کوشش کر رہی ہوں۔“

”بہ حقیقت ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کھس نہیں

نیسی ہوئی تھی۔

"شاید تم سے بھی بڑھ کر۔ اور ہاں کل لچ میں تشر
صرف رائس اور چکن لوں گا۔" پیٹر نے اس کے سوال کا
جواب اس انداز سے دیا گویا اسے وارن کر رہا ہو کہ وہ
مزید اس موضوع پر گفتگو پسند نہیں کرتا۔

"سوسپل میں کیا لیں گے؟" روز، اس کا سوز
دیکھتے ہوئے دوبارہ اس موضوع پر نہ آئی۔

"تھیسس بھولی گیا ہے کہ مجھے کیا پسند
ہے۔" بظاہر اس کا انداز قطعی لیے ہوئے تھا۔

روز جلدی سے بولی۔ "تھیسس جانتی ہوں تھیسس
آئس کر ہم پسند ہے۔"

"پھر پوچھنے کا مقصد؟"

"تو بھی تو مجھے پتا ہے کہ تھیسس چکن اور رائس پسند
جی، پھر کیوں با دوہانی کرانی؟"

"اوکے بھگڑا چھوڑو، مجھے پسند آ رہی ہے۔"

"اوکے زبیرا... اب تم سو جاؤ۔" پیپرہ سحر نمودار
ہونا دیکھ کر روز بسز سے اٹھ گئی۔

"تم نے تھیسس سوتا؟" پیٹر نے خند سے پوچھل
تھیسس اس کی طرف گھما گئی۔

"تھیسس! میں نے تھیسس الوداع کرنے کی تیاری
کر لی ہے؟" کہہ کر وہ دائیں روم میں گھس گئی۔ پیٹر میں

بھی مزید سوال جواب کی ہمت نہیں رہی تھی۔ یہ بات روز
بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ پیٹر نیند کا کتنا رسیا ہے۔ اب

لچ سے پہلے اس کے اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
دائیں روم سے نکل کر وہ اپنے پرانے ماڈل کی

شیواریٹ کی طرف بڑھ گئی۔ لیے سفر کے لیے یہ ایک
زبردست کار تھی۔ گرا سے لیے سفر سے دشت ہوئی تھی۔

☆.....☆

پیٹر کی آکھ روز کے چکانے پر کھلی تھی۔

"زبیرا! اٹھو؟" لچ تار سے۔"

ہنگامے ہوئے آفری۔

"نہیں!....." روز نے اسے آؤٹانس میں ڈالنا
مناسب نہ سمجھا۔ "دورن با ایک ہفتے سے میں کیا خوشی

کھد کر رہی گی۔ اللہ کہہ کی شدت میں اضافہ ہوگا، لچھ لچھ
مرنے سے ایک بارگی موت آسان رہتی ہے؟"

پیٹر گھبرا کر بولا۔ "گھس تم نے کوئی غلط تو نہیں سوج
رکھا۔ نعمانی موت بہر حال میرے لیے دکھ کا باعث ہوگی

اور میں جانتا ہوں تم مجھے دکھ رہتا پسند نہیں کرو گی؟"
روز نے لچی میں سر ہلایا۔ "تھیسس میں خور کئی نہیں

کروں گی۔ میں سرتے دم تک تمہارا انتظار کرنا چاہتی
ہوں۔"

"شاید میں بھی نہ لوٹوں؟"

روز مسکرائی۔ "غلط نہیں ہے تمہاری غیر ہو بھی سکتا
ہے، اگر تم غور بڑا کی ہے وہ فانی کے بعد کسی اور پاس پہلے

کے تھے تو ایسا ہونا ممکن ہے۔"
"تھیسس اس کی ہے وہ فانی کا آقا یقین کیوں

ہے؟" پیٹر نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔
"کیونکہ میں نہیں سمجھتی کہ تم آج بھی اتنے پیٹل سم

ہو کہ ایک انیس سالہ ڈیڑھ نم پر مریں۔"
"اگر یہ ٹھیک ہے تو تمہاری شکل کی وجہ؟..... تھیسس

تو خوش ہونا چاہیے۔ کیونکہ تم اب بھی پہلے کی طرح ہو اور
کوئی بھی جوان تھیسس اپنا ک خوش محسوس کرے گا۔"

روز نے منہ بنا یا۔ "پیٹر تھیسس علم ہے کہ تم میری
محبت ہو اور وہی سالہ از روایتی زندگی اس کا مظہر ہے۔"

"ویسے کیا تھیسس سروی نہیں لگ رہی؟" پیٹر نے
اپنے اوپر کھل سمجھا۔ روز جان گئی کہ وہ اس موضوع سے

فرار چاہتا ہے۔
"پیٹر!....." کیا وہ تھیسس میرے جتنا ہی چاہتی

ہے؟" روز نے مزید فریب ہونے کی کوشش کی حالانکہ یہ
ایک لاشعوری حرکت تھی وہ پہلے بھی اس کے ساتھ لگ کر

نے فون پر اتھوئی کہ بخوش خبری سنائی تھی۔

اس وقت وہ اپنی چھوٹی انگلی سے انگلی اشارے میں مصروف تھا مگر غلطی سے پیٹنے والی انگلی اترنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ انگلی کے تھینے میں چرا سفید رنگ کا ہیرا آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہا تھا۔

اچانک اس نے ہینر ایجنٹس کو ہونٹ میں داخل ہوتے دیکھا وہ سیدھا لفت کی طرف بڑھ گیا تھا۔ کلارک کی پیشانی پر ٹھکر بھری گلیسر بس نمودار ہوئی انگلی اترنے کا مشغلہ موقوف کرتے ہوئے اس نے ہینر کو روکنے کا سوچا۔ وہ جانتا تھا کہ ہینر کہاں جا رہا ہے۔ وہ زیادہ دیر غذبذب کا شکار نہ رہا اور اپنی کرسی چھوڑنے نوئے وہ ہینر کی طرف بڑھ گیا۔

”سسر! جنکس!.....“

”نہیں!.....“ ہینر نے اپنے حیرانی سے دیکھا۔

”سر!.....“ دو منٹ بجھے وہیں گئے؟“

”ہاں یارو!.....“ ہینر کے لہجے میں حیرانی تھی۔

”نہیں سر!.....“ توہو! سائیز پر ہو کر بات سنیں۔“

وہ منجھب سا کلارک کے ساتھ ہولیا۔

وہ اسے سائیز پ لے جا کر ہولا۔ ”سر آپ یقیناً

کس فلوریٹا کے پاس جا رہے ہوں گے؟“

”ہاں تو؟“ ہینر کے لہجے میں حیرانی برقرار تھی۔

”سر پلیز اگر آپ دو منٹ گھنٹے بعد تشریف

لائیں۔“

”مگر کیوں؟“

”.....“ وہ دراصل وہ اس وقت موجود نہیں ہیں

کمرے میں۔“ کلارک گزبواتے ہوئے ہولا۔

”تو میں وہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کر لیتا

ہوں؟“ ہینر نے اطمینان سے کہا۔

”نہیں سر!.....“ یہ مناسب نہیں ہوگا۔“ کلارک

ٹھہرا گیا تھا۔

”سسر!.....“ سیدھے طریقے سے بتاؤ نام چاہتے کیا ہو؟“ اس بار ہینر کے لہجے میں سختی آگئی تھی، حالانکہ وہ ایک نرم شخص تھا۔

کلارک نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اوکے

..... اوکے سر!.....“ بات یہ ہے کہ ہونٹ کی انتظامیہ جھگڑا

نہیں چاہتی۔“

”میں سمجھا نہیں؟“ ہینر نے وضاحت چاہی۔

”اف!.....“ میں کیسے سمجھاؤں؟“ کلارک نے

پریشان ہو کر سر پکڑ لیا۔ ہینر کا تجسس بھی بڑھ گیا تھا۔ ”اچھا

ابا ہے کہ کس فلوریٹا اس وقت مصروف ہیں اور اس نے

منع کیا ہے کہ کسی کو گلی میں اس کے پاس آنے کی اجازت نہ

دئی جائے۔“

ہینر کارل ناٹو ٹھکرانہ نماز میں دھڑکنے لگا۔ ”سسر

.....“

”کلارک، میرا نام کلارک ہے، دوست، جمل کہتے

ہیں۔“

”تو سسر کلارک!.....“ میں اس کے باوجود اس کے

پاس جانا چاہوں گا۔“

”مگر سر!.....“ آپ نے تو کل شام کو آنا تھا؟“

”صحیح بے جا؟“

”فلوریٹا نے سر!.....“ سائیز میں کس فلوریٹا کا راز

نہیں رکھ سکا ہوں۔ اصل میں وہ اس وقت اپنے برائے

فریڈ کے ساتھ مشغول ہیں۔ اس کے ساتھ وہ نو بجے

تک رہیں گی۔ دس بجے آئیں آ جائے گا، اس کے

ساتھ انھوں نے صبح تک رہنا ہے۔ اور صبح آٹھ بجے سے

دوپہر تک کا ٹائم فریڈ کا ہے۔ اس کے بعد وہ آپ کے

استقبال کی تیاری کر میں۔“

”نت۔ تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟“ ہینر کا دم گھٹنے

لگا۔

”سر!.....“ ہینر سہرا نام نہ لبتا، مگر حقیقت یہی

الفاظ گونجے۔

”کیونکہ میں نہیں سمجھتی کہ تم آج بھی اسے پیغام ہو کہ ایک انٹرنیٹ سالہ درخیزہ تم پر مرنے۔“

”ہاں روزِ ذرا رنگ!..... تم نے سچ کہا تھا۔“ اس نے دربارہ روز کی رمی ہوئی ریست واپس آگئی اور اس کی تکی جھکوا کر آدھی رطوفان کی طرح چھری ہول کی طرف روانہ ہو گئی، گوا سے یقین تھا کہ روز بھی خود کشی یا اس قبیل کا کوئی غلط کام نہیں کرے گی۔ مگر اس کے بارہ روز جلد از جلد وہ اپنی روز کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔

”ارے!..... کوئی چیز بھول گئی تھی کیا؟..... مجھے فون کر رہے رہیں پہنچا رہی، اس بہانے آپ کی فلور بڑا سے بھی مل لیتی۔“ زہرہ منگراتے اڑنے بولی۔

وہ بے ساختہ اس سے پت گین۔ ”روز!..... اتنی لمبہ روز رنگ۔“

”یازد شہزاد! روز سسکی۔“ مگر اب کیا فائدہ؟“

”چلو میرے ساتھ۔“ زہرہ اس سے تلخ ہوا۔

”کہاں؟“

”ہم ابھی شادی کر رہے ہیں۔“

”سہم! مگر شادی..... پہلے میں سمجھی تھی؟“

”تم نے شادی کے لیے کب سے نیا لباس سلا کر رکھا ہوا ہے؟“

”جب سے تمہارے ساتھ رہنے لگی اس وقت سے۔“

”تو بس مخالفت لباس بدلی کرو۔ اور تمہیں شاید پتا نہ ہو میں نے بھی چند ماہ پہلے سلاوا تھا مگر درمیان میں فلور بڑا صلاب آن گئی، اسے جواب دے کر ابھی آ رہا ہوں، ہونہا!..... میری روز کی جگہ سنبھالنے چلی تھی۔“

روز گویا ہواؤں میں اڑتے ہوتے الماری کے پاس گئی، اور چند لمحوں بعد وہ نیا لباس پہن چکی

ہے۔ اور اس رقت میں نے اسی لیے آپ کو روکا ہے کہ آپ کی کسی کے ساتھ لڑائی ہو جانی تھی۔ وہ بھی اپنے عیارہ فلور بڑا کے کسی در سر سے عاشق سے رائق نہیں۔ اور آپ سے جسمانی لحاظ سے خاصا ٹھنڈا ہے، ہنس ہال کے کھلاڑی یوں بھی لڑائی جھگڑے کے ماہر ہوتے ہیں۔ سب بڑھ کر اس جھگڑے سے ہول کی تک نامی پر چھانے لگے گا اور میں اب اسکی صورت میں نہیں ہونے دوں گا۔ کیونکہ یہ ہول اسکی سیکلوف کی ملکیت نہیں میں بھی اس کا شیئر ہولڈر ہوں۔“

”اگر میں جھگڑا نہ کرنے کا وعدہ کروں تو؟.....“

”مشکل ہے۔ بہرہ وہ آپ کر رہے ہیں کی نہیں۔“

اس کی زبرداری کون نے گا؟“

”اوکے!.....“ زہرہ اسکی سے لیے سزا۔

”سرا اگر آپ فلور بڑا کے نام کوئی پیغام بھولنا چاہیں تو میں اس تک پہنچا دوں گا۔“

پہلے مگر عسوس ہوا فلور بڑا کی وجہ سے اس کی بہت

انسلٹ ہو چکی ہے۔ اگر وہ اس بات کو جبار بنا کر ضلع نطق

کرنا تب بھی اس کی سکی تھی کہ کسی اور نے اس کی محبوب

چھین لی۔ اس کے بجائے اپنی انا اور خود راری برقرار رکھنا

ضروری غارہ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا، یوں کسی

سے شکست کھانا اسے قبول نہیں تھا۔

”ہاں!..... مجھے کاغذ چاہیے ہوگا۔“

کھارک نے اطمینان بھرا سانس لینے ہونے اس کے سامنے پڑ رکھا۔

ایک لمحہ سوچ کر چہرے لکھا۔ ”سوری مس فلور بڑا

!..... میں اپنی روز سے تلخ نہیں ہو سکتا آج ہم شادی کر

رہے ہیں، بقیتنا تم شامل ہونا پسند نہیں کرو گی اس لیے میں

نے تمہیں دعوت نامہ بھجوا کر ضروری نہیں سمجھا۔“

کھارک کو پیڑہا اٹھ کر کے وہ لیے لیے ڈگ بھرتا

ہوئی سے باہر آ گیا۔ اس کے رہائش میں روز کے کبے

"سبز پنیر؟" آواز مانوس کی تھی مگر وہ پہچان نہیں پائی تھی۔

"بول رہی ہوں؟"

"کھارک بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ!....." روز کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

"میرا خیال ہے میں نے تمہیں رابطہ کرنے سے منع کہا تھا مسز؟"

کھارک جلدی سے بولا۔ "باد ہے سبز پنیر!..... میں نے بس آپ کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے فون کیا ہے۔"

وہ ہنسی۔ "شکر یہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے۔ ایک ڈائننگ روم کے بدلے آپ نے میرا سٹور واہن لوٹا دیا..... اگر آپ پنیر کو فلور بنڈا، کوئٹن، بیسٹن کے پارے نہ بنا تے تو شاید کبھی واہن نہ لوٹتا۔"

"سبز پنیر!..... آپ کی مہربانی کہ آپ نے ایسی لاجواب ترکیب کی طرف میری رہنمائی کی..... اور بونس میں میرے کی انگوٹھی بھی میرے حوالے کی..... اس طرح آپ کو اپنا پنیر ملا اور مجھے اپنی فلور بنڈا واہن مل گئی۔ کھل دو میری دنگن میں رعنا ہے..... یقین مالاو جب سے اس نے پنیر میں دیکھی تھی شروع کی تھی میری راتوں کی نیند اور دن کا آرام کھو گیا تھا..... کہیں ممکن سبز پنیر آپ مجھے ہمیشہ یاد رہیں گی..... گند بانی۔"

"گند بانی۔" رابطہ منقطع ہوتے ہی اس نے مسکراتے ہوتے رسید کر پل پر رکھ دیا..... اس کی جلا سے قطریلہ اکھارک کی محبوبہ کی بانہیں، اسے ٹپکی بانہیں..... اسے تو خط اپنا پنیر واہن چاہیے تھا، ایک ڈائننگ روم کہاں پنیر سے قیمتی ہو سکتی تھی..... میرے کی انگوٹھی تو دوسری بھی مل گئی تھی، مگر پنیر چلا جاتا تو اس کا ضم البدل ملنا مشکل تھا۔

تھی۔ وہاں سے دو روز گئے کہ چرچ کی طرف روانہ ہوا۔ رستے میں روز جھکتے ہوئے بولی۔

"ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے پنیر!"

"کہا؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"آپ نے جڑ ڈائننگ روم کے کمرے کی تھی دو گھنٹے سے کم ہو گئی ہے۔"

"رات تک تو وہ تمہاری انگلی میں موجود تھی؟" اس کی حیرانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"ہاں..... صبح ہی کھینچا دیا میں ہاتھیں ہوتی ہے..... میرا خیال ہے مارکٹ میں کھینچ گئی ہے؟"

کوئی بات نہیں۔ "تجربہ نفلن کے سوچ پر پیر نے خفا ہوا، مناسب نہیں سمجھا تھا۔" ہم اور فریب لینے ہیں؟" یہ کہہ کر اس نے کار کا رخ مارکٹ کی طرف کر دیا۔



دو روز کی زندگی کی سب سے سہانی شب تھی۔ گزشتہ شب وہ پنیر کی جدائی کا سوچ کر سو نہیں سکی تھی اور آج کی رات اسے ہمیشہ کے لیے پار لینے کی خوشی بہت نہیں ہو رہی تھی۔ پنیر بھی بہت خوش تھا۔

صبح جاگنے پر اسے پنیر گہری نیند میں ہی نظر آ گیا۔ فریٹس ہو کر وہ کچن میں گھس گئی۔ البتہ کک کبھی میں کافی کے لیے گرم پانی ڈال کر اس نے پلگ سوچ میں لگا دیا اور فریج کی طرف بڑھ گئی۔ مگر فریج کا دروازہ کھولنے سے ٹپ ٹپ کی گھنٹی نے اسے اپنی جانب منہ پڑ گیا۔ وہ لپک کر فون کے قریب پہنچی کہ کھینچ گئی کی آواز سے پنیر کی نیند میں غلط نہ پڑ جائے۔ گو اس کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ پنیر گھوڑے بیچ کر سونے کا عادی تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ جی الامکان کوشش کرتی کہ کوئی ایسی بات واضح نہ ہو جس سے پنیر کی نیند میں غلط پڑے۔

"کیس؟" اس نے رسید اٹھایا۔



ادب و معاشرہ

مصرہ کے ادب



دینی زبان، ادب اور معاشرت پر ایک نظر

(ڈاکٹر عبدیم شفیق ملک کی وسیع لسانی تحقیق)

پروفیسر غازی علم الدین

پاکستان

موضوع ہے جس پر وہی قلم اٹھا سکتا ہے جسے کئی زبانوں پر عبور حاصل ہو، زبانوں کے باہمی رشتوں کا راز شناس ہو۔ ایسی ہی ایک مثال دس سے زائد تحقیق کتابوں کے مصنف ڈاکٹر عبدیم شفیق ملک کی ہے جن کے مطالعہ اور تحقیق کی ایک نہیں، کئی جہتیں اور پریشیں ہیں۔ زبان و ادب، اقبالیات، تاریخ، بین الاقوامی تعلقات اور فوجی سلامتی کے مطالعہ سے گہری دل چسپی رکھتے ہیں۔ تاریخ میں ایم۔ ایس۔ سی، ایم۔ فل، پی ایچ۔ ڈی اور اقبالیات میں ایم فل اور پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں پنجابی زبان و ادب میں ایم۔ اے اور پکن سنڈ: میں ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگریاں، فوجی سلامتی میں پوسٹ

کے شمالی علاقوں کا شمار دنیا کے کثیر لسانی پاکستان مقامات میں ہوتا ہے۔ یہاں بولی جانے والی اہم زبانوں میں ہینا، لٹی، برہو، سسکی، دخی، گوجری اور کھوار شامل ہیں لیکن ان سب میں رابطہ کی زبان، ہماری فوجی زبان اردو ہے۔ کتاب زہر بھٹ تاریخی، جغرافیائی، سیاسی اور مذہبی اہمیت کی حامل دینی زبان، اس کے ادب اور معاشرت کا عیس تحقیقی مطالعہ ہے جو ڈاکٹر عبدیم شفیق ملک کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت عمدگی کے ساتھ دینی زبان و ادب کی تاریخ اور اس کے بولنے والوں کی معاشرت کو اپنی تحقیق کا حصہ بنا ہے۔ لسانیات کا موضوع ایک گہرا اور نرے کار

ہیں۔

دینی و رسائل و ادبی واخان کے باشندوں کی زبان ہے۔ اس کا تعلق باہری زبانوں کے بنوئی گروہ سے ہے۔ ان زبانوں کا نہ تو کوئی رسم الخط ہے اور نہ ہی تحریر میں لائی جاتی ہیں بلکہ انہیں صرف بولنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ دینی بھی ابھی تک ایک غیر تحریری زبان ہے اور صورتاً ہی تراکیب تک محدود ہے۔ دینی زبان پر فاری کا بہت گہرا اثر ہے۔ چوں کہ پاکستان کی دینی برادری کا تعلق اسامیلی شیوہ برادری سے ہے۔ اس لئے فاری زبان و ادب پڑھنے اور سمجھنے کا رجحان بھی ہے۔ پاکستان میں دینی برادری کی بڑی آبادی وادی ہیرال کے ابتدائی شمال مشرقی حصے پر مغل، بالائی رٹان اور اٹکوس کی وادیوں میں اور پنجاب کی وادیوں کو جلال، شمشال اور چوہدری میں موجود ہیں۔ دینی آبادیوں میں خواندگی کا تناسب ساتھ ہی صاف ہے۔ مرد و عورتوں کے ساتھ اردو بھی بولتے ہیں جب کہ آہمی سے زیادہ خواندگی بھی اردو بول سکتی ہے۔

فاضل مصنف کے مطابق دینی معاشرت کا ایک اہم پہلو غلامی میں امن و امان کی بہترین صورت حال اور ہم آہنگی کی نفاذ ہے۔ دینی ثقافت کے غنیمت اور غلامی کی زندگی کے لئے مذہبی، سماجی اور مذہبی تنظیمیں قائم ہیں۔ دینی برادری کی ثقافت زندگی میں مذہب ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مذہبی طور طریقوں نے دینی لوگوں کی روزمرہ زندگی اور ثقافت پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ مذہبی گیت گانا اجتماعی عبادت کا مرکزی جزو ہے۔ ان مذہبی گیتوں کو گمنان کہا جاتا ہے۔ دینی برادری میں کثیرالسانیت کا رجحان موجود ہے۔ دشوئیں، بزرگی و وسیع رابطے کی زبانیں اختیار کرنے کی طرف ایک بڑا زور دیتے رہنے کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہر ایک عام سی بات ہے کہ وہ ایک با ایک سے زیادہ ہمسایہ زبانوں میں مہارت حاصل کریں۔ دینی

گوجراہٹ و ایلوہہ بھی رکھنے ہیں۔ سیاسیات پاکستان، تحریک رتاریج پاکستان اور بین الاقوامی تعلقات بران کے سبز (۷۰) سے زائد تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی جو ذرا لوگوں کو بہت جانتی ہے وہ ان کی دین و ادبی، حسب الوطنی، علامہ اقبال اور قائد اعظم سے ان کی وابستگی معتدبت ہے۔ آپ ایک سچے کلمے اور محکم پاکستانی ہیں۔

فاضل مصنف نے اس کتاب کو پندرہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں پاکستان کے شمالی حصوں میں بانی جانے والی لسانی اور ثقافتی اور معاشرتی شروع کے پس منظر کا جامع تحقیقی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ دینی برادری کے رٹن مولوں، واخان کی پٹی کے جغرافیہ، آب و ہوا، تاریخ اور اس علاقے میں نئے ذیلی مختلف برادریوں کے بارے میں معلومات اور سرفہ باب میں دی گئی ہیں۔ واخان کی پٹی کے علاوہ بھی پاکستان کے مختلف شمالی علاقوں مثلاً ہیرال اور جلال میں دینی برادری آباد ہے۔

نیرے باب میں ان کے احوال مرقوم ہیں۔ مذہب اور مذہبی روایات برابرا راست زبان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چوتھے باب میں دینی برادری کی مذہبی بنیادوں کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور بتا گیا ہے کہ مذہب نے زبانوں کو کس طرح متاثر کیا ہے۔ پانچویں باب میں دینی زبان کے لسانی مآخذ کے کھوج، رسم الخط، صوتیات، ذخیرہ الفاظ اور علاقائی بولکھنوں سے متعلق تفصیل کے ساتھ آگاہ کیا گیا ہے۔ دینی بولنے والوں کے درمیان روادو سے زیادہ زبانیں جانتے والوں کے لسانی رویوں کے بارے میں بھی جاگزا، لبا کہا ہے۔

پچھلے باب میں غیر تحریری دینی زبان و ادب کا خوب صورت اور جامع جاگزا پیش کیا گیا ہے۔ دینی شاعری کے نمونے مثلاً لوک گیت، رہا میاں، لورباں ضرب الامثال، کہوئیں، پہیلیاں، جملہ دینی شہرے اور کہانیاں شامل

حواشی بڑی محنت سے تحقیقی اسلوب کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ حواشی کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے کس طرح تحقیق کے مشکل اور تاریک گوشوں کو کھدروں کو چھان مارا ہے اور اصل مصادیق اور منابع تک رسائی حاصل کی ہے۔ بعض حواشی تو ایک مستقل تحقیقی مضمون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تحقیقی پیش کش اپنے موضوع کے لحاظ سے لسانیاتی ادب میں ایک مفید، لائق تحسین اور دو فہم اضافہ ہے جو فاضل محقق کی محنت شانہ، تحقیقی مہارت اور ادنیٰ اسلوب نگارش کی اچھی مثال ہے۔ فاضل محقق نے کچھ نئے اور زیب و تہذیب کے اسے مربوط اور منظم انداز میں پیش کیا ہے۔

کسی کتاب کے مسند ہونے کا اذہمیں معیار ہے کہ اس کے ساتھ مصادیق کو بکھا جائے کہ وہ کس درجے کے ہیں۔ زب نظر کتاب بقیتاً اس درجہ کی ہے کہ اسے لسانیات کے اس ذخیرے میں دکھا جانے کے جو اعلیٰ علم و فضل کی نظر میں رفیع مسند اور قابل تقدو ہے۔ دوسرا معیار اس کا اسلوب اور انداز بیان ہے۔ یہ کتاب اس اعلیٰ بنیاد پر بھی پورا اترتی ہے۔ فاضل مصنف اور ادارہ فروغِ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد) مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کے توسط سے یہ پیش کش زبیر علی خاں سے آراستہ ہوئی۔

تعارف مضمون نگار:

پروفیسر غازی علم الدین

مصنف:

۱۔ لسانی مطالعے۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۲۔ تحقیقی و تجزیاتی زاویے۔ بزمِ کلین ادب،

پاکستان کراچی

۳۔ جہانِ فرنی۔ مکتبہ جمال، اور پازار اولاد پور



زبان کے دانش ور، مفکرین، علماء اور ذہنی قویں و ایک سے زیادہ زبانیں مثلاً فارسی اور انگریزی وغیرہ جانتے ہیں۔

فاضل مصنف کے مطابق تمام ذہنی ادب غیر خبری ہے اور اسے نسل در نسل جاننے میں محفوظ کیا گیا ہے۔ اس ادب میں مختلف شاعرانہ اظہار اور کہانیاں شامل ہیں۔ ذہنی ذخیرہ الفاظ کو برقرار رکھنے میں ذہنی شعراء، موسیقاروں اور گلوکاروں نے بڑا کام کر دیا اور کیا ہے۔ ذہنی زبان کی سردان اور ذہنی شاعری میں ایک واضح امتیاز موجود ہے مثلاً شادی بیاہ کے گیت، عام نغمات، مذہبی گیت گانا اور داستان گوئی و ادبی طوطی پر مردوں کا کام ہے۔ دوسری طرف بلبلک، ذہنی نوک، گیتوں کی ایک سرسبز قسم ہے جو صرف اور صرف نثرانین کی شاعری ہے۔ گد بان عموماً موسم گرما میں پہاڑی پر اکھوں پر جاہنے وقت اپنے گاؤں اور اہل خانہ کو چھوڑتی ہیں تو جدائی اور نرپ کے جذبات کا اظہار ان گیتوں میں کرتی ہیں۔ ذہنی شاعری کی تمام اصناف کا مرکزی خیال ماں باپ کی محبت اور خانہ ان سے جدائی وغیرہ ہوتے ہیں۔

فاضل مصنف کے مطابق ذہنی ادب کا بڑا حصہ داستان گوئی پر مشتمل ہے۔ ان کہانیوں میں قسمت، نمانا، جبر و فدا وادی، بہادری، بزدلی، رخ اور گلست جیسی انسانی اقدار کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ تاہم ذہنی نوک داستانوں کی اکثریت کو ابھی تک جملہ تحریر میں محفوظ نہیں کیا جاسکا۔ ذہنی زبان کو اگرچہ بولی جانے والی زبان کی حیثیت سے تو معدومیت کا کوئی فوری خطرہ دوپیش نہیں تاہم اس کے لوگ ادبہ ذخیرہ الفاظ، کلاموں اور دوسرے لسانی ذرائع کو خبری شکل میں محفوظ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

یہ کتاب اعلیٰ سطحی جامعاتی تحقیق کے لئے ماہنامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے

ذہن لاشعور کبھی نہیں سوتا، سوانے والا ذہن شعور ہے۔

شعور اور لاشعور



شاز یہ حسن

☆

کے مطابق کام لے سکتے ہیں مگر مؤخر الذکر تینہ میں بھی کام کرتا اور اپنی مرضی کے مطابق سوچتا رہتا ہے۔ ایسے عمل کو خواب کہتے ہیں۔

لاشعوری دماغ اصل میں ایک بہت بڑی قوت ہے، یہ ناصرف شعور، دماغ کا مددگار ہے بلکہ اپنے طور پر بھی سوچتے سمجھتے اور مسائل کے حل کرنے کی

انسانی جسم کے بعض اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں وغیرہ دماغ کے حکم کے تحت کام کرتے ہیں مگر بعض مثلاً دل، بیض وغیرہ از خود سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اگر یہ دک جائیں تو یوں کیجا جاتا ہے کہ انسان فوت ہو گیا ہے۔ انسان کے دماغ کے دو حصے ہوتے ہیں شعور اور لاشعور ہیں۔ اول الذکر سے ہم بحالت بیداری اور اپنی مرضی

واپس آ کر دیکھا ہوں۔ اس پر وہ شرارتوں کی طرف مائل ہونے کی بجائے اپنے کام کی تکمیل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہی حال ہمارے لائسور کا ہے۔ وہ ہمارے سوتے ہی اپنی من مانی کارروائیوں میں مصروف ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات تو غیر ضروری اور خطرناک موضوعات پر غور و فکر کر کے ہمیں ڈرا دیتا ہے۔ دانا لوگ اپنی اس نظمیں خدا واد قوت سے بڑے بڑے غاندے حاصل کرتے ہیں۔ آپ بھی اس سے بطریق ذیل استفادہ کیجئے۔

ہنر پاکیزہ و ماحول میں سوئیں، آپ کا جسم اور لباس داسر پاک صاف بلکہ معطر ہو۔

ہنر ناز نہ پڑھ کر اور اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے سوئیں۔

ہنر کتنی ہی پریشانیوں کیوں نہ ہوں آپ اسے سپرد پروردگار کر کے اپنے آپ کو تسلی دیں کہ میرا خالق یقیناً میرا حامی و ناصر ہے، وہ مسبب الاسباب ہے، وہ یقیناً میری از غائب مدد کرے گا مجھے اس تکلیف کے برداشت کرنے کی توفیق دے گا۔

ہنر دن بھر کام کرنے کی وجہ سے آپ کے ہاتھ یقیناً پھلے ہو جائے ہیں مگر آپ آخر میں انہیں جو کر پھر لینے پاک صاف کر لیتے ہیں۔ نمک اسی طرح دن بھر کام کرنا چاہئے دوران آپ کو کئی خوشگوار اور کئی ناخوشگوار واقعات پیش آتے ہیں جن میں آپ کا دماغ خاصا متاثر ہوتا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ سونے سے پہلے آپ اپنے دماغ کو پریشانیوں سے آزاد کر کے سوئیں۔ اس مقصد کے لئے آپ اپنے دوست سے بی بہلائیں۔ امید افزاء تصورات کو اپنے ذہن میں لائیں اور کچھ بھی نہ ہو سکے تو طرہ بہ اشعار گائیں اور لہنیے پڑھیں۔ الغرض آپ لائسور پر آرام کا بیوج ڈال کر سونے کی بجائے اسے خوش خوش رخصت کریں۔

ہنر اس سے پہلے کہ آپ پر نیند کا غلبہ طاری ہو آپ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ اس کی وی ذوقی نعمتوں کا

اہمیت رکھتا ہے۔ ہم جو کچھ پڑھتے یا سمجھتے ہیں لائسوری دماغ اسے اپنے ہاں محفوظ کر لیتا ہے اور یہ وقت ضرورت سے لائسوری دماغ کے حوالے کر دیتا ہے۔ مثلاً شروع میں ہمیں ٹائپ سمجھنے میں وقت نہیں آتی ہے مگر بعد میں لائسور از خود لائسوری دماغ سے تھوڑی سی مدد لے کر با آسانی ٹائپ کر لیتا ہے۔

بادر ہے کہ لائسوری دماغ کو من باقی باتیں بھی کہتے ہیں۔ جب ہم سونے ہیں تو لائسوری دماغ بھی سو جاتا ہے مگر لائسوری برابر اور مسلسل بیدار رہتا ہے اور کچھ نہ کچھ سوچنا رہتا ہے چونکہ بحالت خواب اسے لائسوری دماغ کی معاونت حاصل نہیں ہوتی اس لئے اسکا سوچنا بیکار کا بیشتر حصہ ہوا ہوتے ہی روپوش ہو جاتا ہے۔ تاہم طاغزو لائسوری دماغ بحالت خواب بہت کام کی باتیں سوچتا اور انہیں انسان کے بیدار ہونے پر لائسوری دماغ تک پہنچا دیتا ہے۔

آپ کے ذہن لائسوری دماغ کے ہاتھ میں ہے۔ لائسور میں ہمیں کی تمام باتیں اور اذانت محفوظ رہتے ہیں۔ جب تک آپ کا جسم زندہ ہے، آپ کے ذہن لائسور میں آپ کی پیدائش کے وقت تک کی باڈی محفوظ رہیں گی۔ لائسور میں آپ کی کلی ہولی خواہشیں، ارادے اور دلوں کے زندہ رہتے ہیں۔ ذہن لائسور ایک قوت ہے جو آپ سے ہر کام کر لیتی ہے، آپ کو زندگی کی زگر پر چلاتی اور آپ کی منزل کا تعین کرتی ہے۔

ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ جو بھی معلم جماعت کے کمرے سے ڈرا باہر جاتا ہے تو طالب علم کام کو چھوڑ کر اپنی من مانی کرنے اور شور مچانا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے مگر جو بھی معلم دماغ آتا ہے سب پھر سے کام میں لگ جاتے ہیں۔ اس لئے تربیت یافتہ اور تبحر دار استاد کمرے سے باہر جانے سے خوشتر ہیں۔ لائسور کو کام دے کر تاکہ کر دیتا ہے کہ اسے ابھی اور اچھی طرح کر دے جس جلد

آپ کو معلوم ہو کہ نیک ناصرف رات کو بلکہ دن کو بھی اکثر خیالات کی دنیا میں مستغرق رہتا تھا۔ ایک دفعہ تو کراچی کے سامنے کھانا رکھ کر چلا گیا دو کچھوہر بعد خالی برتنی واپس لینے کے لئے آیا تو دیکھا کہ نیک ناصرف نے برتنی کے عالم میں بے حس و حرکت بیٹھا ہوا ہے اس پر اسے خیال آیا کہ کھانے کو کیوں ٹھنڈا اور باقی ہونے دوں۔ خود ہی کیوں نہ کھاؤں۔ یہ سوچ کر سارا کھانا نیک ناصرف کے سامنے بچھ کر کھالیا اور برتنی وہیں چھوڑ کر گئی اور کام میں مصروف ہو گیا۔ نیک ناصرف جب ناصرف کے عالم سے شعوری عالم میں واپس آیا تو پس خوردہ کو دیکھ کر یہ باور کرایا کہ میں کھانا کھا چکا ہوں۔ اسے بھوک کی شدت ذرا محسوس نہ ہوئی۔

نیک ناصرف اگرچہ کھانے کی نعمت سے محروم ہو گیا تھا مگر اس نے اس عالم میں (کشش نفس) بیٹھے مسئلے کو حل کر کے دنیا کے ماسوزین سائنس دانوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوا لیا تھا۔ انی طرح کئی مفکر اسی نعت کے فٹیل گئی کی دن بھوکے پیاسے ویجے اور آخر وجدان سے ہٹکارا ہونے لگے۔ وجدان وہ نعت ہے جو انسانی سوچ کو جلا دیتی اور مسائل کے حل کرنے کے طریقے از غائب مگر لاشعور کے ذریعے بتاتی ہے۔

تیل لہی لوگ اپنے رب تک پہنچنے کے لئے سراج کرنے یعنی عیسوی اور ظلموں دل سے اللہ کے ساتھ او لگانے اور آخر وجدان حاصل کرنے اور اس کی قدرت کے امر معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

موجودہ مفکر اور سیاست دانوں کو جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو وہ بھی مایوس ہونے کی بجائے مسئلہ کو لاشعور کے حوالے کر کے اطمینان سے سو جاتے ہیں۔ لاشعور بحالت خواب مسئلے پر غور کرتا اور بار بار سوچتا ہے اور آخر صبح تک اس کا ایک کامیاب حل پیش کر دیتا ہے۔



شکر یہ ادا کریں اور اس اپنی ضرورت کی چیزوں کو اس طرح طلب کریں جیسے ایک بچہ اپنے والدین سے کوئی چیز طلب کرتا ہے۔ ساتھ ہی اپنے لاشعور یا اپنے آپ سے نیک ناصرف نے یہ بھی کہا کہ وہ ضروریات کو پورا کرنے اور مسائل کو سلجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اور سوچ کر مفید اور فائل عمل تجاویز بتائے۔ آپ کے اس عمل سے آپ کا لاشعور اپنی من مانی کارروائیاں کرنے اور غلطی سلسلہ سوچنے کی بجائے آپ کے حکم کے مطابق مسائل کو حل کرنے میں مصروف ہو جائے گا۔ مثلاً آپ مکان، بڑا مکان چاہتے یا کوئی چیز یاد کرتے چاہتے ہیں تو یہ مسئلہ لاشعور کے حوالے کر کے سو جائیں۔ دوسری رات اس پر غور کرے گا اور صبح سویرے معلوم دے گا، وہاں، وہاں اور طریقے بتائے گا۔ اسی طرح اگر آپ کو کبھی رشہ کہ بھول گئے ہیں تو بریشان ہونے کی بجائے اس مشکل کو لاشعور کے حوالے کر کے سو جائیں اور صبح سویرے آپ کے لاشعور و ماہر کو اس جگہ کی نشاندہی کرے گا۔

باور ہے کہ آپ کو ہمیشہ وقت مختصر رہ سونایا جائے گا۔ دیر کی صورت میں خیر انداز جاتی ہے اور پھر یہ مشکل واپس آتی ہے۔ بڑے بڑے موجد اور مفکر اس نعت سے بہت فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ سوتے وقت اپنے مسائل کو فریاد ادا کر کے لاشعور کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جب وہ خود بے فکر ہو کر گہری نیند کے مزے لے رہے ہوتے ہیں تو لاشعور اپنے کام میں مصروف ہوتا اور مسئلے کے حل کو تلاش کر دیتا ہوتا ہے۔ لاشعور کو کام کرتا اور اس سے مفید مطلب کا کام لیتا خاصا مہیرا آ رہا ہے۔ اس میں خاصی مشق اور بات چیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ شروع میں ہی عمل آپ کو بے سود بلکہ فضول معلوم ہو گا مگر مشق و در مشق کے بعد آپ کو کامیابی کی روشنی بظلم غنائی یقیناً دکھائی دے گی۔ اس کا بہت کچھ داد و دوا دہی نعت عیسوی اور ثابت قدمی پر بھی ہوتا ہے۔

آخری شب

(پشاور سکول حملہ کے المناک پس منظر میں)

ذبحیر شہزاد

میرا امزاد مجھ سے پوچھتا ہے
 سرد سٹائوں کے موسم میں
 تمہارا نام کیا ہے؟
 تم کہاں کے رہنے والے ہو
 تمہاری بدنمائی، رُوسیا ہی کا سبب کیا ہے؟
 میرا امزاد مجھ سے پوچھتا ہے
 میں کہتا ہوں میرا نام گل خان ہے، پشاور کا باسی تھا
 مگر اب تو میرا پہاڑ مسکن ہیں
 میں کہتا ہوں میرا نام ہے نور الہی
 اور وطن ہو شیار پور تھا پہلے مگر اب تو میرا لاہور مسکن ہے

یہ سب کذب دریا ہے جھوٹ ہے ہمزاد کہتا ہے
میرا ہمزاد مجھ سے پوچھتا ہے
تمہارا نام گل خان ہے تو پھر
تمہارے نام سے کیوں لوگ پتھرا گئے سارے
مدر سے کیوں اب نہیں کھلتے؟

تمہارا نام غلام رسول ہے تو اتنا بتلا دو
تمہارے نام سے کیوں شہر کانپ اٹھتے ہیں
شہد ساکت ہوئے کب کے
تمہارا نام ہے نور الہی تو یہ سچ کہنا
اذان پانچوں پہر تو مسجدوں میں اب بھی ہوتی ہے
نمازی کیوں نہیں ہوتے؟

میرا ہمزاد مجھ کو گھورتا ہے خون آلود ننگا ہوں سے
وہ کہتا ہے

تمہارا نام گل خان، غلام رسول یا نور الہی ہے
تو پھر یہ آستینوں میں لہو آلود خنجر کس لئے ہیں؟

دہائی کیوں تمہارے نام کی دیتے ہیں یہ اٹھتے جنازے

سرنگوں سرچشتی مائیں

تڑپ کر چیختا ہے، مجھ سے پھر ہمزاد کہتا ہے
 غلط ہے تم کہ گل خان، غلام رسول یا نور الہی ہو
 مجھے تو ایک ہی چہرہ نظر آتا ہے ان ناموں کے پردوں میں
 وہ جس نے مدرسوں، شہروں اور مسجدوں کو
 قتل گا ہوں میں بدل ڈالا، تم ہی نے نسل آدم کو خدا کے نام پر
 ایسے تشدد ریز خانوں میں سمویا ہے
 تمہاری روسیاء ہی، بدتمانی کا سبب یہ ہے
 کہ تم تخریب کے بیٹے ہو، تم مغرب کے ساکن ہو
 تمہارے خونچکاں اس مرگ آسا کھیل کی...
 یہ آخری شب ہے، میرا ہمزاد کہتا ہے یہ چپکے سے
 بھلا دو تم یہ کہ گل خان، غلام رسول یا نور الہی ہو
 صبح کی یہ آنکھوں میں آج اپنا نام تم پڑھ لو
 تمہارے مرگ آسا کھیل کی، یہ آخری شب ہے

★○★

شہزادہ

شاہو ایک سکھ ڈاکو کے منہ سے اتنی گہری اور سامنے کی بات سن کر شرم سے زمین میں گر گیا۔ واقعی اگر اس ہندو لڑکی کی بددعا میں کچھ اثر ہوتا تو اب تک اس کو اٹھایا جانا چاہئے تھا مگر اسے اس کے رب نے پھانے دکھا۔

عبدالحمید بٹر



Scopied From

اس نے کہا۔ "آخر تہماری رقم کب پوری ہوگی؟"
 "میں نے خواب تک صرف سو ہی وصول کیا ہے۔" لالہ نے کہا۔ "اصل رقم نری طرف پانچ سو روپیہ جوں کی توں ہے۔"
 لالے کی زبانی اصل رقم کا سن کر شاد دین بریٹان ہو گیا۔

"لالہ کی اینٹوں پر اسراف بالخصوص اور ظلم ہے۔" شاد دین نے غصے سے بھڑک کر کہا۔ "اب میں حزیہ ایک بیس بھی نہیں دوں گا۔ آئندہ میری زمین پر فصل اٹھانے کے لئے قدم نہ رکھنا ورنہ تہماری اور تہمادے آدمیوں کی ناگہمی فزوں گا۔ پورا گاؤں تہمارا مشر دیکھے گا۔"
 لالہ سول چند نے بد سنا تو پریشان ہو گیا۔

"آج تو تم بڑا بڑھ چڑھ کر بول رہے ہو شاد دین! لالہ نے کہا۔ "جب قرضہ لینے آئے تھے تو اس وقت جنگلی لٹی بے ہونے تھے۔ کہا میں نے تمہیں اس وقت دعوت دہم بھیجا تھا کہ آؤ اور فرزند لے جاؤ۔ باور کھو میری رقم سٹل پانچ سو روپیہ تہماری طرف واجب الادا ہے اور رو تمہیں ہر حالت میں ادا کرے گا۔ تم کا اٹنا مپ میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر رقم یہاں نہیں رو کے نو کورٹ رکھری اور تھانے تک تمہیں لے جاؤں گا۔ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔"

"بڑھ چا جانے لگا۔" ستل دین نے کہا۔ "میں انا کر دو کہ یہاں سے تم بے سہمیوں کو لے جاؤ ورنہ ہو سکتا ہے میں جین میں آ کر کچھ کر نہ بیٹھوں۔"

"رام رام۔" لالہ سول چند بولا۔ "کیا تم جبر و آؤ کر بڑا پھر کوئی بہت بڑے بد معاش ہو۔ اپنی ادا کت میں رہو مجھے خراؤ خراؤ مارا دھماکا ہے ہو۔ میں ذرے والے انٹیک ہوں۔ دیکھو کو کیا زمانہ آ گیا ہے۔ ایک چوری دوسرے سے سین زوری۔"

"زباور بکواس کرنے کی ضرورت نہیں لالہ! شڈ

نے اس کا نام شاد دین رکھا تھا۔ آگے چل کر والدین اور شاہو کے نام سے پکارا جانے لگا۔ وہ ذات کا بہت راجپوت تھا۔ دراشت میں اس کے دوں باہو اکبر اراضی تھی۔ یعنی باڑی سے اس کی گزر دو کات ہوتی۔ اچھا وقت گزر دو با تھا۔ ایک وفد باؤشیں کم ہوئیں۔ اس وقت شہری رانی کا نظام تک نہ تھا۔ گوزوں کے پانی سے فصلیں کاشت کی جاتیں۔ باؤشیں نہ ہونے کی وجہ سے گوزوں میں بھی خشک ہو گئے اور خشک مائی نے آن گھرا۔ لوگ ہر مال مویشی بھوک جیاس سے مرے گئے۔ کچھ لوگ خود قتل خود پرقتل مکانی کر گئے اور کچھ خشک مائی کا مقابلہ کرنے گئے اور کچھ لوگ ساہوکاروں سے سو روپہ رقم لے کر گزر دو کات کرنے گئے۔ شاد دین بن بھی زندر رہنے گئے پانچ سو روپہ کی رقم ساٹھ دالے گاؤں کے ایک ساہوکار لالہ سول چند سے سو روپہ کی جو جین حالات سازگور ہو گئے اور رقم بندھ سو ساہوکار کو واپس کر رہے گا۔

سال در سال اسی طرح گزر دیکھے۔ شاہ دین قرض واپس نہ کرے گا۔ لالہ سول چند کو اس رقم کی بجائے سٹو سے دیکھی تھی۔ اس لئے وہ شاد دین سے سو روپہ کا اضافہ کرتا۔ شاد دین وعدے کے مطابق سو روپہ اس کو کبھی نہ کسی طرح ادا کرتا رہا۔ اب بارشیں شروع ہوئیں اور تھلا مائی کا بحران بڑی حد تک ٹل گیا۔ لوگوں نے زمین پر کاشت کاری شروع کر دی۔ ہاڑی سوئی کی فصل پابندی سے زمین اٹھنے لگی اور لوگوں نے سکھ کا سا سن لیا۔

جب بھی فصل تیار ہوتی۔ ساہوکار پابندی سے آتا اور شاد دین سے اپنے حصے کی فصل اٹھا لیتا۔ پانچ سال کا عرصہ ہوا ہی بہت گیا لیکن ساہوکار کی رقم ختم ہونے کا نام ہی نہ تھی۔ ایک مرتبہ جب ساہوکار کھیت سے فصل اٹھانے لگا تو شاد دین نے روک لیا۔

"لالہ تی! میں نو سو روپے دیتے تھک گیا ہوں۔"

سارے آدمیوں کو ڈھکی کیا۔ رکھتے ہی دیکھنے رو رہاں سے
بچتے چلانے زہی حالت میں بھاگ نکلے۔ افراتفری میں
لالہ جی کی گھوڑی وہاں رو گئی۔ اس نے اس لڑکے کو دیکھوں
میں کام کرنے والے بھی لوگ شاد دین کی مدد کو آگئے لیکن
لالہ جی اور اس کے آدمی وہاں سے جا چکے تھے۔ لوگوں
نے شاد دین کو جو سہل دی کہ اب لالہ جی کے آدمی
آئے تو ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

لالہ مول چند کو بھی اس بات کا رنج تھا کہ اس کی
بڑی بے عزتی ہوئی تھی۔ اس طرح لوگوں پر سے اس کا
دع ب ختم ہو جاتا۔ وہ اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر گھانے
پہنچا۔ قانہ دار بھی ایک ہندو تھا۔ وہاں رپورٹ درج
کر دینی کہ ایف سلا جس کا نام شاد دین ہے اور اس کا
سفر مرض ہے۔ رقم رہنے سے انکاری ہے۔ دوسرے اس
نے قرض دینے کی بجائے لڑائی جھگڑا کیا ہے اور ہمارے
آدمیوں کو مار پیٹ کر کے لوہا بن بھی کیا اور میری گھوڑی
بھی اس نے چھین لی ہے۔

لالہ مول چند نے قانہ دار کی منظمی گرم کر دی اور اس
کے کہہ کر اس کی بیچ کو تیس سکھانا ہے۔

قانہ دار نے لالہ جی کی رام کہانی سنی اور پھر اس
نے ایک نونہ بچے منسوبے کے تحت اقب آئی اور درج
کی۔ جس میں لڑائی جھگڑا، ناز کشائی، رقم کی عدم لداہنگی
اور گھوڑی چھین لینے پنی چوری چکاری کی ذمات شامل
کر کے شاد دین کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنا یا۔
شام کو قانہ دار، پولیس کی نفری لے کر شاد دین کے
ڈیر پر پہنچا جو اپنے مال سوبھیوں کی دیکھ بھال میں
مصرف تھا۔

شاد دین اچانک پولیس کی نفری دیکھ کر پریشان ہو
گیا۔ سمجھ گیا کہ سب کچھ لالہ جی کی انتقامی کارروائی ہے۔
تاہم شاد دین گھبرایا بالکل نہیں اور گرفتاری دے دی۔
قانہ دار ہندو تھا اور اس نے لالہ سے ساڑھا کر کے

رہن نے گرج کر کہا۔ ”جو کہا ہے اس کو سمجھے اور یہاں
سے دفع ہو جاؤ۔ چور اچکھیں کا فریبوں کا خون چوسنے
والا بنیا۔ تم تعجبی دے کر جو بلی پر قبضہ جمالینے ہو۔ نم نے
مجھے فرما دے کہ کوئی احسان نہیں کیا اس کے عوض اصل
زر سے بھی زیادہ وصول پائی ہے۔ اس کے باوجود
تمہارے کھانے میں رقم میرے ذمہ بدستود ہے۔ جاؤ، جو
مرضی چاہے کہ لو اب تمہیں ایک چھہ بھی نہیں دوں گا۔“

شاہ دین نے اپنے اندر کا خبار اور غصہ نکالنے
ہوئے سا ہوا کر سے کہا۔

”نم نے ہنسی کیوں کرنی نہیں کرتی“۔ لالہ مول
چند نے کہا۔ ”تمہارا غرور مہمند بہت جلد اتا دوں گا۔
جس شخص نے بھی میری رقم واپس کرنے سے انکار کیا ہے
اس کا انجام اچھا نہیں ہوا اور اسے نیش کی ہوا کھانا پنی
ہے۔ لگا ہے تمہارا بھی نیش کی پتلا کرنے دینی چاہ رہا
ہے۔“

باتوں باتوں میں تلخ کھای چڑھ گئی اور نوبت گالی
کھوج کے بعد لڑائی جھگڑے تک آئی۔

”اس کے دگر کھول کر ساتھ لے پھو ادبے! لالہ
مول چند نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ”جب یہ رقم واپس
کرے گا تو اپنے مال سوبھی واپس لے لے گا۔“ لالہ جی
نے اپنی گھوڑی پر بیٹھے بیٹھے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

لالہ جی کے کہنے کی دوسری کسان کے آدمیوں نے
جو قنہ دار میں باج تھے، شاد دین کے رہنے سے مال سوبھی
کھولنا شروع کر دیے۔ ابھی وہ دگر کھول ہی رہے تھے
کہ شاد دین کے اندر سربا ہوا اکھڑا چہوت بہار ہو گیا اور
ان نے سز بد وقت مشایخ کے بغیر لالہ جی کے ایک آدمی
سے ڈانگ چھین لی اور پہلا داد لالہ جی پر کیا جو گھوڑی پر
بیٹھا بیٹھا حکم دے دیا تھا۔ دار لالہ جی کی کمر پر کا اور وہ
الٹ کر گھوڑی سے زمین پر آن کر اود چھیننے چلانے لگا۔

ان کے بعد شاد دین نے اس ڈانگ سے لالہ جی کے

ایک طرح کے جلاوہ ہوتے ہیں۔ شروع شروع میں شاہ وین کو بھی نیل میں لٹاف مراہل سے گزارا چڑا۔ تاہم آگے چل کر اس کی دوستی ایک مکھ قیدی سرادو بہرام سنگھ سے ہو گئی جو نیل اور ذکیتی جیسے جرم کی پاداش میں سزا بھگت و باغنا۔ ان نے شاہ وین کو نیل میں ہر قسم کا تحفظ فراہم کیا۔ سرادو جی کے ملاقاتی ہر ہفتہ اسے ملنے آنے جاتے رہتے اور کھانے پینے کی چیزیں بہ کثرت اسے نیل میں دے جاتے۔ اب شاہ وین کو کھانے پینے اور شقت کرنے کی فکر نہ رہی۔ سرادو بہرام سنگھ اور شاہ وین کی یہی دوستی ہو گئی اور مستغفل کی مضمونہ بندی کرنے لگے کہ نیل سے رہائی کے بعد دونوں مل جل کر اپنے اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

ابھی نیل میں آئے شاہ وین نور و ڈھانی جیسے ہوئے صفحے کے خبری کی اس کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس کی والدہ بھی اپنے بیٹے کے ہم میں سخت طویل ہے۔ اس خبر نے شاہ وین کو اندر سے توڑ پھوڑ دیا۔ اب اس کا ایک چھوٹا بھائی تھا جو کبھی باڑی کے ساتھ ساتھ والد کا بھی خیال رکھتا تھا۔ نیل میں شاہ وین نے اس تم کو دور کرنے لئے اپنے اللہ سے ناطہ جوڑ لیا۔ دو اب پانچ وقت کا نمازی بن گیا اور صبح کے وقت نیل کی مسجد میں امام صاحب سے قرآن پاک کا درس بھی لیتا۔ اب وہ قذرت سے مطمئن حال ہو گیا۔ کبھی کبھی اس کا چھوٹا بھائی بھی اس سے ملاقات کرتے ہیں آتا تو شاہ وین کو گاؤں اور اپنے گھر کے حالات سے آگاہ بھی کر دیتا۔ شاہ وین اپنے بھائی کو کہتا کہ دو ہفت سے کام لے اور اپنی ماں کا خیال رکھے۔ ان شاہ اندر سزا ختم ہونے پر دو دنوں کا ڈاک بھجی جائے گا۔

صبح وشام کا عین جاری و باہمی دوران شاہ وین کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ خبر بھی شاہ وین پر ٹکلیاں تین کے مری لیکن اس صدمے کو بھی اس نے بڑی ہمت اور صبر

رشت لے لی تھی۔ اس نے پئی البف آئی آردوج کر کے اور موقع پر موجود مہاوشی کلمبہ کر کے اسے زبردست رکھا۔ دوسرے دن شاہ وین کے حواری اودگاؤں کا نمبر در شاہ وین کی حمایت کے لئے تھانے پہنچے لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ تھانہ دے کر کہا۔ آپ لوگ عدالت میں جا کر ضمانت کرا سکتے ہیں۔ پولیس اسے چھوڑ نہیں سکتی۔ ضمانت کے لئے وکیل کی خدمات حاصل کریں لیکن کامیابی نہ رہی۔

دراصل تقسیم ہند سے پہلے یہ چیز اکثر دیکھنے کو ملتی تھی کہ بند پولیس آفیسر بند کی حمایت کرتا اور مسلمان پولیس آفیسر مسلمان کی مدد کرتا مکھ آفیسر تقریباً تقریباً اس قسم کے مقدمات میں غیر جانبداری اختیار کرتا۔ آگے چل کر یہی وجہ دو فری نظریہ کا باعث بنی کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک جگہ نہیں رو سکتے۔ کیونکہ ان کا مذہب تہذیب اور نظریات الگ الگ ہیں۔

بہر کیف کچھ وہ مقدمے عدالت میں زیر ماعت رہا۔ دونوں طرف سے دکھاؤ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مقدمہ چونکہ ہر لحاظ سے لاکھوں چند کے جن میں ضمانت عدالت نے اپنا فیصلہ بنا دیا اور شاہ وین کو پانچ سال کی سزا سنائی گئی اور اسے جیل بھیج دیا گیا۔

یہاں جیل میں شاہ وین کی زندگی میں ایک نیا سوز آیا اور اس کے اندر انتقام کی آگ صبح وشام جلنے لگی کہ اس کے ساتھ مااضانی ہوئی ہے اور وہ اس مااضانی کا بدلہ ہر حالت میں لے گا۔

نیل میں شاہ وین کو طرح طرح کی مشکلیں پیش آئیں کیونکہ نیل کی بھی ایک اپنی دوتا ہوئی ہے۔ وہاں نیل میں ہر قماش کا آدمی چور ذکیت اور تانی گرامی قافلے جمع ہوتے ہیں اور وہ ہر سنے آنے والے قیدی پر اپنی دھاک بھانے کے لئے واڈا گیری کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جرنیل کا قلم ہوتا ہے دو جیل میں قیدیوں کے لئے

اسی دوران ایک ہندو جیل پر نیند نے غنیمت ہو کر آبادہ جیل باہر مندر بنانے کا فیصلہ کئے ہوئے تھا کہ تک وہاں ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی لہذا اس نے دس بارہ قیدیوں کو جیل کے مندر کی تعمیر کے لئے مزدوری کرنے کے سلسلے میں بھیجا کیونکہ جیلوں میں ایسا بھی ہوتا ہے جب کسی فیڈی کی سزا ختم ہونے کو ہوتی ہے تو اسے بے دخل پر کام کاج کے سلسلے میں جیل سے سے باہر حکومتی مجاز آفیسر اپنی مصاہبہ پر بھیج دیتا ہے اور دشام کو چہرے رادو کی نگرانی میں رہا پس جیل لایا جاتا ہے۔

شاد رین کو بھی جانے کے لئے کہا گیا لیکن شاد رین نے کہا وہ ایک مسلمان ہے مسجد کی قبر کے لئے جا سکتا ہے لیکن مندر کی تعمیر کے لئے ہرگز نہیں جائے گا۔ جب تین حکام کو خبر ملی تو انہوں نے حکم عدولی کا بھانڈا بناتے ہوئے شاد رین کو پانچ گڑے لگائے جو اس نے جواں مروی کے ساتھ برداشت کئے۔ دو چوکوڑا کھانے پر اللہ اکبر کی آواز بلند کرتا۔

جیل میں دیگر مسلمان فیڈی اس کے اس طرز عمل پر بہت خوش ہوتے اور اسلام زندہ باد کے فریے لگاتے۔ اب جیل میں اس کو ہر کوئی عزت کی نظر سے دیکھا اور خودی بہت اس کی مانی بد بھی کرتے۔ اب اس کے پاس چار پانچ سو نو روپے کی رقم جمع ہو گئی تھی جو جیل سے فراد ہونے کی ضرورت میں اس کے کام آسکتی تھی۔ اس طرح دو بیٹے گزڑے کہ چند فیڈیوں کو جیل پر نیند نے کی کوٹھی میں صفائی نئے لئے بھیجا گیا۔ شاہ دین بھی ان قیدیوں میں شامل تھا اور وہاں جانے کے لئے دماغد بھی تھا۔ دراصل اس نے لپکا فیصلہ کر لیا تھا کہ جو بھی اسے موقع ملا وہ جیل سے فراد ہو جائے گا اور سیدھا اپنے دوست سردار بہرام سنگھ سے رابطہ قائم کرے گا۔ شاد رین نے سردار بہرام کا پتہ سنھاں کر اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔

پچھلے دن رادو کی میں صفائی کرنا رہا اور وہاں

سے برداشت کہا اور اس کو اللہ کی رضا سمجھا رہا جیل میں شاد رین ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا۔ اب اس نے جیل سے رہائی کے بعد لاندہ مولیٰ چند سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ سادھی مصیبتیں اس پر اور اس کے خاندان پر لالہ تھی کی وجہ سے آئی تھیں۔ جب بھی اسے جیل سے رہائی ملی سب سے پہلے دولالے سے بدلہ لے گا اور اسے قتل کر دے گا۔ جس جس نے بھی اس سے فرخندہ لے رکھا ہے۔ سادھے کے سارے بھائی کھانے وغیرہ جلا دے گا۔ اسی دوران شاد رین جیل میں ایک اور صدمے سے دوچار ہوا۔ اس کے بھری دوست سردار بہرام سنگھ کی سزا ختم ہوئی اور اسے جیل سے رہائی ملی۔ سردار بہرام سنگھ جیل سے جانے وقت شاد رین کے گلے لگ کر ملا۔

”میں نو جیل سے رخصت ہو رہا ہوں باردا“ اس نے کہا۔ ”لیکن تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو بھی تمہاری سزا ختم ہوگی جیل سے رہائی ملے گی سیدھا میرے گاؤں آتا۔ جب آؤ گے تو تمہارے کوٹھن سے دو روپے لے کر میں گے۔ یہ دیکھو میرے گاؤں کا پتہ۔ میں تمہارا پیچھا رہوں گا۔ اسی دوران میں باہر سے آدی تمہاری ملاقات کرنے آئے وہیں گے۔ میں نے جیل کے داروغہ کو بھی تاکید کر دی ہے کہ میری عدم موجودگی میں میرے دوست شاد رین کو جیل میں کوئی تنگ نہ کرے۔ میرے پاس کچھ رقم بھی ہے یہ بھی اپنے پاس رکھ لو شاید تمہارے کام آئے۔ خاص کر جب تم جیل سے رہا ہو گے ویسے!“

شاہ دین نے یہ صدمہ بھی بڑے خوشی سے برداشت کیا کیونکہ سردار بہرام سنگھ کی وجہ سے اسے جیل میں بہت آرام تھا۔ تاہم مجبوری تھی۔ ابھی شاد رین کی رہائی کے لئے ایک سال کا عرصہ باقی تھا لیکن اب اس کے لئے ایک دن بھی ایک سال کے برابر نظر آتا رہ جلد از جلد جیل سے رہائی چاہتا تھا۔ اب وہ جیل سے فراد کی سوچ فکر کرنے لگا۔

چھپانے کے لئے ضروری تھی۔

لاری اڑے پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ جلدی جلدی اس نے بس پکڑی اور اپنی منزل کو چل دیا۔ مغرب کے وقت بس نے اسے اس کی منزل تک پہنچا دیا۔ شہر سے آگے اس نے سردار بہرام سنگھ کے گاؤں جانا تھا۔ دریا کا کنارہ تھا، جنگل جلا تھا، رات اس نے شہر میں ایک ہوٹل میں گزار دی۔ صبح سویرے وہ پیدل سردار بہرام کے گاؤں کی طرف چل نکلا۔ ٹھیک دوپہر بارہ بجے کے قریب شاہ دین بخیریت سردار بہرام سنگھ کے گاؤں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ بہرام اپنے گاؤں بھی بھھاؤ آتا ہے۔ دو جنگل میں اس کا دروہ ہے۔ سردار بہرام سنگھ کے گھر والوں نے اس کی خوب آؤ بگشت کی کیونکہ اس نے اپنے گھر والے کھد رکھا تھا کہ جیل میں اس کا ایک دوست شاہ دین تھا شاید وہ کسی وقت گاؤں اسے ملے آئے۔ گھر والوں نے کھوڑی پر بٹھا کر اس کو سیدھا سرداری کے پاس اس کے ڈیوے پر لے گئے۔ اچانک جب جنگل میں شاہ دین کو سرداری نے اپنے سامنے دیکھا تو خوشی سے اس کا استقبال کیا اور بظہیر ہو گیا۔ "ہوئے شاہ دین! تیری فید ختم ہو گئی؟" اس نے پوچھا۔

"ابھی کہاں سرداری! شاہ دین نے بتایا۔" میں فرار ہو کر یہاں پہنچا ہوں!"

"اسے بٹے ہو روئی چنگا کچھا اسی۔" جو با بہرام سنگھ نے خوش ہو کر کہا۔ "جی خوش کر دتا ہی۔ اسے میرا ڈیرا ہے۔ آدمی سے تال رہو۔ اتھے تیری ہوانوں ہی کوئی نہیں کھنکھ سکتا۔"

یہ جگہ شاہ دین کے لئے بہت زیادہ محفوظ تھی۔ شاہ دین نے بہت عرصے کا مظاہرہ کیا تھا اگر وہ جیل سے سیدھا اپنے گاؤں کا رخ کرتا تو اس کے لئے پریشانی اور مشکل بھی ہو سکتی تھی کیونکہ جب فیدی فرار ہو کر جاتا ہے تو سیدھا اپنے گھر کی راہ لیتا ہے اور پوچھ لیس بھی سب سے

سے فرار ہونے کے راستے دیکھتا رہا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کیسے نکلے گا۔ شام کو واپس نکل آ گیا۔ دوسرے دن جب روانہ ہوا تو اس نے جیل کی وردی کے اندر ایک کھد کی سفید قمیص پہن لی اور ایک لنگی اپنے سر پر باندھ لی۔ ضروری ضروری چیزیں بھی اس نے اپنے پاس رکھ لیں۔ اس دن اس نے لنگی سے فرار ہونا تھا۔ وہ معمول کے مطابق صبح سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا، ساتھ ساتھ وہاں سے فرار کا سوچ بھی دیکھنے لگا کہ کون سا وقت مناسب ہوگا۔ دوپہر کو جیل سے قیدیوں کا کھانا آبا ان کی نگرانی کے لئے جیل کا ایک کانسٹیبل بھی موجود تھا۔ ہر کوئی دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد ایک آدھ عرصے کے لئے آرام کرتا اور لنگی پہنٹی فینڈ میں چلا جاتا۔

شاہ دین نے دیکھا یہ وقت اور سوچ مناسب ہے۔ اس نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھا لیا پھر ایک نے ایک آدھ گھنٹے تک کھنکھنے لگے۔ نگرانی پر مامور کانسٹیبل بھی کھانا کھانے کے بعد بندوبست ایک طرف دکھ کر باغیچے میں سو گیا۔ دوسرے فیدی اور اضر کام کارج میں مصروف تھے۔ یہ وقت شاہ دین کے فرار کے لئے سوزوں تھا۔ وہ وہاں سے پیشاب کرنے کے بہانے عین سے ذرا ہٹ کر ایک کپے کے

کمرے میں گیا۔ جلدی جلدی اپنی جیل کی وردی بدلی اور قمیص اور لنگی پہن کر بیڑا رازداری سے کانسٹیبل کے پاس آجا جو گہری فینڈ سا ہوا تھا۔ شاہ دین نے اس کی بندوبست پکڑی اور ساتھ گولیوں والی بیٹی بھی اپنی گرفت میں لی اور بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ لنگی سے باہر چلا آیا۔ باہر سڑک سنسان تھی، اس نے وہاں سے ایک لنگی کا رخ کیا۔ ایک دو فرلاٹک پیدل چل دیا، آگے چل کر اسے ایک ٹانگہ نظر آیا اس میں بندھ کر سیدھا لاری لایا پہنچا۔ وہاں اس نے کچھ کھانے پینے کے لئے سامان اور ایک چادر خریدی جو اس کے حلقہ بدلنے اور بندوبست کو

اپنے گاؤں کا جانا چاہتا ہے۔ اس کا دل اپنے بھائی کو ملنے کے لئے بے تاب ہے۔ سردار بہرام سنگھ نے کہا۔ غمگن ہے لیکن دواسے اٹکیے ہرگز نہیں جانے دے گا۔ نہ جانے گاؤں کے لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک روادار نہیں۔ سب سے پہلے سردار جی نے شہر اپنے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ وہاں سے ایک سرکی دگ اور دوڑی خرید لائے۔

دوسرے دن سردار جی کا آدمی شہر سے ایک مصنوعی واڑھی اور بالوں والی ایک دگ خرید لایا۔ سردار بہرام سنگھ نے شاد دہن سے کہا یہ دونوں چیزیں دکھ لو، صبح سویرے نہارے گاؤں ہم دونوں جائیں گے اور وہاں کی صورت حال کا جائزہ لیں گے۔

ایک تھکے تھے ملنے میں جب تم جاؤ گے، ساتھ میں ہوں گا تو وہاں گاؤں کے لوگ تمہیں ایک سگھ کے روپ میں دیکھ کر نظر انداز کر دیں گے۔ اگر تم شاد دہن کے روپ میں وہاں جاؤ گے تو ہو سکتا ہے کوئی نہادلی خبری ہو جس کو کر دے تو اس صورت میں تمہیں دوبارہ جیل ہو سکتی ہے۔

شاد دہن کو سردار بہرام سنگھ کا مشورہ پسند آیا۔ دو صبح سویرے برادری کے مطابق نیند سے بیدار ہوا۔ نماز ادا کی، اللہ کا یاد کیا اور اپنا جلیبند بدل لیا۔ اب دو ایک سگھ کے روپ میں نکلے۔ اجا دو دن سردار بہرام سنگھ نے بھی اپنی تبار کی کھلی کی اور دونوں دوستوں کے لئے علیحدہ علیحدہ گھوڑے بھی نیا دیکھے گئے اور وہ ان پر سوار ہو کر اللہ اور گورو کا نام لے کر اپنی منزل کو چلے آئے۔ دوپہر کو ایک لہا او دھکا دینے والا سفر کر کے شاد دہن کے گاؤں پہنچ گئے۔ سب سے پہلے شاد دہن نے اپنے گاؤں کو ایک نظر دیکھا اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

دونوں نے گھوڑوں پر سوار گاؤں کا ایک چکر لگایا۔ لوگ انہیں واگیر کچھ سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے۔ کسی بھی آدمی نے انہیں پچھا نہیں۔ وہاں سے شاد دہن اپنی

پہلے وہاں چھاپے مارتی ہے۔ وہاں پہنچا کہ شاد دہن سیاہی کی بندوق لے کر کھین فرار ہو گیا ہے۔ فوراً جیل حکام کو اطلاع دی گئی۔ جیل حکام حرکت میں آ گئے۔ فرائض میں غفلت برتنے کی پاداش میں سیاہی کو سطل کر دیا گیا۔ نووا پولیس میں رپورٹ درج کی گئی اور پولیس پارٹی اسی وقت شاد دہن کے گاؤں پہنچی۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ شاد دہن گاؤں نہیں آیا۔ تاہم پولیس نے وہاں کے نمبردار کو بتا دیا کہ جوئی شاد دہن اپنے گاؤں آئے نووا پولیس کو مطلع کرے۔

نمبردار اور گاؤں کے لوگوں کی مدد وہاں شاد دہن کے ساتھ تھیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ساہوکار کے سلوک کی وجہ سے اسے جیل جانا پڑا جس پر اللہ اپنی رحمت سے وہ وہاں آتا بھی تو انہوں نے شاد دہن کی خبری ہرگز نہ کرنا سخی کیونکہ گاؤں کے لوگ تو پہلے ہی ساہوکار سے ناخوش تھے۔

رات کو شاد دہن بڑے سکون سے وہاں سو رہا۔ صبح ہوئی تو سردار بہرام سنگھ نے ایک بھرا منگوا اور شاد دہن سے کہا کہ اسے اپنے ہاتھوں سے ذبح کرے۔ وہ اپنے دوست کی آہ پر جنگل میں ایک پر کھٹک پارٹی کرے گا۔ سردار جی کے آدمی کچھ دوست وہاں پہنچ گئے۔ دوپہر کا کھانا ہر ایک نے پیٹ بھر کے کھایا۔

وہی شراب کا بھی اہتمام تھا لیکن شاد دہن نے انکار کیا کہ وہ شراب کو ہانڈ نہیں لگاتا۔ سردار بہرام سنگھ بھی اپنے دوست کی حیثیت اور عادت کو سمجھ گیا لہذا اس نے شاد دہن کو زیادہ جبر نہیں کیا کہ وہ شراب پیئے۔ اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا، سردار کے کا دنگے اکثر رات کو چوری چکانی اور ڈاکہ زنی کرنے میں نکل جاتے۔ صبح کو جنگل میں سردار کے ذمے پر پہنچ جاتے۔ لوگ ہوا میں سردار ان میں تقسیم کر دیتا اور کچھ مال اپنے پاس رکھ لیتا۔

ایک ہفتہ بعد شاد دہن نے سردار جی سے کہا کہ وہ

شاہ دین نے جب اپنا کاڈل اپنے کعبت دیکھے اور اپنے بھائی سے ملاقات کی تو انتقام کی آگ میں جلنے لگا کہ لالہ مول چند کی وجہ سے اسے بد وقت اور حالات دیکھنا پڑے۔ آج رات ہر حالت میں لالے سے بدل لے گا۔ اس کاظم پیلے سے بہرام سنگھ کو بھی تھا کیونکہ جیل میں ساری کہانی شاہ دین نے اس کو سنا رکھی تھی اور بہرام سنگھ نے اس سے وعدہ بھی کیا تھا کہ جب جیل سے آزادی ملے گی تو لالے کو جہنم رسید کریں گے۔

”آج رات لالہ مول چند سے حساب چکان کرنا ہے سردار دہی“ شاہ دین نے آگ اچھٹے لہجے میں کہا۔ ”میرے سینے میں آگ غمیری ہوئی ہے۔ جب تک اس سوخور سے بدل نہیں لوں گا میری آگ سرد نہیں ہوگی۔“

”ٹھیک ہے شاہو“ بہرام سنگھ نے گالی دے کر کہا۔ ”آج اس کا کام تمام کر دینے میں ٹکر کس بات کی۔“

رات کا کھانا انہوں نے شاہ نواز کی زندہادی پر کھا با۔ کچھ دہر باتیں کرتے رہے پھر اپنی نیند پوری کی ٹھیک آدھی رات کے قریب انہوں نے شاہ نواز سے اجازت لی اور ال مول چند کے گاڈز کی طرف چل پڑے۔ آج کھنے کے بعد وہ لالہ کے گاڈز پہنچے۔ لوگ آرام کی نیند سو رہے تھے۔ گاڈز میں لالہ جی کا پکا چوڑا ہے والا مکان دود سے نظر آ رہا تھا۔ دینے شاہ دین بھی قرضہ لینے دہاں آ چکا تھا اور گاڈز سے واقف تھا۔

شاہ دین اور بہرام سنگھ دتھیں اٹھنے لیس تھے۔ شاہ دین آج انتقام لینے پر چلا ہوا تھا۔ لالہ مول چند نے اس کے ساتھ جو کیا تھا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے محوم رہا تھا اور آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔ لالہ کے مکان سے کچھ دوری پر انہوں نے اپنے گھوڑے پاندھے، بندھنیں پانڈھ میں لیں، دیوار پھلانگ کر مکان کے اندر داخل ہوئے۔

دیسوں پر آ گیا جہاں اس کا چھوٹا بھائی کام کاج میں مصروف تھا۔ انہوں نے شاہ نواز سے سلام دعا لی۔ شاہ نواز نے دہبائی روایت کے مطابق ان کو ڈیرے پر بٹھایا اور ٹسی پٹائی۔ شاہ دین بھائی سے ملنے کو بے چین تھا۔ آخر شاہ دین سے نہ رہا کیا وہ اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھ کر جذبات میں آ گیا۔ اندر کمرے میں گیا، اپنی چوکی اور مصنوعی داڑھی اتاری اور شاہ دین کے دوپ میں کمرے سے باہر آیا اور فوراً چھوٹے بھائی کے گلے لگ کر رو پیا۔ شاہ نواز بھی یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ اللہ بید کیا اجڑا ہے۔ دونوں بھائی دہر تک آپس میں گلے لگ کر لٹنے دیے۔ سردار بہرام سنگھ نے دونوں بھائیوں کو حوصلہ دیا اور وہ قدرے مائل ہوئے۔ شاہ دین نے شاہ نواز سے گھر کے حال احوال ماں باپ کی فوجی کی کے متعلق پوچھا اور گاڈز کے متعلق باتیں کرنے رہے۔ بہرام سنگھ نے شاہ دین کے چھوٹے بھائی کو بتایا کہ وہ کسی سے ہاری آدھا گاڈز میں ذکر نہ کرے ہم یہاں چھپیں بیٹے آئے ہیں کیونکہ تمہارا بھائی جیل سے فرار ہو کر تمہیں ملنے آیا ہے اگر اس بات کی خبر گاڈز والوں کو ہوگی تو ہو سکتا ہے وہی پولیس کو خبر کرے۔ شاہ نواز بھی مجھ گیا۔

”آپ مطمئن رہیں۔“ شاہ نواز نے کہا۔ ”میں کتنی کو بھائی کی آدھا نہیں بتاؤں گا۔“

پھر وہ ان سے اجازت لے کر گھر گیا۔ ان کے لئے کھانا تیار کر کے لایا۔ دونوں نے پینٹ بھر کے کھانا کھا با۔ دودھ کسی سے بھی خوب تو اشع کی اور کہا کہ وہ لوگ کچھ دن یہاں قیام کریں۔ اسی نے بھائی سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔

”آج رات ہم نے یہاں سے ہر حالت میں کوٹھا کرنا ہے۔“ بہرام نے شاہ نواز سے کہا۔ ”میں ایک ضروری نوٹس کا کام ہے۔ اب ہم جا رہے ہیں چھپیں ملنے آ جا کریں گے۔“

مجھے مچن میں لالہ کی بیوی اور بچے سو رہے تھے۔
لالہ وہاں نہیں تھا۔

”لالہ کدھر ہے؟“ انہوں نے اس کی بیوی کو جگا کر پوچھا۔

”وہ اوپر چوہارے میں سو رہا ہے۔“ بیوی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ بہرام سنگھ اس کے بیوی بچوں پر بندوق تان کر کھڑا ہوا جبکہ شاہدین بیوی لالہ کے ساتھ اوپر چوہارے میں جا پہنچا۔ دیکھا لالہ بڑے سکون کی نیند سو رہا ہے۔ شاہدین نے اسے دیکھا۔ لالہ جی نے دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ میں بیرونی لئے کھڑا ہے۔

”لالہ جی! اب اللہ بیٹھو!“ شاہدین نے تہہ بھری آواز میں کہا۔ ”بہت کچھ کھائی کھا۔ اب بھنگوان کے پاس جانے کے تیاری کر لو۔“

”مجھے صاف کر دو۔“ لالہ خوف کے مارے اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ جوڑ کر گڑبگڑانے لگا۔ ”جو ماں سونا، روپیہ پیسہ لہتا ہے، لوگوں نے مجھے جان سے نہ مارا۔“

”گلتا ہے تمہیں جان بڑی جاوی ہے لالہ!“ شاہدین نے کہا۔ ”ٹھیک ہے لالہ کدھر ہے، ہاں روپیہ پیسہ سونا چاندی۔“

لالہ جی نے اپنے تعلق سے چابیوں کا گچھا پکڑا۔ ”یہ لو مجھے کہہ کرے میں الماری ہے۔ سب کچھ وہاں ہے، لے لو لیکن جان بخش دو۔“ لالہ نے کہا۔

”ابے نہیں لالہ!“ شاہدین نے کہا۔ ”مجھے تہاوی بات پر یقین نہیں، تم مکا دو۔“ فریبوں کا سادی عمر خون چوستے رہے ہو آج تمہارا آخری وقت ہے۔ میرے ساتھ نیچے کمرے میں چلو اور اپنے ہاتھوں سے الماری کھولو۔“

”چلا ہوں، مہاراج! ابھی چلا ہوں۔“ لالہ نیچے اتر کر مچن میں پہنچا تو یہ دیکھ کر اور خوفزدہ ہو گیا کہ ایک

بزرگ ڈھانچوں کے ڈاکو اس کے بھی بچوں پر بندوق

تانے کھڑا ہے۔ لالہ کچھ گیا کہ اس کے گرد آؤ آؤ مجھے تیرا۔

لالہ جی نے الماری کا تالہ کھولا۔ سونا، چاندی، روپیہ پیسہ سب کچھ وہاں موجود تھا۔ بڑی تسلی کے ساتھ ایک ٹھیلے میں سب کچھ ڈال لیا گیا۔

”اب بتاؤ وہ کئی کھاتے کہاں ہیں؟“ شاہدین نے کہا۔ ”جن کے ذریعے تم غریب لوگوں کا خون چوستے ہو۔“

الماری کے اندر ہی ایک چھوٹا سا صندوق تھا جس پر قفل لگا ہوا تھا۔ لالہ نے وہ کھولا تو وہی کھاتوں سے بھرا ہوا تھا۔ شاہدین نے اس صندوق کو بھی اپنے قبضے میں لیا۔ آٹا ٹالیا اس کے گھر کو آگ لگائی تو وہ غار لالہ جی پر کئے۔ وہ موقع پر دم توڑ گئے۔

لونا ہوا مال انہوں نے پکڑا اور دھوڑوں پر سوار ہو کر رات کی تاریکی میں بھاگ نکلے۔ گاؤں کے لوگوں نے جب فائرنگی آواز سنی اور لالہ جی کے مکان کو آگ لگی دیکھی تو سارا گاؤں اٹکھا ہو گیا۔ دیکھا کہ لالہ جی کے گھر ڈاکو پڑا ہے اور لالہ جی خون میں لت پت دم توڑ چکا ہے لیکن جلدی جلدی اور گھبراہٹ میں شاہدین کی داڑھی اور سونچے اس کے چہرے سے اتر کر وہیں مکان کے مچن میں لٹکیں گئی ہیں جس کا خیال شاہدین کو بعد میں آیا۔

بہر کیف لوگوں کا لالہ جی کے گھر ہجوم اٹکھا ہو گیا۔ لوگوں نے مل کر آگ بجھائی، نبردار نے آدی بیج کر پولیس کو اطلاع کر دی کہ اس کے گاؤں میں ڈاکو زنی اور قتل کی واردات ہوئی ہے۔ اطلاع ملنے ہی پولیس جائے تو وہ پر پھٹک گئی۔ لاش جفندہ میں لے کر پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دی گئی۔ نبردار اور لوگوں کی موجودگی میں ایف آئی آر درج ہوئی جائے تو یہ سے پولیس کو معنوی رازھی اور سونچے بھی ملی۔

پولیس نے تفتیش جاری رکھی۔ اس وقت اس

ساتھ والے گاؤں کی طرف سے آئے تھے۔ جو منور شاہ وہاں کا گاؤں تھا اور منزل لالہ سولہ چہلے نے شاہ وہاں کو نیل بھجوا تھا جسے نل کا باعث بھی واضح تھا۔ لالہ اور شاہ وہاں کی دشمنی چلی آ رہی تھی۔

پولیس اس نیچے پر پہنچی کہ یہ کارروائی شاہ وہاں کی ہو سکتی ہے اور سکھ سردار اس کا ساتھی ہے لیکن ثبوت کوئی نہیں تھا۔ اس شب کی بنا پر پولیس نے شاہ وہاں کے بھائی شاہ نواز کو حراست میں لے لیا۔

اس بات کا علم جب شاہ وہاں کو ہوا تو وہ بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے اس بات کا ذکر بہرام سنگھ سے کیا کہ اسے چند چلائے کہ لالہ اور ڈاکوئی کیس میں اس کے بھائی کو پولیس نے پکڑ رکھا ہے۔

”مجھے ہر حالت میں اسے پولیس کی حراست سے آزاد کروانا ہے۔“ شاہ وہاں نے جذباتی انداز میں کہا۔ ”جائے اس کے عوض میری اپنی جان چلے جائے۔ سردار جی اس جینٹل گھڑی میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔“ بصورت دیگر میں آج نام ہی اگلا اس تھانے میں چلا جاؤں گا اور اس تھانیدار کو بھی لالہ کر دوں گا۔ جس نے میرے بھائی کو حراست میں لے رکھا ہے۔ میں پورے تھانے کو آگ لگا کر سنی کا ڈھیر بنا دوں گا۔ میرے دل میں اب خوف ڈراما کی کوئی چیز نہیں۔“ سردار بہرام سنگھ نے اپنے دوست کی بات سنی اور مسکرائے۔

”خوش رکھو یاد!“ اس نے شاہ وہاں کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”میں ہر حالت میں تیرے بھائی کو پولیس کی حراست سے آزاد کرواؤں گا۔ باواں دی باریاں تے جان دی قربان اے یاد!“

سردار بہرام سنگھ کو معلوم تھا کہ اس تھانے کا انتہاؤج ایک سکھ ہے اور وہ اس کا جائے والا تھا۔ لالہ کی بھڑائی کی بجائے صلہ جوئی سے کام لیتے ہیں۔ سردار نے اسی وقت اپنے ایک ساتھی کا احباب کیا اور اسے جناح روے کے سردار

علائے میں سردار بہرام سنگھ کی بڑی مرحوم تھی۔ اس کے آدمی لوٹ مار کرتے تھے۔ اس سر نہ بھی لوگوں کا شک سردار بہرام سنگھ پر تھا کہ یہ کارروائی بھی اس کی ہو سکتی ہے لیکن پولیس کو جو راز می اور سوچھ ٹی اس پر پولیس نے اپنی تفتیش جاری رکھی کہ یہ کون شخص ہو سکتا ہے جیسا کہ سکھ نہیں بلکہ کوئی ہندو یا مسلمان ہے۔

پھر اور گرد کے دیہات میں بھی گردش کرنے لگی۔ شاہ نواز کو جب پتہ چلا تو اس کا دھیان بھی دات کو جو مہمان اس سنگھ پاؤں سے ان کی طرف گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ... یہ کارروائی ان کی ہو سکتی ہے کیونکہ ہتوں ہتوں میں شاہ وہاں لالہ جی کا بونا بار پختہ بارہ دورے اس کے پاس سے وہ لالہ جی کے گاؤں کی طرف اٹکے تھے۔ پھر سب سے بڑی شک دالی بات یہ بھی کہ لوگوں نے بتایا کہ ایک ڈاکو سکھ نہیں تھا بلکہ وہ سکھ بنا ہوا تھا۔ گھبراہٹ میں ڈاکو والے اور نل کرتے وقت اس کی اپنی واپسی سوچھ لالہ جی کے گھر میں گئی تھی۔ شاہ نواز سمجھ گیا کہ یہ واردات اس کے بھائی اور اس کے ساتھی سردار نے کی ہے لیکن شاہ نواز نے خاموش رہنے میں بھی مصنعت بھی۔

وہ سا ہوکا دکے گاؤں گیا تاکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لے اور اگر بھائی شاہ وہاں کے لئے کوئی خطرہ ہو تو اسے خبردار کر سکے لیکن حتمی نتیجے پر کوئی بھی پہنچ نہ سکا کہ کارروائی کس کی ہے۔ دوسری طرف پولیس نے اپنی کارروائی جاری رکھی اور اور گرد دیہات میں اپنے خبرداروں کا چیل چھیلا دیا۔ ڈاکوئی کی رپورٹ کے مطابق دو گولیاں ایسی بندوق سے قاتر کی گئیں جو اس وقت تھانوں میں استعمال ہوتی تھیں۔ اب پولیس کڑی سے کڑی خانے لگی کہ کچھ حصر پہلے شاہ وہاں پولیس کا ٹیبل کی بندوق نے کر فراد ہوا تھا۔ کھوئی نے کمرے اٹھائے تو اس نے نشاندہی کی کہ قاتل دو تھے اور گھوڑوں پر اپنے کھلاتے تھے۔ یہ دونوں گھوڑے

آتا جس جگہ سردار بہرام سنگھ نے جنگل میں اپنا لوہا اپنے ساتھیوں کا سسکن بنا رکھا تھا۔ وہاں پولیس جاسنے ہوئے خوف کھاتی تھی۔ ایک دفعہ پولیس پارٹی زاکوزن کی سرکوبی کے لئے وہاں گئی بھی لیکن انہیں کوئی کامیابی نہ ملی بلکہ پولیس کے دو نین اٹکار زاکوزن کا مقابلہ کرتے ہوئے گولیوں کا نشان بن کے اپنی جانیں گنوا بیٹھے۔ اس لئے پولیس پارٹی وہاں جنگل بٹلے میں جاسنے سے کتراتنی تھی۔

پولیس کو اب یہ یقین ہو گیا تھا کہ جیل سے مفرود فیدی شاہ دین اب شاہوڑا کو کے نام سے علاقے میں ڈاکہ زنی اور لوٹن گری کا بازار گرم کئے ہوئے ہے۔ اب پولیس نے اس کو اشتہاری فرار دے دیا تھا اور اس کی گرفتاری میں مددینے والے کے لئے نقد انعام مقرر کر رکھا تھا۔ شاہوڑا کو نے وارانت کرنے کا اپنا ایک اصول بنا رکھا تھا۔ وہ اسہروں، ساہوکاروں کو لڑنا اور لڑنا ہوا مال علاقے کے غریب غریبہ میں تقسیم کرتا۔ یہی وجہ تھی وہ علاقے میں چرول عزیز تھا اور لوگ ان کی بھڑی ہرگز نہ کرتے بلکہ اسے اپنا خاندان دیتے۔ ساہوکار اس کے نام سے ڈرنے تھے۔ ڈاکہ کے لئے وہ بعض اوقات چالیس پچاس گولیں تک دوا کیلا ہی گھوڑے پر چلا جاتا۔

یہاں شاہ دین السورف شاہوڑا کو کی زندگی میں ایک موٹو آیا۔ ایک رات آکيا اتنی کسی ساہوکار کو لوتنے اس کے گاڑی چلا گیا۔ گھوڑی کو گاڑوں سے تھوڑی دور ایک درخت سے باندھ کر کسی نہ کسی طرح ساہوکار کے گھر داخل ہو گیا صدر دودا زے کی بجائے شاہو جوئی کے عصب سے رہوا چلا گیا۔ گھر میں داخل ہونے میں کاسباب ہو گیا۔ گھر میں چوری طرح اندر جہر اقلہ صرف ایک گھرے میں چلی چلی روشنی ہو رہی تھی۔ دیکھا کہ ایک بوکی آکھس بند کئے چینی رام رام چپ رہی ہے۔ باقی رہاں چوری طرح سنا ہے۔ شاہو نے بندو کی

سنگرام سنگھ کے پاس جو متعلقہ تھانے کا انچارج تھا کچھ انعام اکرام دے کر اسے بھیجا کہ جو طرز شاہو نواز سنگ کی بنا پر چکر رکھا ہے اسے ہر حال میں آزاد کر دے۔ بصورت دیگر میں خود آ کر اسے لے جاؤں گا۔ سردار تھی! سیری تھوڑی بات کو زیادہ سمجھا۔

جب سردار سنگرام سنگھ نے سردار بہرام کا پیغام سنا تو وہ پریشان ہو گیا۔ وہ سمجھا تھا کہ سردار بہرام سنگھ جو کہتا ہے وہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے لہذا اس نے شاہ نواز کو تھانے سے باعزت گھر جانے کی اجازت دے دی اور داہنی پیغام سردار بہرام سنگھ کو بھیجا کہ تمہارا کام ہو گیا ہے وقت چلنے پر میرا بھی خیال رکھنا۔

سردار بہرام سنگھ اور شاہ دین کو جب خبر ملی کہ اس کے بھائی کو پولیس نے آزاد کرانے گھر باعزت بھیج دیا ہے تو دونوں بہت زیادہ خوش ہوئے۔ شاہ دین نے فوراً شکرانے کے نفل ادا کئے۔ اب شاہ دین نے یہ معمول بنا لیا کہ وہ ہر ہفتہ پندرہ دن بعد کسی نہ کسی ہندو زمیندار کے گھر ڈاکہ زانی۔ وہ شاہوڑا کو کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ جہاں بہرام سنگھ ڈاکہ کی اور گرو بہاتوں میں خوف دہشت تھی اب شاہوڑا کو کا نام سے لیا جانے لگا۔ جو بھی لوٹ مار کا مال اس کے ہاتھ آتا سب سے پہلے وہ سردار بہرام سنگھ کے سامنے رکھتا۔ بہرام اور دوا مال خود رکھ لیتا اور دوا مال شاہ دین کو دے دیتا۔

شاہ دین بڑی باعیدی سے اپنا نصف مال اور گرو د بہات میں جو غریب تنگن ہوتا کسی نہ کسی بھانے اس کے گھر بھجوا دیتا۔ ڈاکہ گاڑوں کے کسی غریب کی لڑکی کی شادی بیاہ کے سادے اخراجات ان کے گھر بھجوا دیتا۔ کچھ فلم کسی آدمی کے ذریعے اپنے بھائی شاہ نواز کو بھی بھجوا دیتا۔ جب اسے سونہ ملکہ خود بھیجی ملی لیتا۔

علاقے کی پولیس شاہ دین کی گرفتاری کے لئے جہاں بھی اطلاع ملتی چھاپے مارنی لیکن شاہ دین ہانڈ نہ

خاص توجہ نہ دی۔ لڑکی نے اپنی مجبوری اور بے بسی کا رونا رو دیا تھا۔ یہ سمول نماک ڈاکر ڈالنے وقت اہل خانہ رونے چیتنے اور بدعا نہیں دینے تھے۔ وہ بڑے سکون سے لوٹا ہوا مال لے کر دیوار پھلانگ کر حویلی سے باہر آیا۔ چاندنی رات تھی دو گھوڑے پر بیٹھا اور وہاں سے نکل آیا۔ وہ وہاں سے آ تو گھیا لیکن اس کا دھواں وہیں انکا رہا۔ بار بار اس کے دھواں میں ٹاپینا بند لڑکی کے الفاظ کو سنے۔ "میں تمہیں بددعا دیتی ہوں کہ تو بھی میری طرح اندھا ہو جائے اور یہ لوٹ کا مال تیرے کسی کام نہ آئے۔"

ان کے ذہن پر اس بددعا کا خوف بیٹھ گیا اور اسے ہر لمحہ یہ خوف سنانے لگا کہ وہ کسی بھی وقت اندھا ہو سکتا ہے۔ کوئی حادثہ ہو سکتا ہے جس میں اس کی چٹائی جا سکتی ہے۔ یہ خوف وہم بن کر اس کو چست کیا۔ دو گھنٹے آتے جاتے کوئی کام کرتے ڈرنے لگا کہ اس کی آنکھوں کو کچھ ہونے چاہئے۔ وہ خاصے دنوں سے کسی واردات کے لئے نہیں نکلا تھا۔

اس کی یہ پریشانی اور احتیاط پسندی بہرام سنگھ سے چھپی نہ رو سکی اور اس نے ایک دن پوچھ ہی لبا کہ اس کے ساتھ کہا مسئلہ ہے جو وہ پریشان تھکن بنانے پھرتا ہے۔ شاہو نے اسے ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہ نکلنے والا نہیں تھا۔

"اے باری دادا اصل میں شاہو سیاں با" بہرام سنگھ نے فکھو کناں سلجھ میں کہا۔ "بار کولوں کی چھپانا۔ سانوں دس کی مسئلہ اے، بار لئی جان دی حاضر ائے۔" بہرام سنگھ کی باتوں سے شرمندہ ہو کر شاہو نے اسے ساری بات سنا دی۔ یہ سن کر بہرام سنگھ نے بڑا زوردار تقبہ لگا با۔

"بھلا ہوتے تھے! ہم نے شاہو کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "نوں رب نوں منن والا اک

نالی لڑکی کی کہنی پر رکھ کر کہا۔ بتاؤ نہارے گھر والے کدھر ہیں؟

"گھر والے سب ایک ہفتے کے لئے پاترا کرنے بہارن گئے ہیں۔" لڑکی نے جواباً کہا۔ "شاید ایک دو دن تک واپس لوٹ آئیں۔"

"مال سونا چاندی روپے چہ کہاں ہے؟" شاہو نے پوچھا۔ "اور چایاں اس کے پاس ہیں؟"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ تم ڈاکو ہو۔" لڑکی نے کہا۔ "آؤ گی رات کو ڈاکو جی کسی کے گھر لوٹنے آ سکتا ہے۔"

بہر کیف مجھے سوت کا ذرا نہیں۔ میں تو اندھی ہوں، میری بیٹائی ایک عرصہ سے نسخ ہو چکی ہے۔ میرے جانے الماری کی چایاں تالین کے نیچے چھپا رکھی ہیں تم لے سکتے ہو۔"

شاہو نے چایاں پکڑیں اور کونے میں پڑی ہوئی الماری کو کھولا۔ دھیر سارے سونے چاندی کے زیورات اور خاصے کرئی لوٹ لے۔ خوشی خوشی اس نے ایک چادر

میں سب کچھ محفوظ کر کے باغھ لیا اور چایاں واپس لڑکی کے ہاتھ میں تھما دی اور لڑکی کا شکر یہ ادا کیا۔ وہ آج

خوش اس لئے بھی تھا کہ ڈاکو ڈالنے وقت کسی نے اس کی مزاحمت نہیں کی۔

"میرے چنا کی دولت تم نے لوٹ تو لی ہے۔" لڑکی نے شاہو سے کہا۔ "لیکن باور کھو، ڈاکو ڈال کر دوسروں

کی کمال لوٹ لینا اور راتوں کو دوسروں کے گھروں کا آرام سکون بر باد کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ میں اپنے

بھگوان کی پارتھنا کر رہی تھی، تم میرے گیان دھواں میں خراخراؤ نکل ہوئے۔ میرے سکون کو بر باد کیا، ہمارے گھر

ڈاکو ڈالا، میں تمہیں کچھ کہہ ڈیو نہیں سکتی بس یہی بددعا دیتی ہوں کہ بھگوان تمہیں بھی میری طرح اندھا کر دے اور یہ

دولت نہارے کسی کام نہ آئے۔"

شاہو نے جب لڑکی کی باتیں سنیں تو اس طرف کوئی

ہندو گوی دی بد دعا توڑ گیا اس۔ کیسہ اور ادا ہو کر ان تیرے۔
دب توں ودھ تھرااے۔"

سانہوا یک سکھ! انوکے منہ سے اتنی کبری اور سامنے
کی بات سن کر شرم سے زمین میں گڑ گیا۔ وہاں اگر اس
ہندو لڑکی کی بد دعا میں کچھ اثر اورتا تو اب تک اس کو اندھا
ہو جانا چاہئے تھا مگر اسے اس کے دب نے بچائے رکھا۔
وہ بہ بھولی گیا تھا کہ اس ایک ہندو لڑکی کی بد دعا
کے مقابلے میں کتنے غریب لوگوں کی دعائیں اس کے
سامنے ہیں جن کی وہ عد د کرتا رہتا ہے۔

"رب منے تجھے بچالیا مگر تو مسلسل رب کی نافرمانی
کرتا چلا جا رہا ہے۔" اس کے اندر سے آواز آئی۔ "اگر
اس نے پکار میں لے لیا تو اس سے تجھے کون چھڑائے
گا؟"

"مگر میں تو صرف اپنا انتقام لے رہا ہوں۔" اس
نے یووی سی ویل دی۔ "میرے ہاتھ قلم پورا تھا۔"
"جتنا قلم ہوا اتنا ہی بولہ بنتا ہے۔" اس کے صبر
نے کہا۔ "تو پہلے ہی اپنے ساتھ بولے والے قلم کو باندھ
لینے میں مدد سے زیادہ گزر گیا ہے۔۔۔ اب جو کچھ تو کرنا
ہے اس کی کیا توجیہ کر دے۔ یہ اپنی مدد سے تیار نہیں
ہے؟ یاد رکھو! اللہ سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا میں۔
یہ سوچ کر شاہو پر خوشب خدا خاری ہو گیا اور جی
جان سے گزر گیا۔ اس نے دل ہی دل میں عہد کر لیا کہ وہ
آئندہ کسی پر قلم نہیں کرے گا اور بے جا لوٹ مار سے
اجتناب کرے گا۔ اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو
بدلے اور شرفیاض زندگی گزارنے کی کوشش شروع کر دی۔
اب صورت حال یہ تھی کہ وہ تو سبیل کو چھوڑنا چاہتا تھا مگر
سبیل اسے نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اب پولیس ان کو نہیں بھیجے۔
لینے دے رہی تھی اور اس کی گرفتاری کے لئے اس نے
خبروں کا جال پھیلا رکھا تھا جو جو کیرکونوں کی طرح اس کی
پوسکتے پھرتے تھے۔



الکاشیر

• دھو لگ سٹین • دہانہ • دووم از کوہ • ٹینڈر

تعمیر سے پہنچی ہے

حمید الیکٹریک انڈسٹری

تعمیر و مرمت کا سب سے زیادہ ماہر۔
فون: 92-55-3894636 • فیکس: 92-55-3894636
e-mail: info@unkedwash.com

پہنچا اور شاہو کی تجزی کر دی۔ تھانیدار یہ سنتے ہی پولیس کی ہماری فہمی نے کر گاؤں پہنچ گیا اور وہ کہ بندی کر لی۔ اس وقت فہمی اذان ہو رہی تھی۔ تھانیدار نے اس ذریعے کو گھیر لیا جہاں شاہو کو گھمراہا گیا تھا۔ تھانیدار نے گاؤں کے چوکیدار کو بلا لیا تھا۔ اس نے بتایا کہ شاہو نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد گیا ہے۔

تھانیدار اطلاع ملنے پر سیدھا مسجد کے باہر ایک کونے میں چھپ کر گھمٹا لگائے بیٹھ گیا۔ جو تھانیدار وہیں عرف شاہو کو نماز کی ادائیگی کے بعد مسجد سے باہر آتا آئے بھی کچھ شک گزارا کہ مسجد کے ارد گرد کچھ جئے نئے چہرے ابرہہ آ رہا جا رہے ہیں۔ خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ذریعے پر جانے کی بجائے ایک طرف ہندھی گھوڑی کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ پوچھتا اس کو وہ گھوڑی پر سوار ہو کر بھاگ جاتا۔ پولیس نے پیچھے سے ناز کھول دیا اور شاہو دین سوتیچ پر دم نوڑ گیا۔ لاش کو گھمراہ کی موجودگی میں تھانے لے جایا گیا اور ضابطہ کی کارروائی مکمل کر کے اسے واپس دیا گیا۔

شاہو دین لہوں اپنے مظنی انجام کو پہنچا۔ حکومت نے بھی سکھ کا سانس لیا اور انیس ایچ او ڈرتی وے کر ڈالی اس لہی کا جہدہ وے دیا۔ دوسری طرف گھوٹا تھہ جس نے تجزی کی بھی وہ انجام میں ملنے والی زمین کے حصول کی خاطر بھاگ دوڑ کرنے لگا۔ ادر جب بہرام کو پند چلا کہ دگھوٹا تھہ نے اس کے دوست کی تجزی کر کے انجام حاصل کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ سیدھا ایک دن اس کے گاؤں آیا۔ اسے کہا کہ تیار ہو جا کوئی کھانے کے لئے۔ پوچھتا اس کے کہ تم زمین بطور انجام حکومت سے حاصل کر دو میں تمہارا کیا کر کم کر دیتا ہوں۔ لہوں بہرام زاکو کے ہاتھوں وہ نقل ہوا۔ اس طرح بہرام نے اپنے دوست کا بدلہ لے لیا۔

◆◆◆

جہاں شاہو کے چاہنے والے اور اس کے ادر بہت سارے تھے وہاں کچھ لوگ اس سے حسد کرنے والے اور اس کی جان کے گامک بھی تھے۔ سرکاری طرف سے شاہو کی زندگی باسرو گنفازی کے لئے ایک مربع اراضی اور نقد انعام سفر کر رکھا تھا۔ کئی ارگوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوا تھا کہ وہ یہ انعام حاصل کر لیں۔ یہی وجہ تھی کہ شاہو کو ہر تگ پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔

اس کے ایک بڑے ہی بگڑی واری کی شاہو تھی۔ شاہو بڑی رازداری سے اس شاہو میں شرکت کے لئے اس کے گاؤں پہنچ گیا تھا۔ گاؤں میں کسی کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ پولیس کو مطلوب شاہو ان کے گاؤں میں موجود ہے۔

اسی گاؤں میں مشورل ساہو کار لار سول چند کا ایک قریبی رشتہ دار دگھوٹا تھا۔ اس کے دل میں شاہو کے خلاف انجام کا لار اہلار بتانا شروع ہوا۔ اس کے بدلہ نہیں لے سکتا تھا وہ کسی ایسے مربع کی تلاش میں تھا کہ وہ شاہو کی تجزی کر سکے۔

جب کسی کا سر کا ہونا قدرت کی طرف سے بے جا جاتا ہے تو قدرت اس کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔ جس دوست کے گھر شاہو گھمراہ تھا وہاں ایک غریب سی ہندو عورت چھوٹے موٹے کام کرتی تھی۔ اس کو کسی طرح بھگ پڑ گئی کہ شاہو اور اس گھر میں سماں ہے۔ پھر اس نے شاہو کو کسی نہ کسی طرح دیکھ بھی لیا۔ اس عورت نے وہاں سے آ کر سیدھا دگھوٹا تھہ کے گھر کا رخ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ گھمراہو کے خون کا پیا سا ہے۔ اس نے گھم سے انجام کے لالچ میں بہ اطلاع اسے دے دی۔ یہ سن کر گھوٹا خوش ہوا اور اس نے عورت کو اچھا خاصا نقد انعام اور چاولوں کی پوری خوش ہو کر دی۔

اس کے بعد گھوٹا تھہ علاقہ تھانیدار کے پاس جا

تاج محل

کیا آپ کو معلوم ہے کہ دنیا بھر میں سات تاج محل موجود ہیں؟

☆ عبد اللہ چشتی

ہو سکتا ہے کہ پہلی نظر میں آپ کو یہ آگہہ میں واقع تاج محل ہی محض نظر نہیں رہتا بلکہ جہاں جہاں تاج محل کی تعمیر کروا کر بادشاہان عمارت کی انتہائی خوبصورت نسل ہے جسے مغلیں بادشاہ اور شہزادے نے اپنے عظیم شاہ نے 17 ویں صدی کے آخر میں اپنی ماں کی یاد میں تعمیر کروا لیا تھا۔ تاج محل سے تشابہت کی بنا، برائے خرابیوں کا تاج محل بھی کہا جاتا ہے جبکہ نخل طبرستان میں کی جہ سے بدوانی حنفی تاج محل جیسا ہی لگتا ہے۔

جس طرح نخل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنی محبوبہ ممتاز محل کی یاد میں آگرہ میں تاج محل تعمیر کروایا اسی طرح مظفر شہزادے نے اپنے والدہ کی یاد میں ایک تاج محل تعمیر کروا لیا جسے "بی بی کا مغرہ" کہا جاتا ہے۔ باہت مہاراشٹرا میں واقع یہ عظیم الشان عمارت ہو بہو تاج محل کی نظر آتی ہے۔ اس کا سفید گنبد، بلند جنازہ باغات اور نورے بالکل آگرہ کے تاج محل جیسے ہیں۔

☆ میں ایسی عمارتوں کی کمی نہیں جو تاریخی ہونے دنیا کے ساتھ ساتھ انسانی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اپنے اپنے ملک کی شان بھی بھولتی ہیں۔ مگر کیا آپ کو معلوم ہے کہ امریکی جمہور آزادی سے ملے کر پہلے جو تک ان کی نعروں کی بھی تمی نہیں مگر ان کا پی کیٹس کا سب سے بڑا طرف تاج محل ہی بنا ہے۔

☆ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ اصل تاج محل 1631ء سے 1648ء کے درمیان مغلیں بادشاہ شاہ جہاں کے دور میں سفید سنگ مرمر سے ان کی اہلیہ کی یاد میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ خوبصورت و عالی شان عمارت دنیا کی چند سب سے زیادہ مشہور عمارتوں میں سے ایک ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کے عجائب میں بھی شامل ہے۔ تاہم ہندوستان کے علاوہ کئی مقامات پر اس کی ہو بہو نقل ہو سکتا ہے کہ آپ کے ہوش اڑا کر رکھ دے۔

1- تاج آف دکن - (اورنگ آباد ہندوستان)

اصل تاج محل جیسا تو نہیں بلکہ اس میں کئی رنگ بھی استعمال کیے گئے ہیں مگر نقشہ باذن برائن عبت کی یادگار سے مشابہہ ہونے کی وجہ سے اسے تاج محل کی ہی ایک نقل مانا جاتا ہے۔

5- تاج محل ڈپوہ - (ملائیشیا)

عبت کی اس یادگار کا ہندو ماہیچین عوام پر بھی چل چکا ہے جہاں اپوراٹیل سے شیخ کوئی تاج محل کا نام دے دیا گیا ہے جس کی وجہ اس کی سفید عمارت ہے حالانکہ اصل یادگار سے اس کی شکل کچھ خاص نہیں تھی۔ تاہم آہٹکلکٹ کو یہ اس جھکی ہی تھی اور اب یہ اس نام سے معروف بھی ہو چکی ہے۔

6- تاج محل - (بلند شہر نیپال)

شاہ جیہاں نے اپنی بیوی کی یاد میں تاج محل تعمیر کر کے عبت کی ایک داستان کو جنم دیا مگر اسی ملک میں ایک اور شخص نے کچھ چھوٹے مگر اسی کی بوہو نقل کے ذریعے اپنی مرحوم بیوی کو انوکھے انداز میں خراج تحسین پیش کیا۔ از ہر نقش میں بلند شہر میں فیصل الحسن قادری نامی شخص نے اپنی مرحومہ بیوی کی یاد میں تاج محل کی یہ نقل تعمیر کی جو زیادہ بڑی نہیں اور کافی حد تک خوبصورتی سے بھی محروم ہے مگر عبت کا بہ جہز ہر اس کی کشش بڑھا رہا ہے۔

7- تاج محل - (بنگلہ دیش)

بنگلہ دیش میں ایک فہم ساز نے اپنی فلم کی بنیاد کے سلسلے میں تاج محل کی نقل تیار کرانی اور اس نولج کا اظہار کیا کہ یہ خوبصورت عمارت دنیا بھر سے سیاحوں کو بنگلہ دیش کی جانب کھینچ کر لائے گی اور اس کا ملک دنیا میں نمایاں حیثیت حاصل کر سکے گا۔

از ہر اس کی شان و شوکت شاہ جیہاں کے تاج محل جیسی تو نہیں لیکن اس کی خوبصورتی خود فرزند تعمیر بھی اپنی مثال آپ ہے۔ یہ وسعت اور بلندی میں آگرہ کے تاج محل سے قدرے کم ہے اور ایک اہم فرق یہ بھی ہے کہ آگرہ کے تاج محل کو مکمل طور پر سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے جبکہ اورنگ آباد کے تاج محل کی عمارت کی دیواروں پر سنگ مرمر کی ایک تہہ چڑھائی تھی ہے۔ اس کا شمار بھی دنیا کی اہم ترین تاریخی عمارات میں کیا جاتا ہے۔

2- تاج ہاؤس بوٹ

یہ تاج محل کی نقل پر اپنی باڈیز بوٹ 20 لاکھ ڈالرز سے زیادہ مالیت کی ہے جسے 1970ء کی دہائی کے وسط میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کا خیال میں ہالینڈ کی ایک کاروباری شخصیت کو ہندوستان جا کر اصل تاج محل دیکھ کر آیا تھا اور اب یہ کیلکٹور نیواس لوگوں کے ہوش اڑاتا ہے۔

3- تاج عربیہ - (دوئی)

چند لاکھ ڈالرز سے تاج محل کی نقل بنانا تو عام ہے مگر ایک ارب ڈالرز سے یہ کمال کر دکھانا واقعی دیکھنا بہن لگتا ہے لیکن دوئی میں واقعی ایسا ہونے جا رہا ہے جہاں تاج محل کے مقابلے میں تاج عربیہ تعمیر کیا جا رہا ہے جو حقیقی عمارت کی نقل تو نہیں ہوگا مگر کافی حد تک اس جیسا ہی ہوگا۔ یہ کسی منبرے کی بجائے شادریوں کا مرکز ہوگا اور یہ 2016ء میں مکمل ہو کر لوگوں کے لئے کھول دیا جائے گا۔

4- ٹرمپ تاج محل

الانک سٹی کو بوں تو بلند و بالا عمارت کی وجہ سے جانا جاتا ہے مگر ٹرمپ تاج محل کی شان ہی الگ ہے جو

آپنی

لالہ جی اور ابا اس معاملہ میں انتہائی دغبن کرب کا شکار تھے۔
ان کو کمال کوٹھڑی اور جیل کی بے مشقت زندگی نظر آ رہی تھی۔

محمد رضوان نومی



قسط: 3



لوں؟ بھلا شہد کی بوتل میں پینا شہاب کا ایک قبیح ڈالا جا سکتا ہے؟“

”کلمہ بیپ نے اپنی زندگی ان لوگوں کے ساتھ گزارنی ہے یا تو نے؟“ ابا نے لالہ جی کو بھاتے ہوئے کہا۔ لالہ بیرونی بات مان اپنی ضد چھوڑ دے۔ یاد رکھا! اگر تو اپنی ضد پر جما کر اربا تو نہ صرف تو، برابار ہوگا بلکہ تو اپنے بیٹے کلمہ بیپ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھنے گا۔“

”اسے آٹھ دو چار دن اس جوئی کے آرام و خوش سے باہر سزے دے۔“ لالہ جی نے بڑے زور سے فریاد کی۔ انداز میں کہا: ”اُسے جب باہر دیا میں بھوک کر مار پڑے تو وہ خودی دے دیا۔ شادی کی اپنی ضد چھوڑ کر میرے جوتوں کے توڑے جاملے گا۔“ دو آ جا سکتے گا۔ عظیم ثر کلمہ بیپ اور اس کی زندگی کی گھرنہ کر۔“

ابا نے لالہ کے ہاتھ پر براعظم کھپایا مگر لالہ کے کی دم کی طرح نیر خٹیاں رہا۔

گھنٹے دو تین دن تک کلمہ بیپ کا کچھ باندھنا نہ ہوا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔ لالہ کو اس کی کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دو چار دن وہ مٹکے کھا کر خود ہی واپس آ جائے گا مگر کلمہ بیپ کی ماں کی جان پر تپتی ہوئی تھی۔ دو اپنی ممتا کے ہاتھوں سے چھٹی ست آٹھ دوڑنے کے لئے پاگلوں کی طرح ادھر ادھر پکراتی پھرتی تھی۔

ابا نے مجھے کہا کہ تم اور شریف الدین (میرا اکران) اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر کلمہ بیپ کو ہر طرف تلاش کرو۔ جہاں جہاں اس کے ملنے کا امکان ہے وہاں جاؤ۔ میں شریف اور مٹکے کے چند لڑکوں نے مل کر کلمہ بیپ کو اور گرد و دروازے ملاطوں میں تلاش کرنا شروع کر دیا تھا۔ دو روز بعد کلمہ بیپ کے بارہنہ میں چلا گیا کہ وہ ایک جوتے سے اڑھنہ میں بیٹھا جوتے کے کٹس ٹھنچ رہا ہے۔ اسے شریف الدین نے دھونڈا تھا۔

لالہ جی کو جب کلمہ بیپ کی اس حالت کے بارے

کو ادھر ادھر بہت تلاش کیا گیا، اس کے کلمہ بیپ دوستوں سے پوچھا مگر وہ نہیں نہیں ملا۔ اب تو سنتے تائی کا بڑا حال ہو گیا۔ اس کو کوشش کے دور سے پڑنے لگے۔ لالہ جی پر کچھ خاص اثر نہ ہوا۔ آخر سنتے تائی میرے ابا کے پاس آئی۔

”عظیم بھائی! لالہ نے میرا سکون ہر باد کیا ہوا ہے۔“ اس نے روتے ہوئے فریاد کی۔ ”لالہ تمہارا چکری بی دوست ہے، تمہیں اپنے خدا کا واسطہ ہے اس کو کہو کہ اپنے جوتوں میں شے ضد نہ لگائے اور جہاں وہ کہتا ہے اس کی شادی کر دے۔“ اس نے شیش میں آکر بیٹھ کر پرتھو اٹھایا ہے۔ وہ جوان خون بالپ ہے بائی ہو کر جائے کہاں چلا گیا ہے۔ مجھے ہولی پڑھتے ہیں میرا دل اٹھنا چاہتا ہے۔ نہ جانے میرا دل کہاں گیا ہوگا۔ اس نے کچھ کھپایا مٹی آؤ گا یا ہوگا ہوگا۔ ہمیں دو کوئی غلط قدم نہ اٹھانے۔“

”بھابھو! تو پریشان نہ ہو۔“ ابا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”تو میرے ساتھ اپنے گھر چل۔“

”نہیں نہیں میں آپ کے ساتھ گھر نہیں جا سکتی۔“ تالی سنتے گھبرا کر کہا۔ ”مگر آپ میرے ساتھ گھر سے تو لالہ جی پر شہید برہم ہوگا۔ آپ ایسا کریں کہ میرے گھر جانے کے تھوڑی دیر بعد آئیں لیکن آنا ضرور۔“ تھوڑی دیر بعد لالہ جی سے ملنے لگے۔

”مجھے پہلے تیری دماغی حالت کے بارے میں شک تھا کہ ٹوٹیم پاگل ہے لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے۔“ ابا نے لالہ جی کے لئے لیتے ہوئے کہا۔ ”اولاد کے معاملات میں اتنا کھور دل نہ بن۔ آج کل کی اولاد میں زندگی اپنی مرضی سے گزارتی ہیں، وہ بھلا کہاں اپنے جوتوں کے کہنے پہنچتی ہیں۔“

”بڑا عظیم! تو مجھے سمجھانے آ گیا ہے۔“ لالہ جی نے بے بسی سے کہا۔ ”لیکن یہ بھی تو دیکھو کلمہ بیپ جہاں شادی کرنا چاہتا ہے کیا وہ لوگ اس قابل ہیں ان سے رشتہ جوڑ

اور وہ سیدھے اُس ڈپرے پر بیٹھے جہاں کھدھپ بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے پے در پے کسنگ کر اس کی حالت انتہائی نامکنت رہ ہو گئی تھی۔ اس کے کپڑوں سے انتہائی نامگوار بدبو پھوٹ رہی تھی۔ اسے اُس اڈے سے اٹھا کر سیدھا حویلی لایا گیا۔ کئی روز تک اسے مقوی غذا میں کھانا نہیں۔ سر کا مساج کیا گیا۔ اس کے جب ہاتھ ہوش نہ کھانے ہوئے تو اس نے ایک بار پھر یہ مشکل دی کہ اگر اس کی شادی وہاں سے نہ ہوئی تو وہ اس بار جس نہیں اپنے گا بلکہ زہر پنی کر موت کو گھٹے لائے گا۔

”سرنے کی باتیں نہ کرو جیانا! ابا نے کھدھپ سے کہا: ”میں نے تیرے باپ کو اس شادی کے لئے رضا مند کر لیا ہے۔ تیری شادی وہاں سے ہی ہوئی۔“

کھدھپ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ نامکمل یقین نظروں سے ابا کی طرف دیکھنے لگا۔ تاہم ابا نے اُسے لالہ جی کی نئی شراٹکا کا ذکر نہ کیا جو کہ اُس نے اس معاملہ میں لگائی تھیں۔

لالہ جی نے ابا کو کھدھپ کی طرف ہراساں گاؤں بھیجا کہ جیسا کہ ابا اور کھدھپ کی شروہ شادی کے سلسلے میں بات چیت کر کے آئیں۔ ابا نے دیکھا کہ باپ کو یہ شراٹکا بتائیں تو وہ دھماکا ماریا گیا۔

”میں اتنی ذلت انگیز شراٹکا پر ہرگز شادی نہ کریں گے۔ دیکھا کہ باپ نے کہا: ”جاری جین ہم پر بھاری نہیں ہے۔“

”اگر تم اور لالہ جی اپنی ضد پر اٹھتے رہے تو کسی کی جان چلی جائے گی۔“ ابا نے فیش کی سنت مابست کرتے ہوئے احتجاج کیا۔

ابا کا نئی دیر تک اسے مانتے رہے لیکن وہ مسلسل اکرار کیا۔ ابا نے اس کے گھر سے ملائی ہو کر وہاں آئے لگے۔

”آپ رکھیں۔“ دیکھا کہ ابا کو کہتے ہوئے کہا۔

”اگر یہ واقعی کسی کی زندگی موت کا سوال ہے تو مجھ

میں بتلایا گیا تو اُس نے فلسفے سے کہا کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں اس خبیثت کو کوئی باروں۔

”تو تو اسے کوئی مار کر پھانسی کے پھندے پر چڑھ جائے گا۔“ ابا نے اسے لڑاتے ہوئے کہا۔ ”تو تیرے پیچھے تیرے گھرواں سے لوگوں پر کتے بلیوں کی طرح دھکے کھائیں گے۔ دامیٹ کو کھنڈا رکھ اور عقل کے فتنے لے۔ فوری طور پر اپنی ضد چھوڑ کر کھدھپ کو چار سے سنا کر لے اور اس کی شادی کے سلسلہ میں اپنی اکر چھوڑ دے۔“

”نہ جانے یہ نہ صنف کینہ مجھے کہاں کہاں ذلیل و خوار کروائے گا۔“ لالہ جی نے بڑبڑایا۔

”اگر تو نے اس کی ضد نہ لائی تو لالہ جی مزید ذلیل و خوار ہوگا۔“ ابا نے لالہ کو سمجھایا۔

”میں تیرے عاشق بننے کی شادی چند شراٹکا پر کروں گا۔“ لالہ نے ہنستا ہنسی کو کہا۔ ”اگر کیش کو یہ شراٹکا منظور ہیں تو میں اس کام کے لئے تیار ہوں۔ اٹھا تا ہوں۔ اگر نہیں تو بے شک کھدھپ کے لئے کتے میں ایڑیاں ریز کر کے مرنے کے لئے تیار ہوں۔“

”تیری کون سی شراٹکا ہیں؟“ ابا نے اس سے پوچھا۔

”میں کھدھپ کی بارات کسی قیمت پر بھی اس کو بر زدہ گاؤں میں نہیں لے کر جاؤں گا۔“ لالہ نے جوابا کہا۔

”اس کے پیادے متعلق تمام رسمیں برقی کلب میں ہوں گی اور لالہ سا گاؤں سے کیش کے خانہ ان کے چند لوگ ہی اس میں شامل ہوں گے۔ اگر تجھ کو زیادہ ہی اپنے بچوں کے عاشق سمجھتے اور بھانج سے ہمدردی ہے تو تو ہی اس معاملہ کو سنبھالیں۔ صرف تم لوگوں کو اس بے جرز زبردستی کی سلسلہ سنبھالنے کا خرچہ دوں گا۔“

”ابا جی میں سنبھالوں گا۔“ ابا نے لالہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”توئی اچانک اپنے گرم ذہن کو کھنڈا رکھ۔“

ابا نے شریف الدین اور مٹھے کے چند مسائیوں کو لیا

سے کہا۔ "ابنا ہو کہ لالہ جی کی انک کے پیچھے اس کا بیٹا ہاتھ سے جائے اور نہ باری ضد کی انگ نہ باری جی آجوا کر ہسم کرنے۔"

"پتا جی! اصر دو مرے گا نوا اصر میں ز رکھا لوں گی۔" بیٹی نے شرم بالا نے خالق رکھ کر اپنے باپ کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

اگر اب ہو گیا تو سر پہنچا ہونا؟" ابانے کیش کے کاٹن میں کہا۔ "بہر طرف نیری جی اور کلدھ پ کی محبت کے افسانے بھل جائیں گے۔ لوگ بکا بکا بنا جس کے پھر نہ باری کی عزت رو جانے گی۔ بہتر یہی ہے کہ عزت سے بیٹی کو بیاہ دو۔ تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ لالہ جی نہ باری جانب سے ہونے والا خرچہ خود بدانت توں گے۔ نہ باری جی جو بیٹی میں راج کرے گی اور نہ باری ان کام میں ایک دھما بھی نہ خرچ ہوگا۔ ہنگ لگے نہ بھٹکوی اور رگ انے گا جو کھا۔"

کیش نے اب یہ بات سنی تو در ہے لیکن ہو گیا۔ "لالہ ان کام کے لئے کتنا خرچہ بھیج دے گا؟" اس نے کہا۔ "دو دراصل آج کل میرا ہاتھ تنگ ہے۔ اب لالہ سے تنگ کہ دو مجھے کچھ رو پے بطور قرضہ دے۔ میرا جب کچھ کھلے گا تو میں اسے قرض کی رقم بکست ادا کروں گا۔"

"نیری جی اور بیٹی تو شادی پر راضی ہیں۔ اب تو مجھے ہلا کہ تو کیا چاہتا ہے؟" ابانے کام ہنسا کچھ کر خوش ہو کر پوچھا۔

"ارے صاحب! میری اب ناراضا مندی کی کہا حیثیت رو گئی۔" کیش نے امانت نکال کر کہا۔ "اب تو میرے سامنے وہی مثل ہے کہ جب میں اپنی بیٹی کو بیاہ کرے گا فاضی۔ میری طرف سے ہاں ہے لیکن ابھی تک آپ نے یہ بات واضح نہیں کی کہ لالہ جی کتنا رو پے اصرار دے رہیں گے؟"

کلدھ پ سے ہر قیمت، ہر شرط پر شادی کرنے کو نبار ہوں۔"

"نیرا داغ تو نہیں مل گیا۔ تو کیوں ہمزہ پوئی کی رہی کسی عزت کی اور بھی نکالنے پر تھی ہوئی ہے۔" کیش نے سرخ نگاہوں سے جلاتے ہوئے کہا۔

"پتا جی! جو شخص میری محبت میں اپنے باپ سے بغاوت کر کے اپنی جان دے کر ہونا ہو سکتا ہے تو وہ لازمی مجھے ابھی بیوی کی حیثیت سے رکھے گا۔" وہ ہانے اپنے باپ سے کہا۔ "اب آج اب میرے دل سے پوچھیں تو مجھے بھی کلدھ پ ہے۔ اتنی ہی محبت سے جینی کہ اسے مجھ سے ہے۔ اگر وہ میری خاطر جان دے سکتا ہے تو میں بھی اس کی خاطر اپنی جان دے سکتی ہوں۔"

"کیوں بند کر اپنی۔" کیش نے نہ ہار کر کہا۔ "میں نیری نہ ہاں سمجھا لوں گا۔"

"پتا جی! آخر آپ نے میری کبھی شادی تو کر لی ہی ہے۔" وہ ہانے دھمکے لہجے میں کہا۔ "تو نہ باری رگانی اس جگہ کیوں نہ کریں جہاں میں چاہتی ہوں۔"

"گفت ہے اتنی لڑکی پوچھ اپنے من سے اپنا نہ مانگی ہے۔" وہ بکا بھائی درساں میں کور پڑا۔ "پتا جی! اگر آپ نے کچھ شہر جا کر رہا کی شادی میں شرکت کرنی ہے تو کریں۔ میں کسی صورت بھی وہاں نہیں جاؤں گا۔" پھر

اس نے اب جی کو مخاطب کرنے سے ہونے کہا۔ "بھائی جی! اپنے بار لالہ سے کہو کہ اگر وہ رواج کے مطابق ہمارے گاؤں میں بیٹے کی باروت لے کر آئے گا تو یہ شادی ہو سکتی ہے ورنہ لالہ جی اپنے گھر خوش رہا اپنے گھر خوش۔"

بیٹے کی بات سن کر رہا کی ماں رونے لگی۔ ماں کی بیٹیوں کی بھر دو ہرازا ہوتی ہیں۔ اس کو اس بات کا علم تھا کہ اس کی بیٹی بھی کلدھ پ سے شادی میں خوش ہے مگر وہ ناراضا بگاڑ رہا تھا۔

"وہا کے چا! اس نے رونے ہوئے اپنے خاندان

پھلجڑوں، ڈھول ہانوں کے رقص وغیرہ سے خوب شغل
میلہ لگا بیکھد چپ چھولے زیدار ہانغا۔

گھر سے سرخ رنگ اور بھادنی کام سے مزین نین
غراوہ دہن کے کفن کو چار چاند لگا دیا تھا۔ اسے ہب
سناری کی رسوں کے لئے لایا گیا تو اس محفل میں شریک ہر
ایک فرخند بھرنی نگاہوں سے اسے غور ہانغا۔

"ارے لگتا ہے تو تو آسان پر گئے جانہ کا کوئی نکلا
تو زلائی ہے۔" محلے کی ایک بڑھیا نے جب یہ جملہ اپنے
منہ سے نکالا تو کھد چپ کی پچی محل نہیں کر رہی۔

"اری سو جن! لگتا ہے تیری نگاہوں کی لوزر بگر
گئی ہے۔" اس نے مسد بھری آواز میں کہا۔ "ڈاگر اسے
تیری نگاہوں سے رتھے نو بہ لونی اتنی حور پری بھی نہیں
ہے۔"

"اری! جا، بندر کیا جانے اودک کا سوا۔" سو جن
نے ہانھہ ٹھکنے ہوئے کہا۔ "تجھے کیا معلوم حسن کیا ہو،
ہے۔ تہ لہن واتی کسی حور پری سے تم نہیں۔"

پھروں کے بعد جب رولیا، دہن کی ہندو رو دن
نیکے مطابق رکن شروع ہوئیں تو کھد چپ کی پچی سے مزید
برداشت ہو۔ ڈاگر اس نے سر میں روکا بھانڈ کر کے کھا
جس نہ کھا اور وہر ہپاک ہانھہ میں سلامی دست کر چلی
گئی۔

ابھر کھد چپ کا پنی شکر رما بکیش کے فریب ہو کر
اس سے اٹنے سیدھے طنز بہ چھینے سوال و جواب کر رہا
تھا۔ مہر سے اٹانے بکیش کے کان میں کہا کہ تم سونے کی
زراکت کے تحت اس فسادنی آدمی کی بانوں کو نظر انداز
کرتے جاؤ۔ بنو چاہنا ہے کہ کوئی ایسی بات ہو کہ بنگار
کھڑا ہو جائے۔

دیبا کی دغصتی تک شکر رما اور اس کی بیوی بیٹے
بھانے کوئی نہ کوئی ایسی بلی گئی ہانھہ کرتے رہے کہ انہیں
لالہ جی اور بکیش کے خاندان والوں نے بڑی مشکل سے

"جہیں تمہاری توقع سے زیادہ روپہ ملے گا۔" ابا
نے کہا۔ "اتنا کہ تم کا پیو کے برٹش کلب میں آ کر بڑے
مٹات سے سے شادی کر سکو گے۔ میں جب جہیں شہر
باداں تو شادی کے بغیر معاملات کو طے کرنے آجاتا۔
اور پھر اپنے واہس آ کر لالہ جی کو اپنی کامیابی سے
آگاہ کیا تو انہوں نے اگلے دن بکیش کو بلا لیا اور اس کے
ساتھ شادی کی سادی نغمبات سے طے کر لیں۔

"یہ پورا ایک لاکھ روپہ ہے۔" آخر میں لالہ جی
نے بکیش کو ایک بڑا لٹافہ دیتے ہوئے کہا۔ "اس رقم سے
جینی کے لئے زینو، کپڑے اور دوسرا سامان خرید لو اور ہماری
بازار کا شاندار استقبال کرتا اور کھانا بھی بڑھیا دوتا
چاہئے۔ کوئی کی نہرہ جائے۔"

"جو سر کاوی آ رہی ہو، بکیش نے لالہ کے ہانھوں
سے روپے لینے ہوئے ہانھہ جوڑ کر کہا۔ "بیرا آپ سے
دھروہ کر کے میرا جب مانی لٹافہ سے، کھانہ کھلے گا تو میں یہ
رقم لوٹا دوں گا۔"

"مجھے معلوم ہے بکیش تیری اتنی پہلی نہیں ہے کہ تو
اتنی بڑی رقم کی ادائیگی کر سکتے۔" لالہ جی نے اپنی موٹھی
کو بڑے سفر و ماند انداز میں مروڑی ویستے ہوئے طنز
آواز میں کہا۔ "بیرا میرا کوئی کفن دین نہیں، میں یہ رقم تجھے
کاروبار زندگی میں نقصان سمجھ کر بطور تادان دے رہا
ہوں۔" پھر لالہ جی نے اس کو شادی کی تیاری ویستے ہوئے
کہا کہ تو اس دن برٹش کلب میں ہماری بازار کا شاندار
شوکت کا لہاؤہ اواز دھ کر سواکت کرتا۔

آخر وہ بھی آ گیا جب کھد چپ کی بازار جانی
تھی۔ سوز کاڑیوں، بیسوں اور کئی بگھوں پر مشتمل کھد چپ
کی شاندار بازار برٹش کلب پچی نو دہپا کے باپ نے
دیکھوں کی سطح کی شادیوں کے انداز میں پوری بازار کا
استقبال کیا۔ برٹش کلب کے باہر کھد چپ کے محلے
روستوں نے کافی دھنگ کان پھاؤ چانڑوں، آٹھی اٹھار کی

بزدلاہٹ کیا۔

بہ بہت کھٹی، چالاک لڑکی ہے۔ چھ ماہ بعد کھانا آئے۔
 "ٹوٹو، تم کھٹی چالاک ہے۔" اس نے اسے غصہ کا
 مارنے ہوئے کہا۔

"میں تم دونوں کی باتیں سن رہی ہوں۔" ابانے دخل
 اندازی کرنے ہوئے کہا۔ "تم غمگین جس مجلس میں بیٹھ
 جاؤ ایک دوسرے کی برائیوں کے سوا تمہارا کوئی کام نہیں
 ہوتا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آہستہ میں لالہ جی کی
 موٹی گا ملازمہ اپنا انتہائی گھبرائی حالت میں بھاگا ہوا آیا اور
 اس نے کہا کہ حویلی کے دو اوزار پر ایک عدالتی جلیبٹ کچھ
 ٹوٹنے لے کر آیا ہے۔ یہ سننے لالہ جی اپنی حویلی کی
 طرف دوڑے۔

"بھگوان خیر کرے۔" جلیبٹ سنو نے گھبرا کر ابانہ
 سے کہا۔ "آپ ذرا اول جی کے پیچھے جائیں اور دیکھیں کہ
 کیا معاملہ ہے۔"

ابانہ اور لالہ جی اپنے اپنے دو دروازے پر دستک کورٹ
 کار پر حویلی خالی کرنے کا عدالتی نوٹس لے کر آئے۔ ان
 کے تانا بکھرا ہوا دل اس حویلی کا کس جہت پتے ہیں
 اور آپ ان حویلی کے عدالتی حکم وصول کریں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" لالہ جی نے حیران ہو کر کہا۔
 "اس حویلی کی ملکیت کا کیس ابھی عدالت میں چل رہا
 ہے۔ یہ فیصلہ کیسے ہو گا؟"

"عدالت میں تمہاری مسلسل عدم حاضری کی وجہ
 تمہارے خلاف کچھ فیصلے ہو گیا ہے۔ عدالتی ایڈکار نے
 کہا کہ تمہارا وکیل کسی جوش پر حاضر نہیں ہوا ہے۔"

"لیکن میں نے تو دیکھا کہ اس کی منہ مائی فیس دے
 دی تھی۔" لالہ جی کا ادماغ نے نظر انداز کیا۔ کہا۔ "اور
 اس نے مجھے یہ کہا تھا کہ یہ کیس ختم ہو گا، آپ کو شک کرنے
 کے لئے تھوپ دیا گیا ہے۔ میں اسے سنجال لوں گا۔"

"اچھا یہ کیس سننا ہے۔" ریڈر نے غصہ سے

اصرہ لالہ جی نے بھی اپنی حویلی کو تین فیسوں، دیگر
 آزمائشی اشیاء سے خوب سجا بایا تھا۔ بالخصوص وہ لہن و بیا کا
 عروسی کمرہ کئی کئی تازہ خوشبو دار پھولوں اور گلاب پتیوں کی
 بیٹیوں کی خوشبو سے جھک رہا تھا۔ وہ لہن کے حسن کی ایک
 جھلک دیکھنے کے لئے دور دراز کی بن جاتی عورتیں آتے
 آتیں۔

لالہ نے چوتھی ہی رسم کے لئے بھی کلدھپ کر اس
 کے سر لالہ نہ پہنچا۔ دونوں کی سٹائی تے چہرے دن ہم
 لوگوں نے۔ یہاں کلدھپ کی ذات کے کھانے کی دعوت
 کی۔ ابانے لالہ کی پوری کھٹی کو اس میں دھونچا تھا۔ اس
 نے ان لوگوں کے لئے کئی قسم کے کھانوں کا ایضاً نام کیا تھا۔
 وہ پچاسب مہمانوں کی نسبت آہستہ آہستہ شربت سے
 ڈرے انداز سے کھانا کھا رہی تھی کہ پانا آ رہا اس کو ڈر مہمان
 میں اسے ٹوکنا پڑا اور اسے اپنی اب تو آہستہ سے ڈرے
 انداز سے نہ، ڈر لالہ جی کے خاندان کا حصار بڑی ہو
 ہے۔

"یہ گھر میں بھی گوتمت کی طرح خاموش رہی کبھی
 رہتی ہے۔" کلدھپ نے کہا۔ "یہ مجھ سے بھی بہت کم اور
 اور عروسی بات کرتی ہے۔"

کلدھپ نے جب یہ جملہ کہا تو ابانے مڑا تا اس کے
 کان کھینچے ہوئے کہا۔ "اسے تمہارے گھر میں آتے
 ہوئے چند روز ہی تو ہوئے ہیں۔ تمہارا ماحول اپنانے
 اپنانے کو کچھ عرصہ دقت لگے گا۔ پھر دیکھنا کیسے کورٹ کی مانند
 کا اس کا نہیں کرے گی۔" پھر وہ لہن سے کہا۔ "اور سے بیٹی تو
 لالہ کی حویلی میں وہ کرم ہا کر موت کر رہی۔"

"اور سے بھائی عظیم امیری ہو کہ نہ مڑتا میں۔" سنتو
 جلی نے ہنسنے ہوئے کہا۔ پھر وہ ان کی طرف جھک کر
 بڑھی کرنے لگی۔ "یہ دیکھنے میں خاموش شرمیلی صورت
 نظر آتی ہے لیکن بڑی میں ہے۔" وہ لالہ جی کی عروسی بھی کہ

فرمانِ قائد اعظم

یہ فلکست خرد و ذہنیت کی ابتلا ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ مسلمانوں کو ایک عظیم فوٹ پلانے کے لئے اپنی رگوں کو دوبارہ کھینچ کر کے ان عظیم روایات اور اصولوں پر توجہ سے جم جانا چاہئے جو ان کے زبردست اتحاد کی بناوٹ ہیں۔

(اجلاسِ مسلم لیگ، 15 ستمبر 1937ء)

میں ہے، آپ ہم پر اتنی مہربانی کر دیں کہ اس خوش پہ نگھ ویکہ کہ لالہ لالہ خونی میں موجود نہیں ہے۔"

"میں آپ کا کام تو کروں گا" کمار نے اپنی منگی میں مزا پینی نہ رو پے؛ کو لو تاتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ جس قیمت پر کھتے رہتے ہیں وہ بڑا بڑا ہے۔ یہ تو جس قیمت پر لائٹ کے منہ میں زبرے کے برابر ہے۔ یہ تو جس قیمت پر ہے وہی کا ہے۔ اگر یہ کوئی عدالتی طلبی کا عام نوٹس ہوتا تو میں ان کو پونے کے عوض آپ کا یہ کام کرتا۔"

"کمار صاحب! عدالت اکر میں آپ کی اور خدمت کروں گا؟" انہوں نے اپنی جیب سے سوکانوٹ نکال کر اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "فی الحال آپ مہربانی کر کے اس نوٹس کے سلسلے میں یہ نگھ ویکہ کہ لالہ خونی میں موجود نہیں ہے۔"

"اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟" لالہ نے کافی ابر بعد اسٹھا کر تے ہوئے پوچھا۔

"بہت فائدہ ہوگا لالہ جی!" ابا کا جواب کمار نے دے دیا۔ "گناہ لالہ جی! آپ سب کو بہت اسی مشیروں اور قانونی ہیرا پھیر لوں کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہیں یہ بتا ہے کہ اگر میں اس عدالتی بے دخلی کے نوٹس پر یہ رپورٹ لکھ دوں گا کہ ذکورہ آدمی گھر میں موجود نہیں ہے تو آپ کو اس کیس کو پیش کر کے میں اچھا خاصا مزید وقت مل جائے گا۔"

سکراتے ہوئے کہا۔ "اس نے تو آپ کی نوٹی لٹریسی ڈیوٹی ہے۔ لالہ جی! آپ اس عدالتی نوٹس کو وصول کر کے اپنے وکیل کے پاس جا کر اس کا جواب لکھ کر پوچھیں کہ اس نے آپ کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کیوں کیا؟"

"لیکن اگر میں نے اسے وصول کر لیا تو میں سرکاری طور پر اس نوٹس کی تکمیل و تکمیل کے لئے پابند ہو جاؤں گا۔" لالہ نے غصے سے کہا۔

ابکار نے اپنے ہاتھ میں کھڑا ہوا مین لالہ کے ہاتھوں میں وجہ ہوئے کہا کہ آپ میرا وقت برباد نہ کریں، میں نے ابھی اور بہت سرکاری کام منانا ہے۔

لالہ کی دعا دیکھ کر انہوں نے اپنی جانب پریشان کن سوالیہ نگاہوں سے دیکھا کہ کیا کروں؟

"ارے سرکاری کامیں اور تمہاری ذمہ داریاں ہونی رہے گی۔" ابا نے ابکار کو کہا۔ "لیکن تم اس وقت ہمارے مہمان ہو، آؤ اور تمہاری کوئی سہرا کر لینا۔"

"سیدھا کہی؟" ابکار نے لالہ کی اشارت پر پوچھا۔

"آپ اندر تو آئیں، ہم آپ کی توقع سے زیادہ سہرا کریں گے۔" ابا نے کہا۔

"آپ مجھے اچھے انسان لگتے ہیں آپ کہتے ہیں تو کہو مٹھا گرم پی لیتے ہیں۔" ابکار نے گرمی کی طرح رنگ بدلنا شروع کیا۔

"ارے آپ بھی تعوان والے اچھے انسان ہیں۔" ابا نے ابکار کو کھنکھاتے ہوئے کہا اور اس کو حویلی کے اندر کرے میں لے آئے۔

"جی آپ کا نام کیا ہے؟"

ابکار نے اپنا نام کمار بتلایا۔

لالہ خاموشی سے بتاتا دیکھ کر کسی پر ہنسنے لگا۔ ابا نے جیب سے پچاس روپے نکالے اور انہیں ابکار کی منگی میں رکھنے ہوئے کہا۔ "سب کچھ آپ کے ہاتھ

بات بھی سن لے۔" ابانے لالہ سے کہا۔

"مجھے اس فوسر باز بکاؤ وکیل کی کوئی بات نہیں

سننی۔" لالہ جی نے بے قابو ہونے ہوئے کہا۔

"اس اب بھی تجھے سمجھا رہا ہوں کہ فوسر سے دفن

میں ہوش و حواس میں رہ کر انسانوں کی طرح بات کر۔"

وکیل نے پھر کر کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ میری برداشت کا بنانا

لبریز ہو جائے اور میں اپنی کرنی پڑا جاؤں۔"

"تو بگواس بند کر۔" لالہ نے منہ سے کف اڑاتے

ہوئے کہا۔ "تو ہی عدالت میں میرا کیس خراب کرنے کا

ذمہ وار ہے۔" ٹونے عدالت میں میرے کیس کی صحیح طریقہ

سے بیرونی نہیں کی۔ میں تیرے خلاف جو اپیل لائز

عدالت میں درخواست دائر کروا کر تیری وکالت کی رکنیت

کنسل کر دیا ہے اس پگھری کا فغیر بناؤں گا۔"

"نمبر میرے دفن سے دفع ہو جائے۔" وکیل نے اُسے

مھورتے ہوئے کہا۔ "اور جو تہہ داروں کرتا ہے کرو۔ میں

بہترین نمبر سے مقدمہ کی نہ قابل دروں گا اور نہ ہی اس کا

پڑ جائے۔ چاہے اس راہ میں براؤ کالٹ کا لائسنس ہی کیوں

نہ کنسل ہو جائے۔" ٹو مجھے اس پگھری کا فغیر کیا بناؤں

گا۔" ہنرؤ کھٹا میں تجھے سڑک چھاپ بناؤں گا۔"

لالہ کسی زخمی شہر کی طرح غصے میں لالہ پلا ہو کر مکمل

دھرم لیل پر دست اندازی کرنے لگا۔ ابانے اُسے لاکھ سمجھا

کہ یہ وکیل کا دفتر ہے اور وہ اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھے

لیکن لالہ اس وقت اتنا بھرا ہوا تھا کہ اسے سمجھانا ابانے کے

لئے انتہائی مشکل ہو رہا تھا۔ لڑائی کا شرین کر دھرم لیل کے

دفتر کے باہر نگر و کھاہ اور سالنوں کا ہجوم لگ گیا۔ لالہ کے

چنگل سے دھرم لیل کو بڑی مشکل سے بچا گیا۔

اباؤ لالہ کو گھر آئے ابھی ہشکندہ دیکھنے ہی ہوئے

ہوں گے کہ دونوں کے گھر پولیس کی بھاری نفری آ گئی۔

پولیس نے باہر لالہ کو نہرے طریقے سے مار پبت۔۔۔ جہ

گرفتا کر لیا۔

"اور اس وقت میں ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔" ابا

نے لالہ کو سمجھانے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا یہ کام کروں گا۔" کمار نے ٹوٹ

جیب سے دکھ کر کہا۔ "لیکن میں آپ کو یہ مشورہ دینا چاہتا

ہوں کہ آپ فی الحال یہ کام لازمی کریں کہ کل صبح اپنے

وکیل سے اپنا مدافعتی و بکارا اٹھا کر میرے پاس لے

آئیں۔ میں پھر آپ کو ہلاؤں گا کہ آپ نے آئندہ اس

کیس کو کس طرح آگے چلا جائے۔"

"ہاؤ اب کیا ہو گیا؟" لالہ جی نے گھبرا کر کہا۔ "اس کا

مطلب ہے کہ ہمارے وکیل ذلیل انسان شکر و امبانے مجھ

پر کامیاب شب خون مار رہا ہے اور دوسرے کجنت وکیل

نے مجھے بگھراؤ جہرے میں رکھا ہے۔" پارٹیکلر نوٹو ابھی

میرے ساتھ دھرم لیل وکیل کے پاس چلے وہاں ڈراما میں

اُس سے پوچھوں کہ یہ اِن نے میرے ساتھ اتنا بڑا ڈراما

کیوں کھیلا ہے؟"

اباؤ لالہ جب دھرم لیل وکیل کے پاس پہنچے تو لالہ

نے ان کو کہا کہ تیری مغلف عدالت میں مسلسل فغیر ما ضرعی

کی وجہ سے میرے حوالی کیس کا فیصلہ میرے خلاف

بگھرف ہو گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"لالہ جی! ہم نے میری جیب میں جتنا مال ڈالا تھا

میں نے تمہارا اتنا کام کروا۔" وکیل نے بڑے اطمینان

اور ڈھٹائی سے کہا۔

"یہ فوسر میرے ساتھ کیا اٹنی سیدھی باتیں کر رہا

ہے۔" لالہ نے غصے سے کانپتے ہوئے اس سے کہا۔ "یہ فوسر

نے میرا کام کیا ہے کہ مجھے جاہ و براؤ کر رہا ہے۔"

"آؤ ام سے بیٹھو لالہ جی! وکیل نے آکھیں

نکال کر بڑے ایشی لہجے میں کہا۔ "یہ میرا دفتر ہے کوئی

نہماری حوالی نہیں ہے جہاں تم مجھ پر میرے پان چاہیں کر

جوٹس جمار ہے ہو۔"

"آؤ ام سے بیٹھو لالہ! ڈراما وکیل صاحب کی پوری

آخری سلام

شرقی پاکستان کے میدان جنگ سے

نجم آباد احمد



1958ء اور 1971ء میں ماہی داغ پاکستان کے وقت

پہلے کے نام سے۔ پاکستان فوج کی خدمت میں وہی کامیاب تھا اور

اس کی فلموں میں اور پاکستانی بحران کا تجربہ کر دیتے ہوئے

انہوں نے اپنے حلقے کے نئے نئے لوگوں کے لیے نیا نیا

نیا ایک اور نئی اور وہی انسان کے لیے نیا نیا

میں سے نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا اور نیا نیا

میری اماں اور سسٹو تانی نے مجھے اور کلہ پ کو فائدہ
اور ابا۔ میں اور کلہ پ جب خانے پہنچے تو ہم نے دیکھا
کہ ابا اور لالہ کو متعلقہ خاندان نے زمین پر بٹھا ہوا ہے اور
دو دونوں کو مسلسل تکی کا لیا ہے۔

”میرے ماہی اور چچا کو زمین پر کیوں بٹھا ہوا ہے؟“
کلہ پ نے خاندان سے پوچھا۔

”تو اور کیا ان دونوں عادی زمینوں کو تختہ
خاکس پر بٹھاؤں؟“ خاندان نے چلانے ہوئے کہا۔

”یہ غیر قانونی ہے۔“ کلہ پ نے ولبرٹی سے کہا۔
”آپ لائن دونوں کو یہاں کس جرم میں لے کر آئے

ہیں؟“
”تو مجھے قانون پر حسابے گا دو بالشت کے

چھو کرے!“ خاندان نے طنز نگہوں سے دیکھنے ہوئے
کہا۔ ”تیرے باپ اور اس کے بارے میں اس شہر کے مشہور

کامل عزت وکیل و حرم میں کے دفتر میں کمرے صرف ان
کے ساتھ باغیچہ پانی کی ہے بلکہ ان کے دفتر میں اور جو وہی

ساکنوں کے تعلق رکھتا رہا اور وہی ہیں اور وہیں ایک
وہی ہیں۔ اس لیے ان دونوں کی بغیر زندگی میں کی جلیاں

اور عدالتوں اور قانون کے دیکھنے کے لیے گئے تھے۔“
”تاؤ جی اور ابا جی بے ضرر انسان ہیں۔“ میں نے

بھی ہمت کی اور خاندان کو کہا۔ ”بے بی صورت ہیں۔ آپ
انہیں چھوڑ دینا۔“

”چلو انے، تم دونوں ان خانے سے دفع ہو۔“
خاندان نے ناپسند کر کہا۔

اسی دوران وکیل و حرم میں اپنے چند وکیل صاحبوں
کے ساتھ خانے میں آیا۔ اس کے بائیں بازو پر پٹی بندھی

ہوئی تھی۔
”یہ ہیں ان دونوں جو معاشوں کے پتوڑے۔“

خاندان نے ایک سینئر وکیل کی توجہ دائیں طرف روانے
ہوئے کہا۔

”چلو اے دونوں اپنی باتوں کو کھڑک دو دوسرا بڑا
بہنیں۔“ اس بڑھے وکیل نے خیانت بھرے سچ میں
کہا۔ ”بہنوں کو اب تا عمر کارگی سہانہ بن۔“

اس بڑھے وکیل نے یہ دل جلا جمل کہا تو مال نے
اسے بھی کالہاں دینا شروع کر دیں۔

”دیکھو یہ پاگل ہو گیا ہے۔“ اس خبیث نے اپنے
ساتھیوں سے کہا پھر مال سے کہنے لگا۔ ”بھئی مال کر سے
میں گا لیاں دے جاؤ اور کچھ نہیں بگڑنے والا۔“

میں اور کھنڈے اس ٹھانے سے خواہ پریشان ہوئے
گھر آ گئے۔ منگل کے چند لوگوں نے ابھی مشورہ دیا کہ
ٹھانے میں بند دونوں کو چھڑا دینے کے لئے ٹھاندار کی کھچی
گرم کر دو۔ ٹھاندار کو اس زمانہ میں دو سو روپے رشیت
دینے کی بھی کوشش کی لیکن نہ جانے ان دکھانے والے
ٹھاندار پر کہا پاؤں والا جاؤ دیکھا تھا اس کے دونوں
قیمت پر بھی چھورنے سے انکار کر دیا تھا۔

دوسری پریشانی یہ ہو رہی تھی کہ ان دونوں کو کون
اور عدالت کے چنگل سے چھڑانے کے لئے کوئی دیکھ
دھرم لعل کے خلاف کیس نہیں لے رہا تھا۔ لگتا تھا سب نے
ایک کہا ہوا تھا۔ بہر حال میں دن تک اپنا ہونٹا کبھو تا نہ
کبھی ایک ٹھانے سے فطال ٹھانے، فطال کورٹ سے
دوسری عدالت یعنی کسی گیند کی طرح چھڑانے رہے۔ بڑی
مشکل سے میں روز بعد ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج سے ان کی
30 دن کی عبوری ضمانت کروائی گئی۔ اس زمانہ میں بااورد
لالہ کی عبوری ضمانت پر خاصہ روپے خرچ آئے۔

ٹھانے کچھریوں میں اتنے ڈسٹ انڈیکسٹولک اور دھکے
کھانے کے باوجود لالہ کا وکیل دھرم لعل کے خلاف مقدمہ کم
نہ ہوا۔ اب اسے سمجھانے رہے کہ لالہ اس معاملہ پر مہر شکر
کے سنی زال اور فی الحال اپنی حویلی کو پہلنے ڈسٹرکٹ کے
تھے تھے سے پچا۔ لالہ کی لانا نہ نے باکی باتوں کی کوئی
ہوا نہ کی اس نے اپنے طور پر دوسرے شہر کے ایک بڑھے

تھوٹ وکیل پنچال کو حویلی کے دونوں کیسوں اور دھرم
لعل کے خلاف جھوٹے کیس بنانے کے لئے ماضی کر لیا۔
پنچال نے بڑی مشکل سے عدالت سے حویلی کے
چلنے والے دونوں کیسوں کا ریکارڈ نگلوا لیا (اس کام میں خدی
طور پر اس عدالتی المکار نے بہت مدد کی جو حویلی کی بے وفائی
کا عدالتی ڈسٹ لے کر آیا تھا)۔ پنچال نے دن رات سخت
محنت کر کے دھرم لعل کے خلاف ہرجانہ اور اہل لالہ کی
کنٹھ مضامین سے بریت کے کی کیس داڑ کر دیئے۔

دھرم لعل نے عدالت میں ثابت کر دیا کہ اس نے
پہلے ڈسٹرکٹ کے مقدمہ میں لالہ کی بیوی میں بھر پور
بیٹیاں کھینچی تھیں (اس نے اپنی فریاد وکالت کے بل
پونے پر اپنے حق میں ثبوت فراہم کئے تھے) وہ عدالت
سے ہرجانہ کے کیس میں بڑی صفائی سے بری ہو گیا۔

دھرم لعل ہرجانہ کے کیس سے بری تو ہو گیا لیکن اب
اور مالہ کے خلاف اب بھی دھرم لعل کو مار پیٹ کر ڈھکی
ٹھرنے کے خلاف دو کیسز قائم تھے۔ ان دونوں کیسز کے
لئے سخت جج نے وہ گواہ پیش کرنے کا حکم دیا۔ پنچال نے
لالہ کو کہا کہ آپ لوگوں کی ان دونوں کیسز میں بریت میں
نرہائی جانب سے پیش کئے گئے گواہان کی بڑی مرکزی
انہیت ہو گی اور ان کی بنیاد پر تم دونوں بری بافیہ ہو سکتے
ہو۔ نیز یاد رہے کہ ان کیسوں کے لئے بلاے وولادار، پکے
اور ولبر گواہان چاہئیں جو عدالت میں تمہارے حق میں
گواہی دے سکیں۔

لالہ اور اب گورج بالا خصوصیات کے حامل دو گواہان
نو کیا ملے تھے یہاں تک ہوا کہ اردگرد اور فرعی رش
داروں نے وکیل دھرم لعل کے خلاف گواہی دینے سے
انکار کر دیا۔ مقررہ تاریخ قریب سے قریب آ رہی تھی۔
لالہ جی اور اب اس معاملہ میں انتہائی ذہنی کرب کا شکار تھے۔
ان کو کال کوٹھڑی اور تیل کی بڑے مشقت و ننگ نظر آ رہی تھی۔
(جاری ہے)

شیراز

شیراز کے تلخ و ٹھنرا حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔

جن صاحب

- 1) سب سے پہلے تو یہ کہنا چاہیے کہ شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔
- 2) شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔
- 3) شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔
- 4) شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔
- 5) شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔
- 6) شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔
- 7) شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔
- 8) شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔
- 9) شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔
- 10) شیراز کے حقائق جن سے انظار ممکن نہیں۔

- ⊖ بطوں میں اچھا کھانا مردی پکاتے ہیں اس لئے عورتوں نے اب خدوں میں بھی یہ ڈیوٹی مردوں کی ٹکا شروع کر دی ہے۔
- ⊖ دھرم محبوب کا ہونے یا ستراں کا، وہ چورا کر سنے کے لئے نہیں کیا جا سکتا۔
- ⊖ معاشرے سے شرافت اور دیا جسکی چیزوں کی تو سب کی تہ نہیں بھری ہو سکتی۔
- ⊖ تار سے تو گوٹا بنے جانے بالکل کی طرح مہنگائی کا مٹاؤ ہونے کی لئے کرنا سیکھ لیا ہے۔
- ⊖ کراہی کی تھان میں کھانے اور پھر تھید کرنے والے کو سیا ستراں کہتے ہیں۔
- ⊖ نوانیت والے سے بچنے میں سیا ستراں اپنے نفاذ کے لئے کسی بھی پارٹی کی طرح کوشش کرتے ہیں۔
- ⊖ آج کل سیاست اور خیانت میں کوئی زیادہ فرق نہیں رہا۔
- ⊖ حکومت اور اپوزیشن کا چار غلطی مہاجتی کارواں آوازوں کر رکھا گیا۔
- ⊖ کرتی پر بیٹھ اور اس پر کھڑے افراد کو وہاں سے ہٹانے کے لئے کوئی جھوٹا موٹا دھماکہ کرنا پڑتا ہے۔
- ⊖ کرتی بظاہر بے جان ہوتی ہے لیکن اس میں اتنی جان ہوتی ہے کہ بہت سوں کی جان لے سکتی ہے۔
- ⊖ کرتی فرور پیدا کرتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان کا شہ نہ مین سے کٹ جاتا ہے۔
- ⊖ کرتی پر اختیارات کی اتنی گوند لگی ہوتی ہے کہ انسان چپک جاتا ہے پھر اسے کاٹ کر کھانا پڑتا ہے۔
- ⊖ کرتی پر بیٹھنے والے کو کوئی پسند نہیں کرتا پھر بھی ہر کوئی اس پر بیٹھنا چاہتا ہے۔
- ⊖ سیا ستراؤں کے کرتاؤں کی وجہ سے تمام سب کو اپنی جگہ بنا کر رکھتے ہیں۔
- ⊖ اب تو وہ بڑی بد نشیب بھی جاتی ہے جس کا کوئی نرکا نہیں بہ فریضہ نہ ہو۔
- ⊖ خود کو عقل مند کہنے والے اکثر عقل بند ہوتے ہیں۔
- ⊖ شادی کے ہیں بچھیں سال بعد شام دست اور یہ وہاں ہونے سے بے حال ہوتی ہیں۔
- ⊖ سچ کل نہیں اتنا عام اور اہم ہے کہ کشتوں کے سارے مسائل حل ہو گئے ہیں۔
- ⊖ نفس کی یہ دستکاری کے بعد شام برائے ان ہیں کہ اب کسی پر ہور کیا نہیں۔
- ⊖ غیر ملکی زندگی میں سہولیات تو اس سچی ہیں مگر سبوں کو اپنی زندگی میں ہی ہے۔
- ⊖ اپنی آنکھوں سے انہیں جھٹل دیکھنے والے اس منہ سے نہیں کی بات کرتے ہیں۔
- ⊖ یہ بڑی جراثیم کا ہے کہ اب عورتوں کا ہی نہیں مردوں کا میک اپ بھی بازار میں آ گیا ہے۔
- ⊖ عورت اور خوش اور متغیر چیز تیا ہیں۔
- ⊖ اب تو مرد بھی میک اپ کے بغیر گھومتے نہیں دیکھتے۔
- ⊖ بازار میں پھرتے گزرتے مرد و عورتوں سے مشینیں نیا ہوتی ہیں۔
- ⊖ آدمی کا حیرت بردار طبع ایک ہی ہے انورنی شادی۔
- ⊖ شادی کے لئے عام طور پر بڑی ہی جھل اور لڑکے کی جیب دیکھی جاتی ہے۔
- ⊖ جو چیز لکچر شادی کرتے ہیں وہی نہیں جگہ دراصل میں گھولتے ہیں۔
- ⊖ 90 فیصد لڑکیوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا ہاتھ کسی

- سرور کو نکلے گا اور جس کا کیا ہوگا۔
- ⊙ کیا جاتا تھا کہ عورت کی عقل چھپائے رکھی جاتی تھی ہے، اب اکثر فینڈا ہی غائب ہوتی ہے تو عقل کہاں رہی۔
- ⊙ میک اپ کو مطلب ہوتا ہے کسی پوری کرنا، اسی لئے عورتیں زیادہ میک اپ کرتی ہیں۔
- ⊙ عورت پیہا کی اداکارہ ہوتی ہے، وہ اداکارہ تھی تو نہیں سکتی تھی۔
- ⊙ حکومت صرف محبت نہیں لگا دے تو کوئی اور ٹیکس لگانے کی ضرورت نہ رہے۔
- ⊙ پردہ ترقی کی راہ میں نہیں بلکہ دیوار کی راہ میں رکاوٹ ہے۔
- ⊙ اگر مرد عید نہیں کرنا ہوا تو عورتوں کو آنے والے کھانا منگوا کر دیا جائے۔
- ⊙ کاش! لڑکیاں اپنی اپنی جگہ نہ ہوتیں جتنی نکلنے کی کوشش کرتی ہیں۔
- ⊙ آئیڈیل کی تلاش اور انہماک محبت کا مفہوم دیکھ کر وہ نہیں ہرگز کی زندگی سیکھ۔
- ⊙ تاریخ نگار ہے کہ ہمیشہ عورت نے جوش دگا کر مرد کا پیٹھ کھریا۔
- ⊙ عورت کی تلاش چھپنے سے اسی لئے پردہ دار عورتیں برکتے تھیں کہ مرد راست مان کر رہتی ہیں۔
- ⊙ حیا دار اور پردہ دار عورتیں نہیں جب پر سارے پردے اتار دیتی ہیں۔
- ⊙ عورتیں اندر میں چھپنے اس لئے بھی دیکھتی ہیں کہ کس نے زیورات، الجوساٹ اور فیشن کے انداز دیکھ سکیں۔
- ⊙ ایسے کتاب کا کیا نامہ جس میں بھاری آنکھیں اور نمایاں ہو جائیں۔
- ⊙ حکومت قومی دفاع پر دولت خرچ کرتی ہے اور عورت مسن و جوانی نہ دیا ہے۔
- ⊙ بیرونی تلاش کرنے والی لڑکیوں یہ جھوس جاتی ہیں کہ بیرونی خود کو بیرونی کی تلاش میں ہوتے ہیں۔
- ⊙ بے ڈانف ترین عورت بھی معمولی ترین مرد کو چھوڑ دینے کی فطری صلاحیت رکھتی ہے۔
- ⊙ عورت نے تو صرف فیشن کرنا ہوتا ہے اچھا لگنے یا لڑا پردہ ہو یا بے پردہ اس کی بات۔
- ⊙ ایک آدمی کے غیبت میں مرد زانیہ دوسرے کو بھڑکنے کا کامیوں پر دہا سہا اور راک ایڈ رول ایجاد دے۔
- ⊙ آج کل عورتیں ایسی شہواریں جھنک رہی ہیں جن کے پانچے نہیں ست بھن زیادہ کھلتے ہوتے ہیں۔
- ⊙ عورت جتنی بھی خود بخود ہو جائے حضرت کے لئے مرد کی جتنی ہے، خواہ اس کے خالص اداروں کا حال دیکھیں۔
- ⊙ بے ڈھنگے اور بے سہارے ٹھوکرائی نہیں کے آئیڈیل ہیں اس سے نئی نسل کی سوچ کا اندازہ کریں۔
- ⊙ آج کل کی لڑکیاں اب شادی کے موقع پر دہا بھی کرنا چاہتے ہیں۔
- ⊙ شہواریں کے نام پر بھی عورتوں کی قربانی میں اسی کو بوجھا جاتا ہے!
- ⊙ کچھ لوگ شہواریں دیکھتے ہیں اور کچھ عورتیں دیکھ کر کچھ خوب توڑنے کے کامیاب ہوتے ہیں۔
- ⊙ شاپنگ کے دوران جوں جوں رقم خرچ ہوتی ہے مرد کا پیٹ بڑھتا جاتا ہے اور عورت کا کم ہوتا ہے۔
- ⊙ اگر مرد کو کچھ نہ دوست تو بے کار لڑکے ہوتے ہیں صرف کرتے۔
- ⊙ سانی کو آج بھی گھامنی تھپنے والوں کی قیمت کو دیکھ کر کیا رہتا ہے۔
- ⊙ ایک ہی سدا ان ایک سوڑنے کے لئے لڑکیاں اور مرد

1. سب کی بیوی دہائی میں تھوڑی سی شاپنگ کرتی تھی۔
 2. عورت کو بچے سے مراد ولولہ، انکی شیبہ کے پڑنے پر یہ
 رادب میں اور انکی بیوی نے ہولناکے رادب میں۔
 3. نہیں بہن 90 فیصد لڑکیاں بڑے ہوتے ہیں اور
 ہائی 10 فیصد بڑی ہوتی ہیں۔
 4. اور سب یہ زمانہ آگیا ہے کہ دادا سونے سے قبل
 پتوں سے انٹرنیٹ کی دستاویزیں لیتے ہیں۔
 5. تعزیت ہسپتال کی زود سے آج تک کسی کی موت
 برداشت نہیں ہوئی۔
 6. تمہیں چھوٹی بیٹی بھری جتنی ہیں شہر کی تھیں۔
 سپان کی بیٹی اور بیوی کے کان۔
 7. اور یہ آج کل کے بچے کی کھانسی اور دھڑکنے سے
 پڑنے سے مراد تو عجب کے علاجوں کا حوالہ دیتے
 ہیں۔
 8. اب تک میں سو فیصد ایئر ٹھنڈی نہیں ہوا اور پورے
 کے گرم کرنے کی رفتار مطہر کر سکتا۔
 9. تیرا دل سب کا آپشن سب کا ہو گیا اور بڑکے ہوتے
 اسے غصہ اور پشیمانی ہونے کو سہلے کیا ہے۔
 10. صبح صبح یوزر نہیں ملنے والوں کا مداروں روٹی ہو
 رہا ہے۔
 11. ایک دوسرے کو دل دینے کا وعدہ کرنے والے بعد
 میں خون کی پتلی دینے سے بھی انکار کر دیتے
 ہیں۔
 12. گھر گھر بجلی نہیں اٹھا اب کے بعد قیمت سننے ہی
 بجلی دلوں پر ٹرس گئی اور تمہیں دماغ کو چھڑ جانے
 لگی۔
 13. تمہیں بیڑوں سے ہوشیار رہو وٹسی سانیپ اور
 بیوی۔
 14. تمہیں عارضی ہوجا ہے خصوصاً اگر یہ بیوی پارٹی
 پر دانت ہو۔
1. مرد نے من کے پر خاتون میں دست ایک ہی سے
 میں موجود کل بڑکیوں کی تعداد دیکھی اور انکی
 ہے۔
 2. گھر میں ہاتھوں پر اور وہی لہجہ پر لہجہ میں۔
 گھر چلتا ہی جائے۔
 3. از لہجہ آج ہائیٹ اس کی کوئی حد بھی ہوئی تھی۔
 4. میں نے پانچ ٹاک ٹاک ٹاک کے ساتھ گورنمنٹ کی
 تلاش میں شکایت کا سامنا۔
 5. پر خوشی کے پیچھے میں نہ نہیں ہی عورت کا من
 پتھر دوکھو۔
 6. اور آپ گھر کی بہت متوازن رہنا چاہتے ہیں تو
 تیل کو دین اور ڈال کر دے۔
 7. ایک گھر میں آٹس انٹیر اور دوسرے میں آٹس
 نہیں دے دے اور اٹھائی چاڑھو۔
 8. لڑکے صبح کھو کر کھڑی دیکھتے ہیں اور لڑکیاں
 آتھیں۔
 9. اور آپ تمہاری بات میں بروقت کچھنا پاتے ہیں تو
 بیوی کو تامل بہت سے تمہیں کھٹے کھٹا کر دیں۔
 10. لڑکیاں شادی کے غریب میں محبت کرتی ہیں اور
 لڑکے محبت کے غریب میں شادی۔
 11. لڑکے لیا کرتے ہیں جب تک سٹوری لڑکیوں کی
 آنکھوں میں صاف کھو اور "گفتے پلٹے"۔
 12. یہ میڈیکل کی اہلیت ہے کہ ان میں سے بھی لڑکا
 جوان دکھائی دیتی ہے۔
 13. پہلے گھر میں اپنے پاس کتاب رکھنی تھیں نہ جانے
 کب اور زمین پر جائے اب میڈیکل پاس رکھنی
 ہیں نہ جائے کب۔
 14. اور ان بوائوں کی افان کے لئے بھی پتہ ہونا
 چاہئے جن سے کھٹے ہوں اور لڑکیاں نہیں
 کھال کر لیتی ہیں۔

- ⊗ کھڑے بادشاہ کو دیکھ کر میں نے گواہت سامجھو سامجھو نہیں بھی رسول کرتے ہیں۔
- ⊗ سوچا جنت ہے میں نے فزونی پہنچی حیرانگی سمجھتی ہے میں نے لڑکے پھینکا، بچہ، چار گتہ دووں دھیلیاں ہے۔
- ⊗ اگر کوئی کہو کہ میں آواز میں ہر سانس پھینکتی نہ ہوں تو کوئی کہیں نہ کہے۔
- ⊗ چوری اور ذہنی موبائی اور بے روزگاری کی ناجائز دلدوریا ہیں۔
- ⊗ دیوانی شہزادی کو کتنی سے نصیحتیں عورت لیا کس سے پارتی ہیں آستی۔
- ⊗ سینہ پائی کہ ہاں ہے اب تو میں نہ ہوں تو قسم کی جگہ شادریں پیدائیں۔
- ⊗ اب تو حکومتوں کے فیضان کا شہرہ ہوئے ہیں۔
- ⊗ مردوں کو مردوں اور عورتوں کو عورتوں اور لڑکیوں کی اور لڑکیوں کی یہ ہیں جہان کے گھر میں ہوتی ہیں۔
- ⊗ عورت جب بے پردہ ہو تو مرد چاہتی ہے تو اس کا دل نہیں اور آزادی چاہتے ہیں من گھڑے وہ بھی نہیں بنتی ہے۔
- ⊗ اور ایسے بھی مرد اور عورتوں میں جو زمین اور آبی کی دلائی کرنے میں بھی کوئی ماہر محسوس نہیں کرتیں۔
- ⊗ عورتوں کی صورت تیری کوئی نہ فریب کس سستی۔
- ⊗ کھوڑوں میں جب سے تیری فریب یہ ہوتی ہے کہ وہ جو وقت شادی شدہ ہونے کو بے قرار رہتے ہیں۔
- ⊗ اگر آوازوں کی کوئی مقابلیہ ہو تو اول دفعہ ہم برصغیر والوں کو ہی ملے گا۔
- ⊗ نواز فریادیں یعنی جھڑپہٹنے سے بہتر ہے کہ دھمکتی ہانڈیوں۔
- ⊗ یورپ میں جھڑپہٹ کر کہا گیا جاتا ہے، یہاں بیٹوں
- ⊗ تیار کرنے کے ٹھنوں سے اٹھایا جاتا ہے اور پھینکا ہوا ہے۔
- ⊗ آج کا محقق ہندو کی طرح ہے وہ فرار کوں نہیں ہی کھیل رہا ہے۔
- ⊗ کتنے اہل حق ہیں وہ اللہ ہی کے لہو کو قائل لپیٹتے ہیں اور اللہ سے شرافت کی توقع رکھتے ہیں۔
- ⊗ یونیورسٹیوں کو کھڑا نہیں۔
- ⊗ شوم رنگ میں بچہ نہ اٹھو۔
- ⊗ بکر ہونگے ادا کی عورت کی صفت سے تو ہمارے ملک میں اب تو عورتوں کی شدت یہ قلمت ہے۔
- ⊗ گنہگار بیچاریاں شوہر کے دوستوں کے لئے کوئی پانکے بنا رہتی ہیں کہ آگندہ ہو آنے کی جرأت کرتے ہیں نہ شوہر ڈانڈتی۔
- ⊗ شادی کے جہ میوں کی مست کلی طور پر ماری جانے تو مسراہ کی کھڑ ہیں وہ شادی کا مہیاب ہوتی ہے۔
- ⊗ پیدی اپنی فریب کس اور شوہر کے وعدے بیٹھ یا رہتی ہے۔
- ⊗ عورت بچا یا زیادہ عورتوں کے بیٹے کو شکر ہوتی ہے کہ وہ بھی زیادہ کھیلنے لپکتی ہے۔
- ⊗ شادی کی زمینی حد میں ہی لیا کی مانند ہے جس کو یونیورسٹی کے لہو کو کھڑ کر رہتی ہے۔
- ⊗ گھر لانا لائی کسی ملازمت سے جس میں مال میں کیا کتنی چھٹیوں۔
- ⊗ تمام ملک میں میڈیا نے مہیاب سے بھی زیادہ فحش بچایا ہے۔
- ⊗ عورتوں کے جس میں ہوتو وہ وہی بھی مردوں سے جنوائیں۔
- ⊗ میں نے کھڑ ویا کا آغا مہر بھی چاہا پھینکتے سے یہاں آج میں کیوں کا گنگ ہوں، ایک سنسٹ کا۔
- ⊗ اکثر عورتوں کے درمیان لڑائی کا سبب کوئی مرد ہوا

- ⊗ مردوں کے درمیان لڑائی کا باعث کوئی عورت ہوتی ہے۔
- ⊗ بڑوں سے ساتھ رہنے والے بھائی شادیاں ہوتے ہی ٹر ٹر کر ٹانگہ ہوجاتے ہیں۔
- ⊗ اب تو شوہر صرف فموں اور گھانٹوں میں ہی مجازی خدار ٹھہرتے۔
- ⊗ عورت کو گھونہ لگاشت بھگنے والے اکثر غیر شادی شدہ ہوتے ہیں۔
- ⊗ گھونکے کے نیچے بانہ چڑھ کر شوہر کی تھوڑی گھنٹوں خرابیوں میں ازراہ کے بعد آخری مہینوں میں بیویوں کا تکیہ کیا۔
- ⊗ شادی کے بعد بیوی کی جھلس سی تھکنوں کی کمرنگ میں کافی کمی آجاتی ہے۔
- ⊗ عورت کی غیر موجودگی میں گھر آسٹبل اور گھونکوں میں سیدھن ہلکے ہوتے ہیں۔
- ⊗ اس کی بڑی بڑی کے ساتھ بھانگنی، اس سکلر پڑی کو اس کے گن ہوں کی سڑ مل گئی۔
- ⊗ اپنے آپ کو سناہارا تو ٹھیک ہے مگر اشتہار بنانا درست نہیں۔
- ⊗ پردے کا مقصد ہے عبادت کو چھپانا لیکن اگر پردہ ہی عبادت والا ہوتا۔
- ⊗ جب ایسی شوہ کے گھر پہلا قدم رکھتی ہے تو سکون اور اہلیت کھڑی سے کود جاتے ہیں۔
- ⊗ آج کل جرائم کی سہولتیں پورے مضمحل ہے چھینے زمانے میں لوگ خود ہی وی این لکھ لیا کرتے ہیں۔
- ⊗ مرد اپنا راز عورت کو سنا دیتا ہے خصوصاً جب وہ اس کی بیوی ہو لیکن بیوی یہ سب کچھ نہیں سمجھتی۔
- ⊗ اس سے حیاتی کوئی انٹس سے ضرب دے سولی ہائے تو تعمیر حاصل ہوتا ہے۔
- ⊗ جو ادا شنوں کو سہولتی نمائے میں رہتا ہے وہ کسی

- ⊗ کھانے میں ٹیکس ہوتا۔
- ⊗ مجھے اس سے اچھا کھن پانا دو تم نے اپنے ماں کو پناہ دیا تھا (ایک بیاری میں نے دیکھا)۔
- ⊗ ظلم تو سوشل سے ہے، وہاں ظالم کی بددلت سے بددلت زین مریدوں کو بھی عداوتیں چاہئے وہ دفعہ و دفعہ کھڑے ہوتے ہیں۔
- ⊗ عورت کا دماغ مردوں سے چھوڑ دینے پر یہ حال ہے اگر مردوں کے برابر یا زیادہ ہوتا تو پھر مردوں کا کیا مشر ہوتا۔
- ⊗ ایسے مردانہ ہمیشہ پراکت سے زیادہ رکشش ہوتی ہے مجھ پر وہ بیوی کی مثال ہی لے لیں۔
- ⊗ اگرتانی دونوں باتوں سے نہ بھتی تو ہم لڑائیوں کے حوالہ سے بھگنے کی خبریں نہ سنتے۔
- ⊗ چاہتی عورتیں پائنتی کیے امانتی ہیں اور پائنتی عورتیں بیانی۔ داری عورتوں!
- ⊗ بیوی کو خوش کرنے کے لئے میں نے ٹھہر چکا وہاں پہلی، ہمیشہ بچا عزت پہلی ہمیشہ بچر بھی خوش نہیں۔
- ⊗ جتنے پڑھ میں نے تعلیم کو خوش کرنے کے لئے بیٹے اس کا فخر نہیں بھی کہ خوش کرنے کے لئے کہہ تو جتنی ہوتی۔
- ⊗ اللہ نے عورت کو راحت سے لئے بنایا لیکن مرد کی پریشانی ہی وجہ وہی ہے۔
- ⊗ فی زمانہ ہر ٹرکی کی فونڈیشن میں وہ دار تریٹ ٹیٹ جتنے کی ہے۔
- ⊗ ایک شادی پر ہونے والی فضولی خرابیوں سے اس لڑکیوں کی ذہنی اٹھ سکتی ہے۔
- ⊗ ہانگ کی ٹھنکا مرد کو 11 سکوں کی بدکار عورت کو پائش کر دیتی ہے۔



کافہ کا سسرال میں داخلہ ہوا تھا اور وہ جگے میں رہتی تھی۔
کبھی کبھی اسے لگتا کہ وہ بھوی نہیں دکھیل ہے۔

رکھیل بیوی



..... 0300-9667909 دیکھ کر شہزاد

دنہ کے اسپیکر ٹاپر کا خبر سے آگاہ کرنا کہ پورے شہر کی جان
بندی کرادی اور جگہ جگہ میر بیڑ کا کرکاڑوں کی چینگلی
جانے لگی۔ پولیس کی یہ ساری اعلیٰ بیڈ ایئر ٹیب: حریف ٹی
بھری وہ نہیں جب علی حسن کو فون پر حریف پولیس نے بتایا
کہ بھٹاں والا اپنٹ اور فوٹا بک بک بھوک نئے، وہ ماہان کسی
نے عامر پر بہانی نو کوئی مار دی ہے۔

عامر پر بھارتی شہر کا جانا بیچانا نامہ تھا۔ اس لئے علی
حسن نے اپنی جیب فوراً جھلاں والا چوک اور فوٹا بک

2013ء کو انڈر ورلڈ ذرائع سے پولیس کو
8 جولائی خبر ملی کہ مشہور ارشد چوہدری گروہ کا کوئی
شوٹر کچھ لوگوں کو سامنے لے کر جاتی پورہ گیا ہے۔ لاہور
پولیس نے یہ اطلاع جاتی پورہ کے پولیس کپتان عقیل
مغفل کو دے دی۔ عقیل مغفل نے شوٹروں کا پتہ لگا کر ان
کے خلاف ایکشن لینے کی ذمہ داری پولیس کے نائب
کپتان علی حسن کو سونپ دی اور خود بھی پولیس ٹیم پر ننگا
رہے۔ علی حسن نے صدر شہر اور صنعتی علاقے مانے

پونک کی طرف مڑی۔

اور کس رنگ کی تھی۔" اور حمزہ نے بتایا۔

"اور دونوں نوجوانوں کے چہرے میرے کیسے تھے؟"

ابھی علی حسن اور حمزہ میرے جو چوچھو کر رہی رہا تھا کہ نجی صدر اسپتال سے خبر آئی کہ ابتدائی معائنے میں شی ڈاکٹر نے عامر چوہدری کو مرنے والا قرار دے دیا۔ مفنول عامر چوہدری کا مکان ڈاک بنگلہ روڈ پر اپنی ٹھکانہ حادثہ کی خبر وہاں پہنچی تو ان کے گھر والے دوڑنے پھرتے ہوئے آ گئے۔ مفنول کا باپ سالین دوزر و جد چوہدری اس قدر غصے میں تھا کہ منہ سے جھانگ نکلتے رہے تھے۔ وہ پلا چلا کر حاجی پور کے کبر صوابائی اسمبلی عائن حسین رائے کو ظلم ٹھہرا رہے تھے۔ وہ جد چوہدری نے جو کچھ پوچھنا تھا ان کا خلاصہ یہی ہے۔

اسی کی اے عائن حسین رائے کران پورہ گاؤں کے اصل باشندے ہیں۔ وہیں ان کے گھر کے ماتھے بکٹوم اختر کی زمین تھی بکٹوم اختر گھاب پو، دو گاؤں کی رہنے والی ہے۔ ان کے شوہر خانہ مرنہ زبان چوہدری ہے۔ چونکہ عامر چوہدری پر اپنی ڈبلگ کا کام کرتے تھا اس لیے اس نے بکٹوم اختر سے ان کی نفری یاد آ کر مرنہ زبان چوہدری تھی۔ ان کا بیٹا نام 8 نومبر 2011ء کو دوا تھا۔ وہ جد چوہدری نے ان کا گھبراہٹ میں عائن حسین رائے کی نظر اس زمین پر پڑی۔ جب بکٹوم اختر نے عامر چوہدری سے زمین کا سودا کر لیا تو عائن حسین رائے زمین پر قبضہ کی کوششوں میں جت لگے۔ ان کو سسٹم میں انہوں نے مذکورہ زمین پر ناجائز طور سے رجسٹریشن جالی گی اور فرصت کے اوقات میں وہاں انہیں بیٹھنا شروع کر دیا۔ وہ عامر چوہدری کو بھی ڈال رہے تھے کہ جتنا پیر بکٹوم اختر کو رہا ہے اتنا پیر ان سے لے کر زمین کے سودے سے بہت جائے۔ عامر زمین چھوڑنے پر راضی نہیں تھا۔ سو عائن حسین رائے اس سے رجسٹریشن رکھنے لگے تھے۔ ان کے نتیجے میں

24 سالہ عامر چوہدری پر اپنی ڈبلگ ہونے کے ساتھ پاکستان پارٹی کا صوبائی سیکرٹری تھا۔ عامر چوہدری کے باپ اسیہ چوہدری حاجی پور ایسٹ سے ایم بی اے سے رو پڑھے تھے۔ ان کی ٹھکانوں کے اوزر بھی رہ چکے تھے۔ سیاست کا پتلا مہرا ہونے کے باوجود حاجی پور ایسٹ و جد چوہدری کا خاصا اثر تھا۔

علی حسن موغی وارڈن پور پینچانوہ ہاں علاقائی ٹھکانہ شہر کے ٹھکانے پینچانوہ ہاں قبائلی ضروری فورس کے ساتھ پہلے سے 10 جوتے تھا علی حسن نے دیکھا کہ نرنے پیا اور ٹھکانے کی ہڈیاں بنگلہ گڑھی پر تھی کور ہاں ہی ایک بدحواس نوجوان ٹھکانہ۔ باینگ کے پاس ہی لہو لہاں عامر چوہدری پڑا ہوا تھا۔ اس کے سر میں گولی تھی اپنی علی حسن نے اسے پولیس چیمپ سے صدر اسپتال بکٹوم پلائی آپ کے بعد بدحواس گڑھی نوجوان سے پوچھ چوچھ کی۔ مہسوم ہوا ان کا نام امرنہ ہے۔ وہ عامر چوہدری کا سالا تھا۔ اس نے بتایا کہ عائن حسین کی بیوی نے کھیل نہیں لگی سو انہوں نے نیچا لگی کوفون کر کے دوڑا ہے کو کپ تھا۔ دوڑا ہے کہ ہمارے گھر آئے تھے۔ دو پھول تھے سو میں عامر بھائی چھوڑنے ان کے گھر جا رہا تھا۔ باینگ نہیں چنار ہا تھا۔ عامر بھائی چیمپ پیٹھے تھے۔ ہمیں پر چیمپ سے ایک باینگ ہر سوار دو نوجوان آئے اور لٹ مار کر انہیں گرا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اسٹریٹ لالہ اور عامر بھائی پر دو گولیاں چلائیں۔ ایک فائرنگ ہو گیا جبکہ دوسرا ان کے سر میں لگا۔ اس کے بعد ہی عامر بھائی بے حرکت ہو گئے اور حملہ آور فرار ہو گئے۔

"م نے باینگ کا نمبر نوٹ کیا؟" علی حسن نے ان سے پوچھا۔

"سر! میں اس قدر بدحواس ہو گیا تھا کہ نمبر نوٹ کرنا تو دور نہیں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ باینگ کس نمبر کی

عامر چوہدری کا قتل ہوا ہے۔

9 جون کو ہی آدھی رات کو پولیس نے لاہور میں واقع شاہدرہ سے راجو کو گرفتار کر لیا۔ راجو وقتاً فوقتاً صدر لاکٹر اعلیٰ سطحی پوچھ گچھ کی گئی تو واردات کے پچیسے زمین کا تنازعہ نہیں بلکہ ایک خوبصورت بیوی کوئی سازش تھی۔

انسان کی شہرت اس کی پرچھاٹک ہے۔ جب آکے ہوتی ہے تو بہت بڑی نظر آتی ہے اور جب پیچھے ہوتی ہے تو سکر جاتی ہے۔
(ڈاکٹر شہزاد)

دعید چوہدری کے کنبے میں زوی کے ملاوٹیا اور اولاد میں تمیں وسات بیٹے اور چار بیٹیاں۔ بیٹیوں کے بیاہ ہو گئے تھے جبکہ چھ بیٹے بال بچوں والے ہو کر روزگار سے فلک گئے تھے۔ ساتواں سب سے بچھو بیٹا عامر چوہدری تھا۔ عامر تو بچپن سے ہی اداکاری کا شوق تھا۔ سکول و کالج میں ڈراموں میں حصہ لینے کے علاوہ وہ باہر کے تھیٹروں پر بھی پندرہ گم کرنے میں سرگرم تھا۔ اس کا شمار ایتھے اداکاروں میں ہوتا تھا۔

ایسے ہی ایک ڈرامے کی ریہرسل کے دوران عامر کی ملاقات کلاہ سے ہوئی۔ کلاہ آفیسر کالونی کے باشندے نہ رہا تھا کی بجائی تھی جو چشمہ قمری پاور میں ملازم تھے اور لن کی آمدنی سے ہی کنبہ کا گزارا چلاتا تھا۔ کلاہ کی ایک بیوی کی بہن اور چھوٹی بہن سدرہ تھی۔ اس کا ایک بھائی بھی تھا اور اندر۔ آکے میں سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا کہ کنبہ سے گزرا اندر کی موت ہو گئی۔ آکے نے وال ایک تھا اور آکے والے باچی۔ آکے نے والا نہ رہا تو کنبے کے بھران نے اپنی اپنی ذمہ داری سنبھال لی جس کا جو شوق تھا اسے ہی پیسہ کمانے کا ذریعہ بنالیا۔

کلاہ کو شروع سے سچ پر اداکاری کا شوق تھا۔ اس کی اداکاری اور ڈائیلاگ ڈیلوری سبھی کو اچھی لگتی تھی۔ دیکھنے میں بھی وہ بے حد خوبصورت تھی۔ کنبہ کے کمانے والا کوئی نہیں رہا تو کلاہ اپنے فن سے پیسہ کمانے لگی۔

تم اس کی زندگی پر دم نہیں کھا سکے تو اس کی موت پر نیا افسوس کرو گے؟

دعید چوہدری نے جو الزام عائد کئے اس کی بنیاد پر ابتدائی رپورٹ بھی درج کرادی۔ مقدمہ قتل کے تحت وقتاً فوقتاً صدر میں درج کیا گیا۔ اس کیس کی تفتیش طاہر اقبال نے خود اپنے ہاتھ میں رکھی۔

9 جون کو صبح ہوتے ہی عاشق حسین رائے کو ملزم بنانے کے نتیجے میں عوام نے شہر بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ ڈاکٹوں کے شرگرم گئے۔ مشعل بیگم سڑکوں پر نکل آئی۔ پولیس و انتظامیہ کے خلاف غرے بڑی ہونے لگی۔ پولیس نے عوام کی آواز رہانے کی کوشش کی تو دیگر مقامات پر بیگم مشعل کو توڑ پھوڑا شہر بڑی برآمد ہو گیا۔ اعلیٰ پولیس افسران نے مشعل بیگم کے سامنے چوبیس گھنٹوں میں حقیقی ملزموں کی گرفتاری کا وعدہ کیا۔ تب تکیں جا کر بیگم نہ سکون ہوا۔

تہہ تک پہنچنے کے لئے پولیس نے اپنی پوری صلاحیت بھجوا دی۔ ورائزنگ کئے اور سرولائٹ کی مدد لی۔ پتہ کیا جانے لگا کہ حادثہ کے وقت کنبہ کیس نمبر کے سوبائل فون ڈاک بنگلہ چوک تار ملاتے میں سرگرم تھے۔ اس سمت سرولائٹ میل کو کامیابی بھی ملی۔ پتہ چلا کہ ارجنڈیر اور عامر چوہدری کے ساتھ وہ دیگر سوبائل نمبر مدینہ کالونی سے ڈاک بنگلہ چوک تار تک ان کے ہمراہ چل رہے تھے۔ اندازہ لگاتا آسان تھا کہ عامر اور اہم بائیک پر جا رہے تھے اور وہ سوبائل نمبر جن کے پاس تھے وہ بائیک سے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ پھلاں والا چوک اور ڈاک بنگلہ چوک کے درمیان آئینیں مناسب موقع ملا اور انہوں نے عامر کا قتل کر دیا۔ پولیس نے ان سوبائل نمبروں کے مالکوں کا پتہ لگا یا اور ان کی لوکیشن تلاش کرانی تو ملزموں تک پہنچنے کی جگہ اوس لگی۔

گھر کے افرجات کے ساتھ اور اپنی بڑھالی کا خرچ بھی نکالنی تھی۔ وہ بی اسے کی طالبی تھی۔

عمر بعد گھر والوں سے عامر کا بھونچا ہوا منہ دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

اسی دوران کاغذ کے پاؤں بھاری ہو گئے۔ عامر کوئی بڑا کام کرنا چاہتا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے طے کیا کہ جو کام اسے آتا ہے اسی میں کامیاب ہونے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اس لئے وہ اداکاری کے میدان میں قسمت آزمائی کرنا چاہا۔ لیکن وہاں اسے چند ہی کیفیت کا علم ہو گیا کہ اپنی شہرت بنانے کے لئے اتنے سونے کا بھی ٹواں نہیں برسوں تک جانیے گئے جیسے زرہ راہ میں منہ کھولے سانسے کھڑی تھیں اور انہیں پروردگار نے لئے عامر کو چاہئے تھا۔ ان دنوں ان سے لہجہ میں تفسیر برکاتی کا کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد رہنے کا مناسب انتظام کر کے کاغذ کو بھی کراچی بلا لیا۔

مضمون جس قدر پرہیزگار ہوگا بقیتیں اتنا ہی ضعیف ہوگا۔
(دیکھئے شہزاد)

انہی دنوں ایک تنظیم نے "خوبصورت بچا" نامی ڈرامہ پیش کرنے کا پروگرام بنایا تو بھرا کے طور پر عامر اور بہرہ رسانی کے کردار کے لئے کاغذ کا انتخاب کیا۔ دونوں کا ہی دل چاند تھا۔ اس لئے دونوں راضی ہو گئے۔ اس ڈرامے کے ذریعے ہی عامر اور کاغذ نے اپنے اپنے ساتھی ملاقات ہوئی اور دونوں شہید و شہداء کے قریب آ گئے۔ چھ عرصہ وہ بہاری ٹی وی پر بھرتی رہے اور پھر انہوں نے شادی کی سمت قدم بڑھایا۔ کاغذ نے گھر والوں کو اس رشتے پر اعتراض نہیں کیا مگر عامر جانتا تھا کہ اس کے گھر والے غیر برادری کی کاغذ کو قبول نہیں کریں گے۔ کوئی ان دونوں کو جدت کر سکے اس لئے عامر اپنے گھر والوں کو متاثر کرنے کے لئے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔

کاغذ کی زندگی کا وقت قریب آ گیا تو عامر نے وکیل بھول کے لئے سراسر تنگدہ بڑی سائیڈ اور سائے ارم کراچی بلا لیا۔ 2007ء میں کراچی میں ہی کاغذ نے اپنے شادیاں کو چھڑا دیا۔ زندگی کے بعد اس کے سہیل والے عالمی ٹی وی پر وہاں چلے گئے۔ دو سال بعد عامر کراچی کراچی سے نکلتے ہوئے گاڑی اور وہ اپنا کارڈ بار سمٹ کر ساجی چہرہ دلا دیا اور ساجی چہرہ آ کر اس نے پہلی ٹی وینگ کا کارڈ اور شراغ کر دیا۔ دو روزہ ہوا اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنا تھا۔ اس کے برعکس کاغذ کا ٹھکانہ مکیاں رہا۔

انہوں کی طامت کی پروا نہ کر کر کہ وہ اچھے اور سچے بھائی نہ ہوں تو ہے اور لوگ اپنا بل بھیل دھونے کے لئے صرف سانس پانی کا انتخاب کرتے ہیں۔ (دیکھئے شہزاد)

وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔ اسی دوران امر بھائی شادی ہو گئی اور سب سے پہلی آمدہ کا شہادت آفتاب احمد سے ہو گیا جو پوسٹ آفس میں طوم ہو گیا تھا۔ آفتاب سے چھوٹی بھائی پانچ سال عاؤں زری کی پونجی رسی سے انجینئرنگ کی پڑھائی کر رہا تھا۔

2006ء میں عامر نے بذریعہ بھائی کورٹ کاغذ سے شادی کر لی اور پھر اسے اپنے گھر لے آیا۔ مگر میں نفرت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ کہنے کا کوئی بھی ذرا کاغذ کو کہنے کی ہمت نہیں کرنے کو راضی نہیں تھا اور کوئی اسے گھر میں بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ عامر اور کاغذ نے بے حد مشکل سے وہ شام اور رات گھر میں گزار دی اور صبح ساتھی عامر کاغذ کے ساتھ ان کے سیکے چلا گیا۔

25 جون 2012ء کو آفتاب کی شہادت ہو گئی۔ بھائی کی شادی میں شریک ہونے سے لئے وہاں ہی دن کی رخصت پر زری کی پونجی سے لاہور آیا تھا اور

کاغذ بھی وہیں رہی اور عامر بھی گھر ملا دین گیا۔ کاغذ کے کہنے کا سارا خرچ عامر اٹھانے لگا۔ جب کچھ

سناہنی نے پروگرام میں اس کی ملاقات کا وفد سے ہوئی اور یہی جھٹک میں فوبسود اور حسین کا وفد عادل کے دن کو اس قدر بھاگی کہ وہ اس کے آگے پیچھے منڈلانے لگا۔ صدر کو لے کر ہارات رخصت ہو گئی تو عادل کا وفد کو لاہور سے فون کرتا رہا۔ اس کی باتیں بہت ہی لکھے راد ہوتی تھیں اس لئے کا وفد بھی باتیں کرنے کے لئے اس کے فون کی منتہی رہتی تھی۔

زندگی کا سہارا اگر محض امید ہیں جنی اور مل نہیں ہے تو موت کا سبب مالاہی ہوگی۔ (ڈاکٹر سید شہزاد)

بعض برتن سے ذوقی پرواز کے اس مرحلے میں پہنچ جانے جیسا کہ ہوا: ان کے راستے میں سحر مہم: دوتے کے بھانے ان کے برتن کا سہارا بن جاتی ہے۔ (اسٹیج سہزاد)

محبت میں درون قابل اعتراض حد تک قریب ہو گئے اور پھر ہندسہ کی دیوار گرنے میں دیر نہیں لگی۔ کچھ ماہ بعد عادل کو انجینئرنگ کی ڈگری مل گئی اور وہ لاہور لوٹ آیا۔

کا وفد سے ملنے کے لئے درحالی طور وہ جا کار باور کا وفد بھی لیکن سے ملنے کے بھانے لاہور آتی رہی۔ کا وفد اور عادل کے پاس باتوں اور ملاقاتوں کے لئے مواقع ہی مواقع تھے۔ عادل نوکری مل جانے کے بعد کا وفد سے

سناہنی کرنے کے لئے بالکل نیا رخصت لیکن کا وفد کہتی تھی۔

حجے خانن آ رہا آسمان نکلا ہے۔ عام بھجھہ طلاق رہے گا نہیں اور میں غم سے سناہنی کر نہیں سکوں گی۔ اس لئے کوئی ایسی ترکیب سوچو کہ سناہنی بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس کے بعد دونوں سر جوڑ کر بھجھہ تو عام

کے نکل کا منسو بن گئے۔ طے ہوا کہ کسی چیز اور قائل سے

ظاہر کا کام تمام فرما دیا جانے۔ کا وفد کے پاس چان بزاوہ ڈوے تھے۔ شوہر کے نکل بیکہ لئے وہ یہ دم خرچ کرنے کو

تیار ہو گئی۔

عادل کا ایک ہمنون زاد بھائی بڑھاپے میں سالہ را جو تھا۔

وہ اپنی اس کا کاتب مہم تھا اور اپنے کتبے سے ساتھ شاپور

بھنا تھا۔ عادل نے را جو کو اپنی آسمان محبت سنا کر اسے

عامر کے نکل کی بات کی تو را جو نے اسے اپنے واقف کار

حزب سے ملوا دیا۔ فخر اسے حال ہی میں جنرل سے رخصت

پہنچاں حق ہونے کے بعد عادل ذوقی فوبسود میں

لوٹ گیا تو وہاں سے بھی کا وفد کو فون کرتا رہا۔ اس کی

باتیں راد ہوتی تھیں۔ وہ کا وفد سے ہمار کا

دعویٰ کرتا تھا اور اس کے شادی کرنے زندگی بھر ساتھ

بھانے کی سبب بھی لکھا تھا۔ پھر اس کی طرح کا وفد نے

بھی اپنے ٹھہر سناہنی کا خواب رکھا تھا۔ ایک ذات کے

لئے اسے سناہنی کا گھر ملا بھی لیکن صبح ہونے ہی وہ رخصت

کر وہاں سے بھگانے لگی تھی۔ اس گھڑی کے بعد سناہنی

کی پوکھت پاؤ کرنے کی خوش خوش نہیں ملی تھی۔ سناہنی کے

دوسرے ہی دن سے در بیکے میں بڑی ہوئی تھی۔ حالانکہ

9 جون کی صبح کو عدل نے سپاری گھر کو اپنی رقم بھی رسے دی تھی۔ یہ پورا پورا کافہ ہے۔ اسے رہنے والا راجو کے بیان اور نس کی نشاندہی کی بنیاد پر نزا اور نہج عرف لال کو بھی گرفتار کر لیا۔ اب کافہ اور عدل کی گرفتاری پائی تھی۔ عامر کے گھر کے بعد کافہ اپنی سسرال آگئی تھی۔ وہ کے 11 احکامات ایسے تھے کہ کنبہ اسے جانے کو بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی نعل نعل کے لئے کافہ کی گرفتاری کے لئے انٹرنیشنل ایئر کر پولیس ٹیم نے ساتھ ویدو چوہدری کے گھر بھیجا۔ پولیس کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا مگر در کافہ کر رہا ہے۔ عدل نے عدل سے محبت کے تعظیفات تو عدل کے گھر عامر کے نقل کی سازش میں شریک ہونے سے انکار کر رہا۔ گرفتاری کے وقت وہ نین ماہ کے حمل سے تھی۔

18 دن کو عدل نے حاجی پورہ کورٹ میں خود سزا کی گئی۔ دوسرے روز پولیس نے راجو کو بھی گرفتار کر لیا۔ عدل نے کنبہ کی نو ذی بانیں سنا آئیں۔ جو پہلے یہاں ہو چکی ہیں۔ کنبہ کے آواز ہونے کے بعد انہی اے عاقل حسین راسے کو خبر ہو کر کنبہ کی عدل کی گرفتاری کے ذریعے نیار کی گئی اس سزا کی گواہی کی فون کا کتبہ اور اس ایئر ایس ہے۔ اس راسے کے سبب سے پولیس نے کافہ اور عدل کے سوا باقی فون کی کال انٹریسنگ لگوانی ہے۔ دونوں کے ذریعے ایک دوسرے کو بھیجے گئے۔ ایئر ایس کا ہی ڈی تیار ہو چکا ہے۔ تمام خبر چاروں مزمان انسٹرکٹ جیل میں تھے۔ کنبہ بالکل راجو ہے وہ نقل اور شہوت بھی صاف ہیں۔

رہے دیے۔ اپنی رقم ہانے کے بعد راجو کا وعدہ کیا گیا۔

اس کے بعد نینوں حاجی پورہ گئے اور راجو کے نشین کے سامنے واقع سینٹر پانچ ہوٹل میں فرضی نام دینے سے ٹھہرے۔ یہ 8 جون کی ہفت ہے۔ فون کے ذریعے کافہ عدل سے مسلسل رابطے میں تھی اور عامر کی سرگرمیوں کی اطلاع پر کنبہ نے راجو سے رسی نہیں۔ نقل کے لئے نینوں نے رات 9 بجے سے 11 بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت سرگرمیوں پر بھیج نہیں ہوئی اور درخواست کرنے پر فراہم ہونے میں آسانی ہوتی ہے۔

عدل کی پدایت کے مطابق کافہ نے عامر کو فون کر کے بتایا کہ اس کے پاپ میں اندر ہے اس لئے وہ اس کے لئے دو لے کر آئے۔ عامر نے کسی ڈاکٹر یا نیشنل سندر اسے سے کافہ کا حال بنا کر دیا اور اس سسرال متفق کیا۔ کافہ نے موقع نکال کر فوراً عدل کو فون کر رہا۔ جز اور لال ہانک لے کر آئے تھے۔ عدل نے انہیں کافہ کے گھر کی نشاندہی کر دی تھی۔ اس لئے وہ ڈاکٹر کا رتی تھوڑے گئے۔ حضور ہی وہ ہیں پھر عدل کے سوا کنبہ کافہ کا فون آیا کہ عامر کو میرا بھائی ارجم اس نے گھر چھوڑنے جا رہا ہے۔ عامر کو گزری چلا نا نہیں آتی اس لئے وہ ہانک پر پیچھے بیٹھے گا اور گزری ارجم چلائے گا۔ حضور کو کہہ دو کہ پیچھے پیچھے ہانے کا کام تمام کرنا ہے۔ ارجم کو خراس نک نہیں آتا چاہئے۔ عدل نے فوراً بات لال کو بتائی۔

رات ساڑھے آٹھ بجے ارجم اور عامر ہانک پر سوار ہو کر نکلے تو نوزوان کے پیچھے لگ گئے۔ راک ہنگ روڈ پر حزہ سپنڈ بڑھا کر بالکل ان کے برابر آ گیا۔ لال نے لات مار کر ہرنوں کو ہانک سمیت گرا دیا اور پھر لال نے عامر پر وہ گولیوں چلائیں۔ ایک نشاندہ کا گھر دوسری گولی نے عامر کا بیجا ازا دیا۔ اس کے بعد دونوں موقع سے اڑا رہے تھے۔

لوگ مطلب نکال کر یوں آنکھیں پھیر رہے ہیں جیسے رتی زبان کھینچ کر اس کی گرامر بھول جائے۔ (دو چشمہ شہزاد)



ایک غلط فہمی کا ازالہ

موضوع احادیث

حدیث رسول کے معاملے میں ذاتی انا کو فراموش
کرتے ہوئے اکابرین امت کو مشعل راہ بنائے!

☆..... 0305-6614254..... شہزاد احمد

ربیع الثانی کی ضرورت تھی لہذا یہ سہ ماہی سلسلہ چلا، وہ آٹھ
میں ہمارے آخری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام شریفؑ آئے
اور دین کی تکمیل فرمائی۔ چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام
آخری نبی ہیں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نبی
نہ آئے ہیں اور نہ ہی آئے گا لہذا نبی تعظیمات کے پہنچانے
کا ذی شان منصب خلائق کرام، مجتہدین عظام اور
محدثین زمان کے حصے میں آیا کہ وہ آئیں ہونے کی
حیثیت سے ان دین کو آنے والی فلسوں تک پہنچائیں
جیسے وہ لوگ آج کل طریقے سے کرتے آئے ہیں۔

تیسری بات چونکہ قرآن و سنت میں بعض چیزیں
سرسخ یا سبم ہوتی ہیں جن میں دلیل و تحقیق کے بغیر کما حقہ
فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا اور عقل انسانی ایک ہی آوتی نہیں
نیز امت مسلمہ کا شراذہ پارہ پارہ ہونے کا اندیشہ بھی
موجود ہوتا ہے۔ لہذا امت کے اتحاد و اتفاق اور اصلاح
کے لئے ایک انتہائی خوبصورت اصول بیان فرما رہا ہے۔ چلا
اُن لوگوں کے واسطے پر جن برتیر انعام ہوا، نہ اُن لوگوں
کے واسطے پر جن پر تیرا غضب ہوا اور وہ مگرا ہوئے۔

نومبر 2014ء میں خلیفہ اکرمؑ صاحب نے
احادیث موضوع اور ضعیف پر روشنی ڈالنے کی
کوشش کی تھی جس میں انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا
گیا تھا۔ ذرا نظر کر رہا ہی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہے۔
ظہور میں ایسا ذی شان علم ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے
آپ کو جائیں کہلا تا پسند نہیں کرتا لیکن محنت طلب ایسا ہے
کہ نفس پرستوں کے لئے اس کا حصول خاصہ و شاد ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر، انجینئر، منیجر، محبت دان حتیٰ کہ
پلیس باؤٹیکر ٹریننگ کو کوئی بھی Dictation دینے کی کوشش
نہیں کرتا بلکہ وہ جو کہہ دیں جیسا کہہ دیں سر تسلیم خم کر دیا
جاتا ہے۔ مگر وہی معاملات میں کوئی اور ہی سلسلہ مجبوری
پر نفس اپنی اپنی ہانگے لگ جاتا ہے خواہ وہ دین کی الف،
بے بھی نہ جانتا ہو اور اگر مقابل کو سمجھانے کی کوشش کی
جائے تو جواب دیتا ہے کہ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ عقول مختلف ہیں اگر ہر بات
نفس عقل پر چھنی ہوتی تو انبیاء کرامؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام
کی شریف آوری لکھا ضروری نہ ہوتی لیکن چونکہ عقل و

درمیان وسیع میدان ہیں۔ مثلاً صحیح لیسرہ و حسن لذنب، حسن لیسرہ، اور ضعیف بخضیب قریب ان حد تک کہ صلاحیت اخباری رہی نہ تھی۔ جیسے اختلاف اول باسودہ لفظ با تہ لیس، وغیرہ۔ پھر درجہ ششم میں ضعیف نوری مثلاً نفس راوی لیکن ابھی بھی سرحد کذب سے جدا ہی نہ مل سکتی ہے پھر مرتبہ مطروح جس کا عار و مضار کذب باہمہم بالکذب پڑھے ہیں ان سب کے بعد درجہ موضوع ہے۔ لہذا جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلتیں ہیں تو کسی حدیث غیر صحیح کجھت پت موضوع قرار دینا زمین و آسمان کے قلابے ملانا ہے جو کہ اصطلاح محدثین کے بالکل منافی ہے لیکن چند صاحبانہ موضوع، من گھڑت اور بے اصل کا حکم لگانے سے تم پر راضی نہیں رہتا۔ کثیر احادیث مبارکہ جو درجہ حسن بلکہ درجہ صحیح لیسرہ بلکہ صحیح لذنب بلکہ مشفق علیہ روایات تک کو غلط اور من گھڑت کہہ گئے۔

جس طرح نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جھوٹ جان بوجھ کر گھڑنا، جہنم میں داخلے کا سبب ہے وہاں حدیث رسول کو جھوٹ قرار دینا بھی جہنم میں داخلے کا سبب ہے۔ اگر ہر حدیث غیر صحیح کو من گھڑت کہنا یا ضعیف کہنا ایسا آسان ہوتا تو محدثین کرام مذکورہ بالا اصطلاحات کے ذریعے امتیاز کیوں رکھتے اور غیر صحیح جب ضعیف نہ ہو، احکام میں جنت کیوں جانتے اور ضعیف کی صورت میں فضائل میں مستحکم کیوں جانتے۔

امام بدرالدین زرقانی کتاب وکتب علی ابن سلام، امام جلال الدین سیوطی لالی مصنفہ پھر علامہ طاہر بن خاتم صحیح بخاری الاوار میں فرماتے ہیں: "ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ صحیح نہیں اور موضوع کہنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے کہ موضوع کہنا تو اسے کذب و افتراء ٹھہرانا ہے اور غیر صحیح کہنے سے ٹہنی حدیث لازم نہیں بلکہ اگر کا حاصل نہ سلب ثبوت ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق

(الذنب)۔ نیز ان العام یافتہ لوگوں کی وضاحت بھی فرمایا ہے کہ اس سے مراد اذنیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ مراد ہیں اور حدیث پاک میں فرمایا۔ "تیر کلمۃ مع انکابہم کم (برکت شمارے بڑوں کے ساتھ ہے)۔"

پھر ممکن تھا کہ لوگ صاحبیت کا معیار اپنی اپنی مرضی سے مقرر کر لیتے تو اس کے حل کے لئے اکثریت کے ساتھ رہنے کا حکم باہر فرمایا۔ "بڑے گروہ کی پیروی کرو، جو ان سے جدا ہوا، جدا ہی جہنم میں ڈالا جائے گا۔"

(مشکوٰۃ شریف)

دوسری روایت میں فرمایا: "لن یجمع معنی علی ضلالہ"۔ "سب سے گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی"۔ یعنی 51 بعد اس امت کی معنی باطل نظریات کو قبول نہیں کر سکتا اور اس حدیث پاک کی صداقت آج بھی دیکھ سکتے ہیں کہ امت کی اکثریت آج بھی اپنے اکابرین کے عقائد پر ہے۔

تو حاصل کلام یہ نکلا کہ انفرادی رائے کی بجائے اجتماعی رائے کو، اصافری بجائے اکابر کو، اقلیت کی بجائے اکثریت کو اور جاہل کی بجائے عالم کو اور جاہل من اقلین کی بجائے اعلیٰ فن و تزین حاصل ہے اور عقل سلیم بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔ برخلاف عقل قبیح کے۔

اس تمہید کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ "حکایت" شمارہ نومبر میں مجاہد ادیب صاحب نے ضعیف اور موضوع احادیث پر جو کلام کہا ہے کوئی بے علم شخص تو شاید سمجھے کہ مصنف نے بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دانستہ باخیر دانستہ طور پر انہوں نے اپنی ذہنی قہم سے کام لیتے ہوئے جھک مارنے کے سرا کچھ نہیں کیا جسے ہم مغرب بیان کریں گے۔

سب سے پہلے نوید بات بار کھنے کے قابل ہے کہ حدیث صحیح اور موضوع پر دو کتابیں ہیں اور ان کے

الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "امام ابن مسین کا یہ کہنا سب سے حدیث باطل ہے اس سند کی نسبت ہے جو انہیں پہنچی۔" فلسیہ روایات کا خون! سے ہی کہتے ہیں۔

حدیث باطل کے ساتھ بھی آپ نے جس سبب کہا۔ برسوں پہلے کہ سب سے زیادہ نصف اشہار کے وقت حضور کے سایہ کا ذکر کر رہی ہیں اور نصف اشہار کے وقت کبھی بھی جھکے ہوئے سائے کا وجود نہیں ہوتا کہ کسی آنے والے کے جسم سے پہلے اس کا سایہ نظر آ جائے بلکہ درست ترجمہ یہ ہے کہ "میں ایک دن دوپہر کے وقت بیٹھی ہوئی تھی کہ ناگہان میں نے نبی پاک کی ذات مقدسہ تو اپنی طرف آنے ہونے دیکھا۔"

لفظ کی مشہور کتاب "القاموس المحیط" میں غل کا معنی (نی، سار) ہے غل جمع تو ہوتا ہے بائٹام غل کا معنی عزت، فوت، غلب، غنص، بدن اور کسی شے کے پردے یا لباس وغیرہ غل کہتے ہیں وغیرہ۔ اس طرح زرفالی شریف، مدانت، ملعونہ، تعبیر غریبہ، امام ابن حجر کی "المغنی القرظی" امام مجدد الف ثانی مکتوبات شریف میں، علامہ شہاب الدین خفاجی تیس ارباض میں، امام جلال الدین سیوطی قصاص کبریٰ میں صاحب "بیت حلیہ"، کبیرا کا براہ راست لفظ ہے عبد الصلوٰۃ والسلام کے سابقہ لقب کی ہے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے بڑا لقب ہے کہ آپ نے تعداد میں غل نظر آبا بگہر علی وعلی وعلی وعلی وعلی وعلی کے پہاڑ نظر نہ آئے اور وہ بھی اکابر امت جن کے ناموں کو آپ نے اپنی مطلب برائی میں استعمال کرنے کی سعی نہ حاصل کی ہے بائٹام وبتیغہ کہ۔ "فلسیہ" کا مفہوم سمجھ نہ پاسے۔

حدیث صحیحہ کے ناموں میں "ام المومنین صدیقہ نبویہ اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "مصرعہ کی رمت میں نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مغموا میں پایا۔" میں کو مغمور کسی نے کہا وہ اور کس بنا، کہہ نہ پاسے۔

ہے۔ اور امام ابن حجر عسقلانی "التول السدوئی اللذی تن سند احمد" میں فرماتے ہیں۔ "حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔"

لیکن مجاہد صاحب آپ نے رجب، شعبان اور رمضان والی روایت کو عند امام رجب ضعیف من بابہ۔ بغرض غلط اگر یہ امام رجب کے نزدیک ضعیف بھی تو نقصان میں تو بائٹام محمد بن ضعیف حدیث لائن اعتبار ہوتی ہے جیسا کہ امام ابو ذر بائٹامی "امام ابن حجر کی" شرح مشکوٰۃ" مولانا علی قادری "مرآۃ" وحرز میں شرح حسن حسین میں فرماتے ہیں۔ "بے شک خلفا حدیث وعلیہ کا اعتقاد ہے کہ نقصان کمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔" اور اگر آپ کے بقول عند امام رجب ضعیف بھی ہو تو ایک سند سے ضعیف ہونے سے یہ کہاں لازم آتا کہ کسی دوسری سند سے بھی ضعیف ہے اور دوسری سند سے بھی ضعیف ہو تو وہ ضعیف مل کر حسن الخیر کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں جو کہ احکام میں بھی لائن اعتبار ہیں۔ اپنی ہی بات کی تائید میں "حدیث مسواک" پیش خدمت ہے۔

"مسواک کے ساتھ نماز یہ مسواک کی سزا نمازوں سے بہتر ہے۔" ابو جہم نے کتاب المسواک میں "جید صحیح سندوں سے امام ضیاء نے اسے صحیح بنا دیا، اور امام حاکم نے صحیح سندوں کے بشرط مسلم پہنچا۔"

امام احمد بن حنبل و ابن خذیمہ و حارث بن ابی اسامہ و ابو یعلیٰ و ابن عدی و بزار و حاکم و بیہقی و ابو جہم وغیرہم اہل حدیثین نے بطریق حدیث و اسناد متواتر احادیث ام المومنین صدیقہ و عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن عمرو و جابر بن عبد اللہ و انس بن مالک و ام الدرداء رضی اللہ عنہا عنہم سے تخریج کی۔ تو آپ کو اتنے اکابر صحابہ اور بعد ان لوگوں نے نہیں اور ابن مسین کا باطل کہنا نظر آ رہا حالانکہ مقاصد حسنہ میں علامہ شمس الدین سخاوی علیہ

اے لائق اعتبار، نہ جانے۔ سبحان اللہ! ای تحقیق یہ:، کرتے ہوئے فن حدیث پر رقم اٹھایا ہے۔ آپ اپنے والد صاحب کی آمد پر کھڑے ہو جائیں۔ آپ کے والد صاحب کہیں کہ بیٹھو بیٹھ کر تپ نہی کے بیٹھے تک نہ بیٹھیں تو آپ کے کلیہ کے مطابق یہ آفرمانی میں شمار ہوگا جبکہ عقل سلیم اسے اب گردانتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ پر "محمد رسول اللہ" کے رکنہا نہیں گئے۔ کفار نے اعتراض کیا کہ محمد ابن حشیش سے آپ زفر خیز نہ تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی سے فرمایا علی! لفظ رسول اللہ کا تہ۔ حضرت علی نے اذبا ایسے کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود درلفظ کا تہ دیا تو جب اس درایت کو بھی قہم زد کر دینا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؑ نافرمانی کریں۔ ایسے ہی صحابہ کمال کر دیں لیکن پر تھک کر مہمانی دیکھائیں گے کہ حدیث آتہ حدیث فرمائی آتہ بات پر بھی مدعا لفظ قہم زد بھی بنا پڑ جائے گا۔

تحقیق اپنے طور پر فرقہ انک میں اللہ پاک نے حضرت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا۔ "و ما نلتک بجنبک بعموشی" (اے سوئی اتیر سے ہاتھ میں کیا ہے؟) اب مجاہد صاحب کے خود ساختہ اصول کے مطابق تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اولیاء فرمایا جانے والا رب ذر لجمال اپنے بندہ سے کوئی بات پوچھے کہ اس سے تو آپ کے نزدیک جہل لازم آئے گا جو کہ اللہ پاک کے لئے جائز نہیں لہذا امت کے تہہ دیکھئے کہ معاذ اللہ یہ آیت بھی صحیح نہیں۔ بھلے ہنس جس طرح پوچھنا بھی امتحان ہوتا ہے میرے رسا کا شکر نہ پوچھنا اور بھی مکالمہ کے ذریعے تیسری ذات تک بات پہنچا لیا مقصود ہوتا ہے اور کبھی مقابل کے مقام عظمت کو اجاگر کرنا مقصود ہوتا ہے علیؑ بڑا تقاب۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کا یہ کہنا کہ "میں

جاننے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جسٹانی معراج کے نا اور کثیر تعداد میں روحانی معراج بھی ہوئی ہیں مذکورہ ۱۰ بیت روحانی معراج پر ولادت کرنی ہے جو کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان و عظمت پر دال ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ ہر وہ حدیث جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتوں پر دلالت کرتی ہے اور اکابرین امت کی کثرت نے ان کو قبول بھی کیا آپ قہم زد کرنے کے پھر میں دل کی کون کی کون بجز اس نکالنا چاہتے ہیں؟

اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چلو۔ دل سے کلام کرنا اور جانوروں کا آپ کی ارکار میں حاضر ہونا کثیر درایت سے ثابت ہے جس کو نبیائے کبریٰ میں امام سیوطی نے نقل کیا ہے جہاں میں حضرت سعید بن جبلی اور ابن منظور سے وہ روایت بھی ہے جس کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام انکار کر پئے ہیں یعنی "مگر تمہے کارنے آپ کو سواری کے لئے باگا و وسالت نام میں پیش کرنا اور فرات رسولؐ میں اپنی جان و سے دیا تو امام ابن حجر کے بقول آپ کے بے اصل فرمانا امام سیوطی کے ذکر کرنے کوئی حرج نہیں دیتا۔

دیکھیں علامہ طاہری قادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ "ابن جوزی نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے اس مذکورہ سند کے اعتبار سے ان کے نزدیک موضوع ہو"۔ (شرح معصن حصین) نیز موضوعات کثیر میں ہے "ممن ہے یہ ایک سند کے اعتبار سے موضوع ہوا اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہو"۔

حتیٰ کہ متفق علیہ روایت پر بھی جہالت کے تیر چلا آئے اور عقلی دلیل یہ دی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی حکم دیں اور حضرت عمرؓ صحیح کر دیں۔ یعنی جناب کا خیال ہے کہ اگر کوئی بات نہ مانی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نہ ماننے والا نافرمان ہے اور حضرت عمر نافرمان نہیں تھے لہذا حضرت ابنت پر نکاح اور

بالقرض یہ موضوع بھی ہو تو نیا جہ نصف ہی اما نہ
 "آپ کا بیان کر رہا مطلب" بیان کی سبب۔ اہ۔ 1400
 سال میں ایسے مطلب کئی سے تیس لکھ لے کر آپ کو
 ہونے ہیں "مطلب مطلب" کی رٹ لگانے والے۔

موصوف کا زعم فاسد ہے کہ اگر کسی مسکن کی انفرادی
 فضیلت بیان کی گئی ہو تو اس کا مطلب ہو گا۔ جو حق اس
 سے محروم ہیں۔ جو موصوف کے اس فرد سائنس کا حصہ
 لازم آئے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق کو صدیق نہ کہا جائے
 کیونکہ بقول مجاہد صاحب کے مطلب یہ ہو گا کہ بانی صحابہ
 کرام معاذ اللہ سمجھتے ہوئے ہیں اور حضرت عثمان غنی کو
 نہ کہا جائے۔ مطلب ہو گا کہ بانی صحابہ نہیں ہیں۔ حضرت
 علیؓ کو امیر نہ کہا جائے مطلب ہو گا کہ بانی صحابہ بڑوں
 ہیں اور مشر و مبشر و نبی نہ کہا جائے۔ مطلب ہو گا کہ
 بانی صحابہ معاذ اللہ نبی ہیں۔ لاجلہ و لافلہ و لالافلہ۔ کیوں
 چاہے صاحب! ایسا ہی ہے؟ اگر آپ کہیں نہیں نہیں پر
 خلفائے راشدین ہی فضیلتیں ہیں، ان سے باقیوں
 کا انکار لازم نہیں آتا تو سید نہ ہرگز کے لئے یہ امتیازی
 فضیلت ماننے بڑے کیا نذر لاجت ہے، جناب! اور اس
 سے دیگر مفید و مفہوم و فانی شان دستوں کی ہے ہرگز کیسے
 لازم آتی۔ بانی، جن کا موضوع ہو تو کم از کم بیان کیا ہوتا
 پھر ہم اس پر ہر یہ نکال کر لے۔ آپ نے فقہ موضوع کا
 نام ہی سنا ہے۔ بانی چند آیت و روایات ضرور موضوع ہیں
 جن کا ان کا ہر بن است میں منفظ طور پر کوئی بھی فائل نہیں
 لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لافن، اعتباری، نرس
 لافن اعتبار کو بھی قلم زد کر دیا جائے۔ ہمارا انتہا ہے کہ
 حدیث رسول کے معاملہ میں ان کو فرما کر لے ہوئے
 اکابر بن است و مشعل راہ تاج ہے اور اللہ رسول کی بارگاہ
 میں نوہ کیجئے ورنہ ہم حساب نو خرب ہی ہے پھر بندہ
 چاہے گا کہ کوئی نوہ سو حق ہاتھ نہ آئے گا۔

کتاب اللہ کافی ہے۔" مفید یہ تھا کہ آفاق علیہ الصلوٰۃ
 والسلام آپ بیمار ہیں، زحمت نہ فرمائیں آپ نے ہمیں
 تکمیل دین سے مشرف کر دیا ہے اس حال میں اپنے
 آپ کو تکلیف نہ دین۔ ورنہ جو اعتراض مجاہد صاحب
 1400 سال بعد کر رہے ہیں وہی اعتراض حضرت عمر
 فاروق سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں نہیں کہا کہ
 عمر! تم نے میری بات نہیں مانی میں تم سے ناراض ہوں
 اور یہ اعتراض تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی جائے گا
 کہ آپ نے وہ بات اگر لفظ ضروری بھی تو چاروں بعد
 تک بھی کیوں نہیں فرمائی۔ صاف ظاہر ہے کہ آپ علیہ
 الصلوٰۃ والسلام حضرت عمر فاروق کی بات سے مطمئن تھے
 لیکن آپ مجاہد صاحب ابھی تک غیر مطمئن کیوں ہیں؟
 "حکایت" کے صفحات اجازت نہیں دینے ورنہ یہ
 موضوع طویل کلام کا نشانہ کرتا ہے اور کثیر روایات پر
 محاسبہ بھی ضروری ہے لیکن ان چند جملوں کو فاروقی،
 سوائے خبر ایک موضوع روایت کے، بانی روایات پر
 قیاس کر نہیں کر مجاہد صاحب نے اس میں بھی لفظ اپنی کچھ
 کو خواہ مخواہ زحمت دی ہے۔

اب آخر یہ گفتگو کیسے ہوئے گزارش کروں گا کہ
 دور روایت کہ جس میں شان فاطمہؓ، ابراہیم رضی اللہ عنہما
 عنہما جیکے سورج کی طرح عیاں ہے اس کی سند کی جرح
 سے قطع نظر، مجاہد صاحب نے جو مضمنا، رکب اور پھر ضم کا
 تمبرہ کیا ہے، کچھ پیسے تو پہلے پہل اس بد مزہ و جارح
 نے ہمیں قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے۔ گھستے ہیں "کہ
 فاطمہ کے دن ایک مٹا دی پر اسے کے پیچھے سے آواز
 دے گا کہ اہل عشر اپنی ناک میں پست کر لو تا کہ فاطمہ بنت
 محمد گزر جائیں۔" موضوع ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا
 کہ دیگر بات اور ازواج کو بے شک لوگ دیکھتے رہیں
 کوئی حرج نہیں۔ مجاہد صاحب! اس طرح کے لافن
 مطلب سوائے شیطان کے اور کون زال سکتا ہے۔ ورنہ

مریض روائی منگوانے کے لئے اپنا حوالہ نمبر ضرور لکھا کریں
رپورٹس اور خطوط پر اپنا موبائل نمبر لازماً لکھیں

طب و صحت

دستِ شفاء

انٹرنیٹوں کا السر اور سوزشِ معدہ

ڈاکٹر مانا محمد اتہال (مولد میڈلسٹ)

0321-7612717

ڈی۔ ایچ۔ ایم ایس (DH.Ms)

ممبر نیشنل ایسوسی ایشن آف ایسوسی ایشن پنجاب

ممبر پنجاب ہومیو پیتھک ایسوسی ایشن

شعبہ طب و نفسیات

(1) اول سببیں دوسرے شہروں کے مریضوں کی مشکلات کا اندازہ ہے اور ہر بندے کا لاہور آنا کمال ہے جو اصحاب دیگر شہروں میں کسی کم خرچہ بلا سہ (بائٹم) کرانے والی جگہ کا ہٹا سکیں ان کی مہربانی ہوگی۔ فی الحال اسلام آباد، راولپنڈی، مہرات، گوجرانوالہ، فیصل آباد، شوہدرہ میں شروع کریں گے بعد میں دیگر شہر باطلانے۔ اگر کوئی ڈاکٹر صاحبان یا حکیم صاحبان جن کا کلینک ہو، وہ بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

(2) اگر کسی صاحب کے ذہن میں وہی اچھا پان ہو تو وہ بھی مجھے "حکایت" کے ایڈیٹس پر لکھ کر ارسال فرمائیں۔

(3) اگر کسی صاحب سے پاس کوئی ازسود کارنسو ہو تو وہ بھی بھیج سکتا ہے ہم (آزائش) کے بعد اس کو بھی

سے پہلے نوٹس ایچے معززہ فارمین کا شکریہ ادا سبب کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح شدت کے ساتھ ۱۱ مہرے مضامین اور ٹیپوں کا انتظار کرتے ہیں اور جس طرح انہوں نے پڑھائی دی وہ بہت ہی قابل تعریف ہے اور جو شخص بھی بطور مریض ہمارے پاس آتا ہے ہم اسے مریض سے زیادہ اپنا عملی ممبر دیکھتے ہیں اور اسی طریقے سے برتاؤ کرنے ہیں اور یہاں آکر سب لوگوں کو ایک اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح نہ ہی ہم دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے ہیں بلکہ اپنے ہی محدود وسائل کے اندر وہ کر سب تو نہیں خلقِ خدا کی خدمت کرتے ہیں۔ ہم اس کام کو حرج و مرجعاً چاہتے ہیں جس کے لئے ہمیں آپ کی طرف سے اخلاقی مدد اور گائیڈ لائن چاہئے۔

چاہئے۔

عظیم لوگوں کی عظیم باتیں

- جو لوگ خود غرض ہونے ہیں، وہ بھی اپنے دوست نہیں ہوتے۔ (حضرت ابو بکر صدیق)
- مخلص دوست کے اندر ہمارا چھپا ہوتا ہے جیسے بیج کے اندر درخت۔ (حضرت عمر)
- محبت سب سے کرومرا اعتبار چند لوگوں پر۔ (حضرت عثمان)
- اپنے رازوں کی ایک ٹوٹی یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں یاد رکھنا نہیں پڑتا، بارہ جاتے ہیں۔ (حضرت علی)

سو خود نہیں۔ اسے اسے تجربہ کار معالجوں سے وہ انیاں کھا چکا ہوں۔ کیا یہاں میرا علاج ہو جائے گا؟

میں نے اسے علی ری اور کہا۔ "بے شک، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قرآن پاک میں ارشاد باری ہے کوئی بہر مرض لا علاج نہیں سوائے موت کے لہذا ہم آپ کا بھی اور بی فوج سے علاج کریں گے اور اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

اس کے بعد انہوں نے چوم اور بھی سانس پانے جن کے سخت ہیں۔

1. پریشانی، خوف، ڈر اور کٹھڑ ہتا ہے اور یادداشت بہت کمزور ہے۔
2. پیشاب رنگہ رنگہ کرتا ہے اور صحن وار ہے۔
3. ٹھنڈی کھول نہیں کرتا۔
4. کمزوری، تھکاوٹ، گرمی اور سرنی، دونوں زہار ہو گتی ہے۔
5. فحشی سگی چکراتے ہیں۔

بولوں کا کھانا، کچا ہزار، اسہول، سیب، سورن۔

کے نام سے رسالے میں شائع کریں گے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ہزاری قوم بے حد ذہین اور لائق ہے مگر انہوں ان کی قابیلیتوں کا کوئی اعتراف نہیں کرتا۔

(4) ہم یہ چاہتے ہیں کہ قائل ڈاکٹروں و عیسویوں کے آرزو و نسخہجات اور میرے اپنے سب کو ماکر اکتفا شائع کر دیں۔ جو اصحاب شرکت کرنا چاہیں وہ مجھے ان فون نمبرز 0312-6625066، 0321-7612717 پر بتا سکتے ہیں۔

(5) میں اپنے قارئین اور ملنے والوں سے ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر مجھے فون کرنا ہوتو (صبح 12 بجے سے 2 بجے) بارات (7 سے 9 تک) کر سکتے ہیں۔ مگر پہلے اپنا تعارف بتا کر بات شروع کیا کریں اور صرف ضروری باتوں کے لئے رابطہ کریں فونول اور بے کار باتوں یا MSG سے پرہیز کریں اور آتے سے ایک دن قبل ٹائم ضرور ملے کر نہیں۔ شکریہ!

اس بار کا کیس ناروی آ یا ضلع شیفر پورہ کے ایک محترم سکول منجر کا ہے ان کا کیس نمبر P-1146، عمر 37 سال نور میر شاہی مندر ہیں۔ ان کا میں پرانہ معده کا قات۔ پینٹ میں مروڑ، بچپن، ہیٹل نما اور جھنگ رادر بار کا اخراج، درد معده اس کے علاوہ سر درد، لی فی، کھانسی، دل کی دھڑکن کا تیز ہونا، سینے کے دوہیان، کٹھی، معده میں کھانے کے بعد ملٹی۔ جبہ در میر سے پاس مللاج کے لئے آئے نو بہت ہی بائیس اور پریشان تھے۔ انہوں نے غابا کر کڈ کر وہ مسائل نظر تیار چور پندرہ سال سے جاری ہیں۔ ہر قسم کے جوشانہ، خمیرے، روگہ رنگی گولیاں اور انجکشن لگوا لگوا کر اور فرجے کر کے اب میں تمام ڈاکٹروں عیسویوں اور ہومیو پیتھوں سے ٹک آ گیا ہوں۔ ناکھوں رو پے فرج کرنے کے باوجود ایک ویسے کا بھی آرام نہیں۔ بروقت کی ٹیشن اور فرجے نے ناک میں دم کر دکھائے۔

"مجھے نو لگتا ہے کہ روٹیا میں ان سسٹے کا کوئی حل ملنی

تھوڑے، چائے، دہلی سے رشتی سے مراد چڑھائی سے
 لڑتی ہے۔
 ان کی پشاپ کی رپورٹ چیک کی گئی جس کے
 مطابق رزلٹ اس طرح تھے۔

PH 6.0
 Protien +
 Pus Cells 3-5
 EPT Cells 2-3

مزید یہ معلوم ہوا کہ سزینس کی کمر اور گردن میں بھی
 درد دہتا ہے۔ ایک ڈاکٹر کی برہنہ گئی جس کو اس نے تیز
 کر لیا اور سرور شہر ہجرت کر گیا جو کہ اب بھی قائم ہے۔
 اس کے بعد مریض نے کئی ارباب استشفال میں بھی
 مرض بڑھتا گیا جوں جوں روایتی دوائیوں نے کوئی ڈائمنز
 تھیم نہ چھوڑا اس کے علاوہ بھی دو چھ سو سال لگے کر لائے جو
 کہ ابھی کے لحاظ میں اور بگڑ رہے ہیں۔

گلے کے اندر درجہ، گوا بیٹھ جانا اور دو گھنٹے کی
 خراش، سہنہ سے لے کر سارن سہر ڈال، زک کے اندر
 خارش، زک مہنگو، جب تک مخصوص امین بائیوٹک استعمال
 نہ کرواں، امین آتے۔ امین بائیوٹک اور انجکشن کے
 استعمال سے بہرہ اور گردن کے پٹھوں میں درد میں
 اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ سرور شروع ہو جاتا ہے
 یہاں تک کہ بخار بھی ہو جاتا ہے۔ کمر درد ہی اے اتھا ہو جاتی
 ہے اور چال Stagnating ہو جاتی ہے۔ دل کی گھبراہٹ
 اور سوتے وقت دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ اس کیفیت
 میں بڑا پریشان ہو جاتا ہوں۔ درد کے ٹکے سے کچھ دیر
 آرام رہتا ہے پھر طبیعت میں بے چینی اور پریشانی محسوس
 ہوتی ہے۔

مریض کو چیک کیا گیا تو واقعی اس کو "ذہن" کا
 بھی مسئلہ تھا اس کے علاوہ 100F بخار اور زبان پر بھی ان
 امراض اور زہ دہات کا خاصا اثر نمایاں تھا۔ کئی اور بات کا

انہیں اب نام بھی یاد نہیں رہا۔ بہر حال انہیں 15 یوم کے
 لئے ادویات دی گئیں اور چند پرہیز بتائے گئے۔ جبکہ
 15 دن کے بعد واپس آئے تو بہت خوش تھے۔ میں نے کہا
 کہ مجھے بالکل ٹھیک طرقات تھیں کہ گنا آرام ہے۔
 انہوں نے سکرانے ہوئے کہا کہ کم از کم 60-70 فیصد
 آرام ہے۔ صبح کے سٹے میں اور ہر 14 سال سے اتنا
 فرق نہیں بڑھتا ان 15 یوم میں ہوا ہے۔ وہی اور بات
 پھر دی گئیں اب مزید آرام آگیا۔ اب دوسرے مسائل کو
 بھی مد نظر رکھنے ہوئے ادویات میں قدرے رد و بدل کیا
 گیا اور وہ بہت مطمئن ہیں۔ الرتی اور بانی مسائل میں بھی
 بہت آرام ہے۔ ان شاء اللہ امید ہے کہ مزید روٹین ماہ
 تک ان کا کسب وکار ٹھیک ہو جائے گا۔

دراصل ان صاحب کا اصل مرض میں امینوں کا الہس
 اور سوزش معدہ اور امین تھا۔ جب تک امینوں کا علاج
 نہیں ہوا تو وہ ٹھیک نہیں ہوتے تھے۔ جب میں نے
 ٹھیک طرح ان کے مرض کو Diagnose کر لیا تو پھر
 علاج کی ایک لائن سبب ہو گئی اور علاج آسان ہو گیا۔
 اگر کسی کو کس بات میں شک ہو تو پہلے وہی مٹی علامات کو
 دیکھنا ہے۔ جیسے کہ امین بات واضح ہو جائے گی۔ باقی
 معاملہ میں بھی گزارش ہے کہ صرف ظاہری بائیوٹک علامات
 کو دیکھ کر علاج کرنے سے بچنا چاہئے۔ مٹی علامات کو بھی
 مد نظر رکھا کرنا کہ مریضوں کا بھلا ہو۔

نوٹ: ان کے علاوہ وہیں بھی تقریباً ان تیس
 سے ملنے جلتے زہر علاج ہیں اور زہر مہنت ہیں۔ ان میں
 سے ایک بیکٹریا Dysentery کہ ہے اور دوسرا معدہ میں
 سوزش Chronic Chlorites اور انہیوں میں زخم
 کا ہے۔ جب وہ مطلوبہ معیار تک (60-70) فیصد پر
 پہنچے تو ان کے بارے میں بھی قارئین
 کو ہم مطلع کیا جائے گا۔



انسداد کی ایک پیشگامی اور سوسائٹی کی اہمیت

تعمیر

تعمیراتی تعاون

سوسائٹی کے افراد کی ایک پیشگامی میں سکون کا خاتمہ کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔

قسط: 10 ☆ 0300-4154083 سہ ماہی اور ماہانہ



مراغ لگا باغھا کہ نمبر تنظیم کے اندر ان خانہ لٹا کہا گیا ہے جو رہے تھے۔

اسا امرپ میں اپنے مگی خنبہ اہرین کے لئے مسکو بل کی اپنے ملازمین کے پیشین فٹہ سے چوائی گئی رقم سے روپیہ فراہم کر، یعنی مگی۔ پیشین فٹہ ہر ان کی نظر انی وقت بڑی تھی جب رابرٹ مسکو بل نے موسا کی اصلاح دینی ہوئی رقم سے "مرزا" گراپ کے اخبارات خرچہ سے نئے اور اسرائیل کے باہرین ماہرین اور نوجوہ کاروں نے اپنی سے اہلی خدمات پیش کی تھیں۔ فٹہ کی چوری کے بعد اس سب سے متعلق بات یہ تھی کہ اس کے اخبارات کے گراپ کا جو بھی بندہ ڈال اہت کی طرف سز کرنا تھا اور جہاں تھیں مگی جاتا تھا اسے اسرائیل کا خفیہ ایجنٹ اور کارندہ سمجھا جاتا تھا اور ایک معمولی انواہ پر ان کی گردن چار کے پھندے تک پہنچا سکتی تھی۔

مسکو بل کی سب مگی اسرائیل جاتا تھا اس سے کسی سربراہ منگیت سب سے ۲۰ اور حسن سلوک ررا رکھا جاتا تھا۔ اور یہی حکوتی جو ان میں مہمان خصوصی کارندہ جاتا تھا اور اسے اہلی اور نفس زہن جگہ پر ظہر لیا جاتا تھا۔ حکوتی اور سبھی معلقوں میں مسکو بل کے بڑھنے ہوئے اثر اور سوخ کو دیکھتے ہوئے موسا نے اس کے بارے میں بتکا اور وہ اخبار کر لیا تھا اور اپنا تک اس پر اپنے انعام راکرام کی پادش سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ موسا نے یہ معلوم ہونے پر کہ مسکو بل مہاشی اور دہڑی بازی کا بہت دلدادہ ہے اس کی خواب گاہ میں خفیہ ایڈیو جمرے سے نصب کرا اپنے اور اس کے اگھے اس سے ردران موسا نے اپنی انواہ اور تربیت یافتہ معلقوں کے اسٹیل سے خدمات سبیا کرنا شروع کر رہی اور اس کی تمام حرکات و سکنات ایڈیو پر ریکارڈ کر کے آئندہ اسے بلک سٹل کرنے کا بندوبست کر لیا۔

چونکہ رابرٹ مسکو بل اکنز ہائی نے ہے۔

سبوس، جس نے اس نازام کے تخت رائے سے اپنے اخبار کے ایک رپورٹر کو نوکری سے نفاہ رہا تھا کہ اس نے اپنے اخبارات میں کچھ گز بڑی مگی۔ خود اپنے اخبار کے ملازمین کے پراہڈٹ کو خنبہ طور پر چوری کر کے موسا کی مدد کے لئے اسٹنڈل کرنا ہوا تھا۔ موسا خور ایسی بے شمار چوریوں اور خفتراک جو اسے بڑیوں کو اپنی پالیسی کا حصہ سمجھتی تھی۔

مسکو بل نے اہلی طور پر پراہڈٹ سے رقم بڑہر منتقل کرنے کے لئے فراڈ کے نئی طریقے ایجاد کر رکھے تھے اور اس نے فراڈ کے ان طریقوں کو اپنی اخبارات تک پہنچا دیا تھا۔ اس نے لاجوں اور ایک خصوص اس کا انت میں منتقل کئے تھے جو موسا نے ایک آف اسرائیل میں اسب میں فٹہ کر رکھا تھا۔ فراڈ کی ایک بڑی بڑی اسرائیلی معلقانہ لندن کے اکاؤنٹ جو ہر نقل بلک میں تھا۔ ٹرانسفر کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ جینوا کا ٹریڈ سواہز بلک، یہ وہی بلک ہے جس کے ذریعے بن سٹائے گئے مسکو بل کے اہا، پر اور مہان سے "اور" کے پراہڈٹ کے 450 ملین ڈالر باہر بھجواتے تھے۔ کبھی کبھی ملازمین کے پیشین فٹہ سے نہال گئی رقم انہی کے مختلف گھوں اور بتوں سے ہوتی ہوئی نوبارک کے کیمبل بلک، فرسٹ انٹل بلک، آسٹریلیا اور بائک کا تک اور نوک (جاپان) کے بتوں تک پہنچتی۔ صرف مسکو بل کوظم خاک چوری کا یہ پیر کسی مقررہ وقت پر کس جگہ موجود تھا۔ جس چیز نے معاملات کو بہت زیادہ الجھا ہوا تھا کہ اس کا اپنے اخبارات کو بار بار "وائٹ کالر ٹراڈ" کے خلاف مہم چلانے کا حکم تھا۔

اکنز اوسٹرواسکی (Victor Ostrovsky) جو آسٹریلیا میں پیدا ہوا تھا اور اب اسرائیل میں تھا اور جس نے موسا میں پھلو رکھیں آئیسی 1984ء سے 1986ء تک نہ بات انجام دی تھیں۔ یہاں معلقوں نے

کہ مقدمہ بارگاہِ برطانوی حکومت سوائے شرمندگی کے کچھ نہ حاصل کر سکی اور کتاب "سپائی کچر" دنیا بھر میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بن گئی تھی۔

اسرائیلی حکومت کی قسمت میں بھی برطانوی حکومت جیسی بدنامی اور شرمندگی لگھی تھی۔ موساد کے حاضر مردوں اور سابقہ افسران و اہلکار حکومت پر اور سڑوگی کے خلاف ایکشن کے لئے واپس ڈال رہے تھے۔ ان میں سیکرٹری ایئر فورس، خصوصی طور پر سرگرم عمل تھے۔ ابتدا میں (روز براہِ عظم) نے اپنے اپنے اتاری جزیل کو حکم دے دیا کہ موساد کے سابق اہلکار کی چھٹی کتاب کی اشاعت روک لی جائے۔

اس زور کے پیچھے سائبر کی امریکہ کے خلاف ویرینڈہ نئی نئی سال بھی ہوئی کہ اسے ایران کی حد تک یعنی نما کہ جرمی میں یہودیوں کی بدگت (بالوکا سٹ) کے پیچھے امریکہ کا بھی ہاتھ تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اگر امریکی صدر، روز دولت ایسا بندہ دست کر سکتا تھا کہ مل ایجنٹ میں طاقت کا نوازین جرمی کی بجائے برطانیہ کے جن میں کر دتا جو میلے ہی وہاں کافی اثر و رسوخ رکھتا تھا، اس کے بدلے میں بٹلر پر واپس ڈال کر جرمین یہودیوں کو قتل کرنے کی طرف توجہ کرنے کی اجازت دلا دیا تاکہ اس امر کی طرح "بالوکا سٹ" کی بھی نوبت ہی نہ آئی۔

امریکہ کے خلاف سائبر کی بے بسی سنی سونگ اور خیالات نئی نئی حدوں کو چھو رہے تھے۔ اس نے اظہارِ غیر ملکی کے طور پر امریکہ سے جرمانہ لینی پانچ ہزار صفحات پر مشتمل خبر و رساویزات روکی کے حوالے کر دی تھی جس سے اس کے خیال میں ماسکو سے نقلی ہتھیار بنانے میں مدد مل سکتی تھی۔ ان دستاویزات میں دس کے دفاعی نظام کی جاسوسی پر مشتمل کاغذات اور ہی آئی اے کی طرف سے روس کی جنگی صلاحیت بارے سالانہ تجزیہ بھی شامل تھا۔ ایک دستاویز میں خلائی منصوبوں پر پیمانوں کے تجزیے

لیوب آتا جاتا رہتا تھا لہذا کچھ ہی عرصے میں اس کی خواہش کی سرگرمیوں پر مشتمل ویڈیو نیچوں کی موساد کے پاس اچھی خاصی لائبریری بنا ہو گئی۔

اور سڑوگی نے اپنے الزامات اور انکشافات کا دعویٰ اپنی دو کتابوں میں کیا تھا جنہوں نے ابھی تک اسرائیل کی اعلیٰ جنس کیوں کو مستعمل رکھا ہے۔ کتابوں کے نام تھے "غریب کاری کے طریقے" اور "دھوکہ دہی کے مزید طریقے"۔ ان کتابوں میں مصنف نے موساد کے پروے کے پیچھے کئے جانے والے کرداروں کو دھوکہ دہی اور جاسوسی کے طریقوں کا برسرِ عام بھانڈا چھوڑنے کے رکھ دیا تھا۔ اس نے آئی آر ایسٹنوں کی مکمل تحصیل مع افسروں کے ناموں کے مستند کر دی تھی اور اعلیٰ جنس ایجنسیوں کے اندر کھلی بچاؤی تھی۔ اس کا ہنوت تھا کہ موساد میں خدمات انجام دینے کے دوران نہ صرف اس سے جرمین سلوک وادھا گیا بلکہ ذلت آمیز طریقے سے نوکری سے اس میں کیا گیا تھا۔

اسرائیلی حکومت نے مسکو مل کا یہ مشورہ جنس طرز و مزاج فرار سے نظر انداز کر دیا تھا کہ اور سڑوگی کے برعکس بارے سرکاری رد عمل کا اظہار نہ کیا جائے۔ سن ایب میں وزیرِ اعظم یزہاک سائبر کے ساتھ اپنی منگ میں اخباری دنیا کے نواب نے ماڈرن ٹیچر کے دور کی مثال دئی تھی جب کہ برطانوی حکومت نے M15 کے ایک سابق ایجنٹ ہنری براؤٹ کے برطانوی اعلیٰ جنس ایجنسی کے ہاؤس میں ایسے ہی انکشافات پر مشتمل کتاب کی اشاعت روکنے کی کوشش کی تھی۔ کتاب "سپائی کچر" (Spycatcher) (جاسوسوں کے شکاری) نے برطانوی خفیہ ایجنسیوں میں بھی ایسا ہی پیمانہ پیدا کر دیا تھا۔ کتاب کے آسٹریلوی پبلشر نے برطانوی حکومت کو عدالت میں چھبٹ لیا تھا۔ مقدمہ بازی کے دوران کتاب اور مصنف کی دنیا کے پریس میں آئی پلٹی ہو گئی

رانا اسد سہم کی جاسوسی اور روس کے اندر موجودی اپنی اسے کے جاسوسوں کی رپورٹوں میں بھی شامل نہیں۔ جب موسا کے سربراہ، ماہوم ایڈوینی نے وزیراعظم کو بتایا کہ ان دستاویزات کی مدد سے روسی یقیناً اپنے ملک کے اندر موجود امریکی جاسوسوں کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو شامیر صرف کندھے اچکا کر دیا۔

سکسولہ جی کے ساتھ اپنی میٹنگ میں شامیر نے اسے بتایا جیسا کہ وہ دوسروں کو بھی اکثر بتاتا رہنا تھا کہ وہ دنیا سے امریکن ایڈوینی کو ختم کرنے کے لئے آخری حد تک جاننے کو تیار ہے۔ اس کو پکا یقین تھا کہ اگلی تین دنوں میں اسٹرونگی کی کتاب کی اشاعت کے لئے حوصلہ افزائی کی ہے تاکہ وہ اپنی نوکری سے برہنہ ہونے کا انتقام لے سکے۔

شامیر نے سکسولہ جی سے کہا کہ وہ اسٹرونگی کو بنا دے برہا کرنے کے لئے اپنے مضبوط ذرائع اطلاع کا استعمال کرے۔ سکسولہ جی نے اشارہ اسے بتایا کہ موسا نے اسے نوکری دینے سے قبل یقینی طور پر اس کا چہل چلن چیک کیا ہوگا۔

تاہم اسٹرونگی، سکسولہ جی کے طاقتور میڈیا کے نشانے پر آ گیا۔ اس میں جس ایب کا ایک چیخو اخبار ’سیریب‘ بھی شامل تھا جسے سکسولہ جی نے خرید لیا تھا۔ اس کے اخبارات و جرائد میں اسے خوب اچھا جنونی دودھ گوارا اسرائیلی کاوشن قرار دیا گیا۔

اسرائیلی ایجنسی جس کی کوئی کے جن اہل انٹرویو نے اسٹرونگی کی کتاب کا مطالعہ کیا انہوں نے تاڑ دیا کہ مصنف نے جن چیزوں کا کتاب میں ذکر کیا ہے وہ بڑی حد تک درست ہے۔

نویادک کی عدالت نے اسرائیل کے اس موقف کو رد کر دیا کہ کتاب میں کئے گئے الزام کے افشاء سے اسرائیل کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو گئے ہیں۔ وہ

تاہم مصنف جیسے دنیا میں کوئی نہیں جانتا تھا، سکسولہ جی کے اخبارات کے مٹی پر ویٹینڈ سے سے دنیا بھر میں مشہور اور اس کی کتاب بیٹ سب سے ملے گی۔

جس شخص نے سکسولہ جی کے موسا کے ساتھ خفیہ تعلق کو کشف کیا وہ اسٹرونگی تھا جس ان سے ملے گی جو وہ کہانی بیان نہیں کی۔ اس کا شامیر کے پرانے دوست اور رشتی کار رانی ایجان سے پرانا تعلق تھا۔

دونوں آدمی ایک دوسرے کو 1950ء سے جانتے تھے اور وہ موسا میں شامل ہو کر کیمپ اوڈے اور بیجی کے ساتھ دنیا کے فٹے پر اسرائیل کے قیام کے لئے مصروف عمل تھے۔

1986ء میں یہ شامیر تھا جس نے رانی ایجان کا اس وقت ساتھ دیا تھا جبکہ اسے بے رحم تشدد کا نشانہ بنا دیا جا رہا تھا اور پولاڈ انٹرنز کے سلسلے میں صرف اسے ہی ڈسٹر ایٹھرا کر کہا جا رہا تھا کہ وہ ایسے اہم شخص انٹرویو کا گروپ لیڈر ہے جو کسی اخبار اور انٹرویو کے بغیر ہی من مانی کارروائیاں کرتے ہیں۔

دریغ کوئی کی یہ کوشش اسرائیلی حکومت کی اس چشم پوشی کا قصہ تھی جس کا مقصد اپنے آپ کو جاسوسی کے اس تمام عمل سے بری الذمہ قرار دینا تھا۔ حالانکہ جس سے ایجنسی جس کی کوئی کو بے پناہ فائدہ پہنچا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ سوویت یونین اور سابقہ افریقہ نے بھی بے پناہ فائدہ اٹھایا تھا اسرائیلی حکومت کی مرضی و مشاء سے دونوں ملکوں نے امریکہ کی ان کے خلاف جاسوسی کی سرگرمیوں سے آگاہی حاصل کی تھی۔

تاہم رانی ایجان کے ایمان کو اس کے فرہشت کے سیکڑل میں طوٹ ہونے کے انکشاف سے بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ اس بات سے وہ حیرت و دل شکست اور مایوس ہوا کہ اس کے اپنے ساتھیوں نے حمارا الزام کیسے کے سر پر ڈالنے کے لئے تمبا چھوڑ دیا لیکن اس کہہ میں

بہت سے دیگر منصوبوں کی طرح وہ اس منصوبے کے لئے بھی کئی اور کی اختراعات با ایجادات کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خود پسندی آئندہ اسے صرف تازی اور اولف وضمین کے شکاری کے طور پر ہی یاد رکھا جائے بلکہ کئی اور ناقابل فراموش کارنامے کی وجہ سے لوگ اسے یاد رکھیں۔ اس کی یہی خواہش اسے رابرٹ میکسویل کے قریب لے آئی اور یہ اس کا ایک فریضی سہمی وعدہ رہا ہی گیا۔

1967ء میں الیکٹرانک ایجادات کا ماہر ولیم ہملٹن دو بنام میں خدمات انجام دینے کے بعد تازہ تازہ امریکہ میں واپس آ رہا تھا۔ دینت نام میں اس نے ایک الیکٹرانک پوشیا قائم کی تھیں جن کی مدد سے دینت کا تک گوریوں کی نفسی دہل کو دیکھا اور بات چیت کو سنا جاسکتا تھا۔ امریکہ میں ہملٹن کو پیش کش کی گئی تھی اس کی بجائے کئی گئی تھی۔ اس کے زہد جو پہلا کام لگا گیا وہ دینت نامی، امریکی، کیپیٹل رائزڈ سٹریٹری کا تھا۔ دینت کا تک گوریوں کے چنام کو پڑھنے، سمجھنے اور ان کے فیصلوں سے تفتیش کرنے میں اس نئے تھیما نے کام بہت آسان بنا دیا۔

یہ وہ دور تھا جب الیکٹرانک کیپٹیکشن، سٹلا میں نیکالومی، ڈائنامک سٹریٹری کی ایجادات کی بدولت انٹیلی جنس اور خفیہ معلومات اسٹیمپ کرنے میں نیز رفتار اور انقلابی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ کیپٹل سٹریٹری میں چھوٹے اور کارکردگی میں بہت بہتر ہو رہے تھے۔ ایسے وسیع و وسع ایجاد ہو چکے تھے جو ہزاروں آوازوں سے کئی خاص غرض کی گفتگو کو ایک کر کے سنا سکتے تھے۔ اسی طرح مخصوص اور مطلوبہ شخصیات کی نصوصوں کی شناخت اور پہچان میں آسانیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ ایسی دیگر وجہیں ایجاد ہو رہی تھیں جن کی مدد سے ایک سرگوشی و جگڑاؤں کو دور رس کر واضح بنا جاسکتا تھا۔ ایسے نئے ادھتے مظر عام پر آ

جاسوں نے مہر کا زامن نہیں چھوڑا اور عام پبلک میں خاموشی اختیار کئے رکھی۔ اس کے وہ سب با اعتماد دوست جو کئی زمانے میں اس کی بیخک میں بیٹھ کر اس کی جاسوسی کی کہانیاں اور اولف وضمین کو پکڑ کر اسراٹکل لانے کا قصہ سنا کرتے تھے، یکدم منظر سے غائب ہو گئے۔ اسراٹکل کی طرح اپنے اوپر خود مصلحت اور ہوشیاری سے

سائے سڑیٹ میں واضح اعلان کے گھر کے دروازے پر لگی گھنٹی کو بجانے کے لئے بہت ہی کم لوگ آتے تھے یا کچھ کلباز سے بنائی ہوئی اس کی نئی نئی ایجادات کی تعریف کرنے کو مجبور ہوتے تھے۔ وہ گھنٹوں اپنی چھوٹی سی لہو ہکھلانے کی بھٹی کے سامنے اکیلا اور ہنا کھڑا اپنے دماغ میں آنے والی مختلف چیزیں دھارتا، با دہلنگ تاریخ سے تانے لگا تا با دھکنی تے بھٹی میں آگ دہکا تا نظر آتا تھا۔ ان تمام سہرواٹ نے اس کے دماغ میں اپنے ساتھ آمد و رفت سٹریٹری سٹریٹری اور دل جلانے کا وقت ہی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اب کوئی اسکائی چیز ایجاد کرنے یا کارنامہ انجام دینے کی تک زور میں مصروف تھا جس سے وہ اپنا کھوٹا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر کے کھیل میں شامل ہو سکے اور اپنے لئے کچھ روپیہ چھبھی آٹھا کر سکے۔ اس پر جس قدر بھی گند اچھا لگا تھا تھا، ہمتیں اور اجازات لگائے گئے تھے اس کا فیصلہ تھا کہ اپنے ملک اسراٹکل کی خدمت کو تار ہے گا۔

”جب اولیٰ صرف ایک خوبصورت لفظ نہیں ہے، میں محبت دہنی ہوں اور اپنے ملک کی خدمت کو جزو ایمان سمجھتا ہوں۔ سچ یا ظلم، میں ہر اس غرض کے خلاف لڑوں گا جو میرے ملک یا اس کے باشندوں کے لئے خطرے کا باعث بنے گا۔“

ایران گینت میں طوت کے جانے کے ہنگامی دور کے دوران رلفی ایمان نے اپنے مستقبل کے لئے ایک لائبریشن کا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ اس کے زرخیز دماغ کے

امریکہ کا روشن اور اجلا چہرہ نظر آئے گا۔

جب برائن سمران کے دور سے پرتھانواں کی خدمت موساد کے سربراہ رانی آنتان کو بھی ہوگی جبکہ دور اس رفت برٹالیوں کے بدلے ایران کو اسلحے کی فروخت کی گمانی کر رہا تھا۔ اس نے برائن کو اسراٹیل آئے کی رعیت سے دی۔ دونوں میں جلد ہی قریبی غلطی درپہا پیدا ہو گیا۔ برائن اپنے میزبان کے اس کارنامے سے متاثر ہوا کہ آنتان کو اس طرح آٹھ مہینوں کو بروچ کر اسراٹیل لے کر آیا تھا اور آنتان اپنے مہمان کی اس کہانی کے سحر میں مبتلا ہو گیا جو اس نے کینجودہا کی نیز رفتار ترقی اور بہتر معیار زندگی باوے اپنے میزبان کو سنائی تھی۔ برائن نے آنتان کو پراس کی ایجاد بازے بھی بتایا جس نے جاسوسی کی دنیا میں ایک انقلاب کی بنیاد کھدی تھی۔

فلسطین کے طاقتوں صحرانی کتاوے اور غزہ کی پٹی نے میں "انفادو" کے نام سے ایک نئی انقلابی تحریک جنم لے چکی تھی اور ذہنی تیزی اور سرعت سے جوے فلسطین میں پھیل گئی تھی کہ قابض اسرائیلی حکومت بھی بریٹان ہو گئی تھی۔ اسرائیلی آرمی بیٹے زبارو قسطنینوں کو گرفتار کر لی، آئن برنڈ اور مار پیٹ کرتی، ان پر گولیوں برساتی، ان کے گھروں کو جلائی اور چاہ و برباد کر لی تھی، آئی سی انفادو کی تحریک میں شدت پیدا ہو رہی تھی اور دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ میں تحریک کو درست پہنچا رہی تھی۔ ایک بہادر اور جرات مند عرب نوجوان نے خود ساختہ "گھاکڈ" کے ذریعے لبنان کے ساتھ جیبہ و حفاظتی رکاوٹوں کو از کر عبور کیا اور شمالی لیجے کریات شاموتا کے نواح میں لینڈ کیا اور آٹھ بجے کی دہر میں انتہائی مسلح چھ اسرائیلیوں کو بھون جنم واسل کر دیا اور حیدر سات کو شد بد زخمی کر دیا، نسل اس کے کراسٹ ٹوٹ کہا جاتا۔

اس واقعے کے بعد جہاں فلسطینوں کا جذبہ آزادی اپنی انتہا کو چھونے لگا، وہاں اسرائیلی خفیہ داوے

کئے تھے جن کی حد سے گھب اندھیرے میں بھی صاف چہرہ کھا سکتا تھا۔ ایسا نظام وضع ہو چکا تھا کہ ایک مضمون کی حد سے کسی دہشت گرد کو خواہ وہ کوئی حلیہ اور روپ اختیار کر لے، شناخت کہا جا سکتا تھا۔

نہن سال کی ۱۹۵۴ء و صبرج، محنت اور کوشش کے بعد مہلتن ابہا پروگرام تیار کرنے کے قابل ہو گیا تھا جس کی مدد سے سٹیشن کے ذریعے بے شمار لوگوں کی نقل و حرکت کی پوری رہنمائی کی جا سکتی تھی۔ جب صدر رجمن نے دہشت گردوں کو اپنا کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ "مہما کو سکتے ہو لیکن کہیں چھپ نہیں سکتے"۔ تو اس کا اسٹادہ اسی پروگرام کی طرف تھا۔ اس پروگرام کا نام "پراس" (Promis) رکھا گیا تھا۔ مہلتن نے 1981ء میں اس امر سے مستغنی ہو کر اپنا یہ پروگرام پینٹ کروا کے اس کے جملہ جنونی طلبہ اپنے نام دستر ز کو دلنے اور ایک چھوٹی سی کپٹی خرید کر اس کے تحت کام شروع کر دیا۔ کپٹی کا نام "اسٹادہ خانہ" پروگرام کی کامیابی نے جلد ہی اسٹادہ ایک منافع بخش کپٹی میں بدل دیا کیونکہ اس پروگرام کو این ایس اے، سی آئی اے، ایف بی آئی اور دیگر انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اپنی اپنی ضرورت کے تحت استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ امریکہ کے علاوہ دنیا بھر میں کسی کو اس پروگرام کے باوے میں کوئی علم نہ تھا۔

جس دور میں ریگن کیلینج دنیا کا گورنر تھا تو اول برائن وہاں کا سیکرٹری ہیلتھ تھا جو فارسی زبان پر بھی عبور رکھتا تھا، لیکن نے اسے علم دیا کہ وہ کیلینج دنیا کے صحت عامہ کے پروگرام کی طرح کا ایک پروگرام ایران کے لئے بھی تیار کرے (یہ دور وہ تھا جب امریکہ اسرائیل کے ذریعے ایران کو عراق کے خلاف جنگ کے لئے ہتھیار سپلائی کر رہا تھا)۔ منصف بہ تھا کہ اس پروگرام سے ایران کے ساتھ تعلقات میں بہتری پیدا ہوگی اور علاقے میں

نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔

1990ء میں برائن امریکہ سے کل ایب پتیا۔

جہاز کے لیے اور طویل سفر کی محنت اس کے زور چہرے سے ہی عیاں تھی۔ وہ اس بات پر بھی براہم تھا کہ امریکہ کا محکمہ انصاف غلطیوں کے سمجھوں اور بنگ بارکیت کے سوداگروں کے ڈاکروں کی ملک کے اندر باہر منتقلی کا سراغ لگانے کے لیے پراس کی ایک تبدیل شدہ شکل کو استعمال کر رہا ہے۔

راقی اتیان کی چھٹی حس نے اُسے بتایا کہ اُس کا پرانا دوست انتہائی مناسب اور سوزوں وقت پر کل ایب آنا ہے۔ ایک دفعہ پھر اسرائیل کی تمام ختہ و جنبسب آہٹس میں دست درگیاں تھیں کیونکہ فلسطینیوں کی تحریک مزاحمت انفرادہ پنچہ سسٹ پڑنے کے بعد دربارہ پہلے سے زیادہ جوش و جذبے اور شدت کے ساتھ شروع ہوئی تھی۔ اتیان کے خیال میں عربوں کے سرگرم اور نرے جوش رہنماؤں کی مگرانی اور لعل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے براہس بہترین ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا۔

یہ نیا انقلاب جہاں نیز رفتاری کے لحاظ سے دوسرے دنیوں کے لئے حیرانی و پریشانی کا باعث بن رہا تھا وہاں فلسطینیوں اور عربوں میں نئی روح پھونکنے کا زریعہ بن کر رہا تھا۔ مغربی کنارے اور مغزاک پٹی میں اسرائیلی افواج، جنس لہڑاؤں کو گرفتار کر رہی تھیں، مار پیٹ رہی تھیں اور گولیوں سے پھلتی کر رہی تھیں، مزاحمتی تحریک اتنی ہی تیزی پکڑ رہی تھی۔ دنیا بھر کے گمروں نے دکھایا کہ وہ اسرائیلی کس بے روزی ہے۔ ایک فوج فلسطینی لڑکے کے بازو کو ہمارے پھرتے چکر رہے تھے۔ ایک حاملہ فلسطینی عورت کی بے روزی سے پالی کر رہے تھے۔ بہرہ میں چھوٹے بچوں کو اسرائیلی فوجیوں پر پتھر پھینکنے کے جرم میں دانتوں کے تھبت بازو کو لہوان کر رہے تھے۔

تحریک مزاحمت بااتحادہ نے سوئی اقامتہ کے

اپنی ناکامی پر ایک دوسرے پر الٹھیاں اٹھانے اور الزامات لگانے میں اٹھ گئے۔ داخلی تحفظ کی ذمہ دارا جنسی "شن بیت" آرمی کی جاسوس اجنسی امن کو ذمہ دار ٹھہرا رہی تھی اور پھر دونوں کو مسادہ کو ساری ناکامی کا ذمہ دار گردان رہی تھیں کہ اُس نے لبنان سے کوئی پیشگی وارننگ کیوں نہیں دی۔ اسی دوران ایک اور انتہائی سستی نیز واقعہ ظہور پذیر ہو گیا۔ غزہ میں واقع اسرائیل کی سخت ترین حفاظتی جیل سے چھ انتہائی خطرناک عرب دہشت گرد بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس واقعہ کی ساری ذمہ داری موساد نے "شن بیت" پر ڈال دی۔ شن بیت نے یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی کہ جیل سے فرار کی سازش پھر دن ملک تیار ہوئی تھی۔ لہذا اس کی تمام ذمہ داری موساد پر عائد ہوئی ہے۔

ایسے وقت میں جبکہ اسرائیل کی داخلی جنس آجنسیاں آپس میں جہنم جہاز کر رہی تھیں، یورٹیم جیلہ اور کل ایب کی گلیوں میں ہر روز بے شمار فوجی اور پولیسین لگی کے جا رہے تھے۔ حالات سے دلبرداشتہ اور مایوسی دزد و دغا باز پاک راکٹس نے حالات پر قابو پانے کے لئے اعلان کیا کہ میں طاقت، تعداد اور جھٹکی کی پالیسی اختیار کروں گا لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

اسرائیل کی ختہ آجنسیاں عربوں کی تحریک مزاحمت کے خلاف کوئی یکساں پالیسی اختیار کرنے پر متفق نہیں ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف دنیا بھر میں لیوی سکر بنوں پر نظر آنے والے اسرائیلی برہکت اور ظلم و نعد و لی نظر آنے والی تصویروں نے دنیا بھر کے عوام میں اسرائیل کے عارف نفرت و عقارت کے شدید جذبات پیدا کر دیے تھے۔ امریکن ذرائع ابلاغ عمومی طور پر اسرائیل کے عہدہ اور دست گئے جاتے تھے لیکن وہ بھی اپنے عوام کو اسرائیل کا اصلی چہرہ دکھانے پر مجبور ہو گئے جس کی وجہ سے امریکہ نے بھی اسرائیل کو ختہ و تفتیح کا

لیڈروں کو سمجھوڑ کر رکھ دیا۔ فلسطین کی عرب آبادی کو عربی زبان کے محفلوں اور اشتہاروں کے ذریعے جاہلیات دی جاتی تھیں کہ کس وقت اور کس جگہ مظاہرے کریں، دکانیں بند کر کے ہڑتال کریں، اسرائیلی اشیاء کا بائیکاٹ کریں اور رسول انتظامیہ کے احکام ماننے سے انکار کریں۔ دوسری جنگ عظیم میں فرانس پر جرمنی کے قبضے کے بعد کی تحریک عدم امتعت سے یہ تحریک بھی گنتا زیادہ تیز و پرتشدد اور اسرائیلی حکم و بربریت کا شکار ہو گئی۔

اسرائیلی اعلیٰ پینسٹیوٹی میں اپنی عزت اور وقار بحال کرنے کے لئے موساد کے پریٹنجان حال سربراہ ناموم ایڈمونی نے ایک جرأت مندانہ فیصلہ لیا۔ اس نے موساد کے قاتلوں کی ایک ٹیم تیار کی جو بعد گاہ میرا سول بھیجی۔ 14 فروری 1988ء کو ان قاتلوں نے ایک عانتور بم فوس و سٹین کالف فار میں نصب کر دیا۔ یہ کارہ فلسطینی تحریک مزاحمت انتقاد کے سرگرم رہنما محمد سیکر کی ملکیت تھی۔ جس سے ساتھ ہی ذیل فلسطینی تنظیم آزادی کے دو سینٹر رہنما بھی تھے، جنہوں نے یہاں میمان کے المکاروں سے ملاقات کی تھی اور ان کو چھاپی رکھنے کے لئے ایک فلسطینی ڈپارٹمنٹ کئے تھے۔ کار کے بم دھماکہ میں فلسطین کے تینوں رہنما جاگ ہو گئے تھے اور دھماکہ اس قدر زوردار تھا کہ یورپی رینڈ گاؤں کو گونجی تھی۔

گوریلوں نے اسرائیلی افواج کو بے بس کر کے اپنی برتری ثابت کر دی تھی۔ اسرائیلی آرمی کا کام صرف تشدد اور مزید تشدد لگایا تھا۔ یورپی ویڈیو کی طرح تھی کہ اسے نکل نہ صرف انتقاد کی تحریک مزاحمت کو کچلنے میں ناکام ہو گیا تھا بلکہ پروپیگنڈے کے محاذ پر بھی طعن پٹ رہا تھا۔ دنیا بھر کے تبصرہ نگار اور تجزیہ کار اس جنگ کو جدید دور کی "لیڈز" بمقابلہ گولیا تھ کی لڑائی قرار دے رہے تھے۔ جس میں "اسرائیلی ڈیٹیس فوس بمقابلہ فلسطینی جن" کا پہلو دے رہے تھے۔

پاسر عزت نے انتقاد کی تحریک کو اپنے لوگوں کی بددستی اور بے ماری اور اپنی کڑور پڑتی ہوئی گرفت کو مضبوط بنانے اور امیدوں کے نئے چراغ جگانے کے لئے کامیابی سے استعمال کیا۔ دنیا بھر کے ریڈیو سیشنوں اور ٹی وی ٹیکسٹوں پر اس کی آواز گونج رہی تھی کہ یہ سب کچھ اور بھی کی پالیسیوں اور حربوں کی زمیںوں پر زبردستی اپنے کارہ عمل سے۔ اور عرب کو اپنی کر رہا تھا کہ وہ تحریک کی حمایت کریں۔ ایک روز عرفات کو بیت شہر جہاں وہ یہاں کے جذبات یافتہ دہشت گرد گروپ "فداس" سے ملنا پڑا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے مہلک تجربات سے فلسطینیوں کی مدد کریں۔ اگلے روز لبنان پہنچ کر اصطلاح جہاد نامی تنظیم کے رہنماؤں سے ملاقاتیں کر رہا ہوتا تھا۔ عربیت وہ سب کامیابیاں حاصل کر رہا تھا جن کا ہرگز پچھلے برس اسرائیلی تصور تک نہیں کر سکتے تھے۔ وہ سب حربوں کو ایک نئی منصفہ فلسطین کی آزادی پر حربوں کو اٹھا دیا۔ تشدد کر رہا تھا۔ حرب لوگ غربت سے اسے مسٹر فلسطین یا "ہیکٹر سینا" کے عرفی نام سے پکارنے لگے تھے۔

موساد اپنی انتہائی خفیہ کوششوں کے باوجود یہ سراغ لگانے میں ناکام تھی کہ پاسر عرفات کے ہنگامی دورے کی اگلی منزل کون سا عرب دارالحکومت ہو گا اور وہ کس کس نامی لیڈر کو اپنی حمایت پر کھڑا کرنے میں کامیاب ہو

اگلے روز موساد نے ایک اور جہاد سے کہہ کر انہوں کو اپنے ایک مسافر بردار بحری قشتی "سینی جین" نامی اس غرض سے خریدی تھی کہ اسے جہاز کے سینکڑوں لوگوں میں لے جا کر تحریک مزاحمت کی شہادت آنکھوں سے دکھائی جائے۔ موساد کے ایجنٹوں نے ایک حافظہ باز عرب مرتبہ لگا کر تیار کر دیا۔ اس قشتی نے پیرس کے نامکندوں کو چین کی بندرگاہ لے کر جاتا تھا۔

موساد کے اٹا دونوں آہنیشوں سے عرب نوجوانوں کے لازمہ رحمت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سب

جانے گا۔

پروگرام اسے ایک ایسا موقع فراہم کر رہا تھا جس سے وہ ماضی کی کسر بھی پوری کر سکتا تھا اور ان کا مناسب استعمال کر کے اپنی قسمت کو چار چاند لگا سکتا تھا لیکن اپنی تمام عقل و دانش، علم و تجربے کے باوجود وہ کپیز کا ماہر نہیں تھا۔ اس سلسلے میں اس کا علم صرف کپیز کو آن، آف کرنے تک محدود تھا لیکن اس نے ایک مرحلہ تک کلام (سائنسی علوم کا زانا نکھڑا کرنے والی ایجنسی) میں کام کیا تھا لہذا کپیز اور سائنس کے ماہرین تک اس کی رسائی آسان تھی۔

جب ارل برائن واپس امریکہ چلا گیا تو رانی ایٹان نے کپیز کے ساتھ کپیز پروگرام تک کے ماہرین کی ایک چھوٹی سی ٹیم تشکیل دی۔ جنہوں نے پراس کی اسٹک کو اپنے ذہب سے دوبارہ بنا لیا اور اس میں اپنی ضرورت بات کے مطابق زینم و اضافہ کیا۔ اب ان کے لئے پراس ایک خفیہ اور مؤثر ہتھیار کا روپ دھار چکا تھا لیکن اس کی تعقیب کا دعویٰ کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔ رانی ایٹان نے اس کا اسمی نام پراس قائم رکھنے کا فیصلہ کیا کیونکہ ناکیت میں یہ پہلے ہی سہرت حاصل کر چکا تھا۔

ایٹلی، جنس اور اول اور جاسوسی کی دنیا میں کام کرنے والے ایسے افراد جو کپیز، نینٹ لونی، تے کما حفہ ڈاکو، سٹو، ایچ پی، کی، کو کپیز اور چند نینٹ واپانے سکھ کر پراس پروگرام سے ایسی معلومات اور اطلاعات حاصل کر سکتے تھے جو ان کی اپنی باور راستہ بار بار سوزی سے ممکن نہ تھیں۔ پراس ڈسک عام لیسٹاپ میں بھی فٹ کی جاسکتی تھی۔ پھر عام کپیز کی غیر ضروری معلومات اور ڈاٹا سے الگ کر کے اسے صرف جاسوسی کے مقصد کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا لہذا اس کا آپرینٹ کرنا ہر ایک کے لئے آسان تھا لیکن معلومات اور اطلاعات مہیا کرنے کی اس کی رفتار انتہائی تیز تھی۔

بنو بن منائے اس پروگرام کی فریڈ سے پہلے

اس ساری صورت حال اور بہت سے دیگر امور سے رانی ایٹان نے اپنے مہمان ارل برائن کو تفصیل سے آگاہ کیا۔ جواب میں برائن نے پراس کی کارکردگی اور اس صورت حال میں اس کے مؤثر استعمال بارے کچھ باتیں بتائیں۔ رانی ایٹان نے عموماً کہا کہ اگر پراس پروگرام میں کچھ تبدیلیاں کر دی جائیں اور کارکردگی کو مزید بہتر اور تیز رفتار کر دیا جائے تو افغانہ و غریب کے خلاف اسے مؤثر طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے اور اگر اس کا رابطہ دنیا بھر میں موجود بی ایل او کے سترہ دفاتروں کے کپیزوں سے قائم کر لیا جائے تو ہر فرقات کی نگر و دخل اور آئندہ کے پروگراموں بارے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ رانی ایٹان نے اپنے لوبا کھلانے اور کپیز خانے سے مختلف چیزیں بتانے کے کام پر ہمت بھی اور پراس پروگرام کو اپنی ضرورت اور مطلب کے مطابق ڈھالنے کے کام میں بخت گیا۔

کسی دہشت گرد کے رجحان کو سمجھنے کے لئے اب انسانی عقل، دانش اور مطالعے کی ضرورت نہ رہی تھی پراس کی مدد سے اب یہ عمومی طور پر معلوم کیا جاسکتا تھا کہ وہ کہاں اور کب واردات کرے گا۔ پراس کسی بھی دہشت گرد کے کسی بھی ستائنے والے فریڈام کارمزٹ لگا سکتا تھا۔

امریکی ایٹمی جنس کیونٹی میں پراس جیسے نئی، اونٹنی اور انتہائی چیز کا غدار اور استہلال بھیجا رانی ایٹان کو ایک تاریخی اور بااثر شخصیت بنا سکتی تھی لیکن اس کے سابقہ ماضیوں اور ساتھ کام کرنے والوں نے جو ذمہ لگانے تھے وہ بہت گہرے تھے۔ اسے ایک عمومی پیش پر رخا کر بھلا دیا گیا تھا۔ اب اس کی اذیتیں ترجیح اپنے کبے کی دیکھ بھال اور خوشامالی تھی جسے وہ عرصہ دراز تک اپنے کام کی نوعیت کی وجہ سے نظر انداز کرتا رہا تھا۔ پراس

میں حوسا رتے ہڈ کو اڑڑ میں کھینچی رہتی تھی۔ پراس اس سے بھی بڑے کارنامے انجام اے سکتا تھا۔

یہ سسٹم براہ راست اردن کو فروخت کر بائٹن نہ تھا کیونکہ دونوں ملکوں تھے درمیان تجارتی تعلقات کی، وہاں کئی سال دور تھی۔ لہذا براؤن کی امریکن کنبھی "بیلارائن" نے عمان کے ملٹری بیڈ کو اڑڑ سے سوا اٹھے کیا۔ جب انہی براؤن کی کنبھی کے کپیوٹر ماہر بننا یہ سسٹم نصب کرنے کے تو انہوں نے دکھا کر اردنی آرمی اٹلنی جنس کا شعبہ فلسطینی رہنماؤں کی فعلی و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے فراہم کرنے سے ہوئے اسی قسم کے نظام سے کام لے رہا ہے۔ چنانچہ پراس کے ماہرین نے خفیہ طریقے سے فرانسس سسٹم کو پراس سے مربوط کر دیا۔ کل ایسب میں وہاں ایمان نے جلد ہی نتیجہ دیکھ لیا کہ کون سے فلسطینی رہنما اور ان کے لئے ایک کڑ ہے ہیں۔

اب انکا مرحلہ پراس کی فروخت کے لئے میدان بننا کرنے کا تھا۔ اس مقصد کے لئے یاسر عرفات کو خیر بننے کے لئے چنا گیا۔ یاسر عرفات اپنے سکورٹی کے جاننا تھی بہت حساس تھا۔ وہ ہر وقت اپنے پروگرام اور منصوبے تبدیل کرتا رہتا تھا۔ وہ بھی ایک خوابگاہ میں دو افد سے زیادہ نہیں سوتا تھا اور اپنے کھانے کا وقت آخری لمحوں میں تبدیل کر لیا کرتا تھا۔

جب بھی عرفات ادھر ادھر آتا جاتا تھا تو اس کی تمام تفصیل پی آئی او کے ایک خفیہ اور محفوظ کپیوٹر میں محفوظ کر لی جاتی تھی لیکن پراس اس کپیوٹر کے دفاعی نظام کو ناکام بنا کر معلومات ہیک (جراکر) کر کے یہ معلوم کر سکتا تھا کہ یاسر عرفات کس جعلی یا عرفی نام سے اور کس قسم کے پاسپورٹ پر سفر کرتا تھا۔ پراس اس کے فون نمبر حاصل کر کے یہ معلوم کر سکتا تھا کہ اس نے کن نمبروں پر کالیں کی ہیں۔ پھر اس فون پر آنے والی کالوں سے انہیں وہی چیک بھی کیا جاسکتا تھا۔ اس طریقے سے

رائی ایمان اس میں ایک ایسی چپ کا اضافہ کرنا چاہتا تھا کہ فرجدار یا استعمال کنندہ کے ضم میں آنے بغیر ہی ایمان کو اس بانٹ کا پتہ چلا رہے کہ ان سے کس قسم کی معلومات حاصل کی گئی ہیں یا اسے کس مقصد اور آپریشن کے لئے استعمال کیا جا رہا تھا۔

یہ مناشے کیلئے فریڈیا کے ایک ایسے ماہر کو جانتا تھا جو ایک چھوٹی سی کنبھی چلا رہا تھا وہ پانچ ہزار ڈالر میں ایسی مائیکرو چپ تیار کرنے کے لئے تیار ہو گیا جو پراس پر گرام میں خفیہ طور پر نصب ہوگی اور نئے سے نئے سٹر بھی ان کا پتہ نہیں چلا سکیں گے۔ یہ شخص بن مناشے کا بچپن کا دوست اور کاس ٹیلو تھا۔ اس نے خیال میں پانچ ہزار ڈالر میں یہ سوا بہت سستا تھا۔ اب انکا ہر حد ان سسٹم کو نصب کرنے کا تھا۔

پروگرام کو چیک اور ٹیسٹ کرنے کے لئے اردن کا انتخاب کیا گیا کیونکہ ایک نواں کی سرحد اسرائیل سے ملتی تھی وہ ہر سے ان دونوں برائداد کے رہنماؤں کی بہت بنا ہوا تھا۔ وہ سیکر آ کر پناہ دیتے تھے۔ یہیں سے وہ مغربی کنارے اور غزاتی پٹی میں مظارہ سے کرنے والے فلسطینیوں اور عربوں کو اسرائیلی سٹند حملے کرنے کی ہدایات دیتے تھے۔ وڈت گز اسرائیل نے اندر کارروائیوں کے بعد آسانی سے اردنی فوج کی مدد سے سرحد پار کر کے اردن میں آ کر پناہ حاصل کر لینے تھے۔

فلسطینیوں کی خرید و مرامت انفرادی آواز سے پہلے ہی اسرائیل نے اردن کو اپنی نیئی نیئی ایکٹرا ایک ایجادات کے لئے ٹیسٹ گرواؤن بنا رکھا تھا۔ 1970ء میں دنیا کی کپیوٹر تیار کرنے والی مشہور جرمن کنبھی آئی بی ایم نے اردن کی ملٹری اٹلنی جنس کے لئے جو کپیوٹر فروخت کیا تھا اس میں اردن کے ہارٹا انک حسین کے محل میں، رائی ایمان کے مقصد کردہ جاسوس نے ایک چپ لگا دی تھی جس کی وجہ سے اس کپیوٹر کی معلومات اسرائیل

پراس باسمر فزات کی سواملائی نصور پیش کر سکتا تھا۔

وہ اپنے دورے کے باوے میں سکیورٹی اداواروں کو حفاظتی اندازات کے لئے کہہ سکتا تھا اور پراس وہاں کی لوکل پولیس کے کمپیوٹر سے لنک قائم کر کے تمام سطوات آپک سکتا تھا۔ غرضیکہ باسمر فزات کہیں بھی جاتا اپنے آپ کو پراس سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا تھا۔

رانی ایجان کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ نہ تو اہل برائن اور نہ ہی اس کی گھنٹی کے پاس اسنے وسائل ہیں کہ پراس کو یکن الاقوامی سطح پر فروخت کے لئے متعارف کرا سکیں۔ اس کے لئے کسی ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جس کے عالمی سطح پر رابطے، بے پناہ وسائل اور جو سودا بازی کے مگر جانتی ہو رانی ایجان ایکن ایک نئی شخصیت سے واقف تھا اور وہ شخص تھا اراکت میکسول، "مرز" گراپ کا مالک و بھارت۔

میکسول کو آمادہ کرنے کے لئے خود سے بے بہرہ بارغ دکھانے کی ضرورت تھی۔ جب اس نے مخسول کہا کہ پراس کی فروخت سے مال کمایا جا سکتا ہے تو اس نے بتایا کہ اس کے پاس ایک کمپیوٹر تھی ہے جو اس کی فروخت کا بندوبست کر سکتی ہے۔ گھنٹی کا نام تھا "ڈیٹیم کمپیوٹر لمیٹڈ"۔

اور یہ عمل ایسی میں قائم تھی اور پہلے سے ہی موساوی سرگرمیوں میں اپنا کردار ادا کر رہی تھی۔ میکسول نے موسا کو پہلے ہی اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ اس کے ایجنٹ اور مخبر سینٹرل اور جنوبی امریکہ میں مخفی کے برانچ آفسوں کو گھنٹی کے ملازم ظاہر کر کے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔ میکسول نے اب دیکھا کہ پراس کی مارکیٹنگ سے نہ صرف معقول منافع کمایا جا سکتا تھا بلکہ وہ موسا اور آخراک اسرائیل کی نظروں میں مزید بڑھتی اور ہی خواہین سکتا تھا۔

اس کے اسرائیل کے گزشتہ دورے سے موسا کے سربراہ ایڈمونی کو میکسول کے رویے اور طرز عمل سے

قدر سے بیوقوفی اور رنگ حرامی کی بآئے گی تھی جب اس نے کہا کہ اپنی گھنٹی میں ایسی نفسیاتی ماہرین کو بھرتی کرنا چاہتا تھا جو موسا کے دشمنوں کے رمانوں میں جھانک سکیں پھر ان نے خود ہی انہیں ختم کرنے کے ہدف بھی تجویز کرنا شروع کر دیئے۔ اس نے ایڈمونی سے یہ بھی وضاحت کیا کہ وہ موسا کے فاکوں سے ملتا اور ان کی تربیت اور ٹریننگ کا خود مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ ایڈمونی نے اس کی ہن درخواست کو تری، وائلی اور حکمت عملی سے رد کر دیا۔ اس دوران موسا کے اندر بھی میکسول کے بارے سوال اٹھنے شروع ہو گئے۔ کیا میکسول کا دورہ موسا کو اپنے ذہب پر چرانے کا تھا یا وہ اسرائیل کے لئے اپنی خدمات کے بدلے میں کسی نئی حکمت عملی کا آغاز کرنا چاہتا تھا؟ کہا اس کا ذہن غیر متوازن نہیں ہو گیا اور وہ اسرائیل کے لئے کسی نئے مسئلے کا باعث تو نہیں بنے گا؟

لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ میکسول ایک زمین اور نیز طرز سودا باز تھا اور وہ پراس کو لاکھت پیش کا سیب جاسکتا تھا اور موسا کے اس سسٹم کو اجنبی موزر اور مفید بنانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

اس سسٹم کی کئی خریدار اسرائیلی انٹلیجنس ایجنسی تھی اور یہ افشار کو خراجی تحریک کے خلاف ایک موثر ہتھیار ثابت ہو رہا تھا۔ پراس کی مدد سے موسا کے فاکوں کے ہاتھوں اردن کے اندر تحریک حرامت کے کئی رہنماؤں کے قتل کے بعد باقی رہنماؤں نے اردن سے باہر یورپ کے محفوظ مقامات کی طرف بھاگنا شروع کر دیا تھا۔

ایک اہم کامیابی اس وقت حاصل ہوئی جب اتفاقاً کے ایک اہم کماڈر نے دم سے جہاں اس نے پناہ حاصل کر رکھی تھی، ہیرت کے ایک فون نمبر پر کال کی۔ یہ غیر موسا نے پہلے ہی اپنے کوسز میں ایک اہم

کے دوسرے دارالحکومتوں میں ہو۔ ہاتھا۔ یہ مسلم موبائل کے لئے اہم اور ضروری معلومات سمجھا کر رہا تھا۔ 1989ء تک پانچ سو ملین ڈالر کا برائے پروگرام برطانیہ، آسٹریلیا، جنوبی کوریا اور کینیڈا کو فروخت کیا جا چکا تھا۔ یہ رقم شاید اس سے بھی زیادہ ہوئی اگر امریکن سی آئی اے اس قسم کا اپنا نظام دنیا کی اعلیٰ جنس! ایجنسیوں کو فروخت کرتا شروع نہ کر دیتی۔ برطانیہ میں یہ نظام M15 ثنائی آئرلینڈ میں دہشت گردوں کا سراغ لگانے اور سیاسی لیڈروں مثلاً گبری آڈمر کی نقل و حمل اور سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لئے استعمال کیا جا رہا تھا۔

میکسکو میں پناہ پر وگرام پولینڈ کی اعلیٰ جنس ایجنسی یو بی کو بیٹے میں کامیاب رہا تھا جس کے بدلے میں بنی مناشے کے مطابق پورے موبائل کوٹک 29 چرانے کی اجازت دی تھی۔ اس سے نکل اڑیں عراقی ملک چوری کرنے کے آریٹن کی بار تازہ ہوئی تھی۔ چھٹس اعلیٰ جنس ایجنسی یو بی کے گڈانک آفس کے ہمارج ایک جنرل نے پبلسٹی کی تھی کہ ورسک 29 کو اپنے سٹاک ہائے کا کارڈ ناقابل استعمال قرار دے کر ہائٹ آف کر دے گا بشرطیکہ اس کے شیڈیڈ میں موجود سٹی بینک کے اکاؤنٹ میں ڈیک لینڈ اور بیج کر اوبے جائیں حالانکہ یہ فائزر جیٹ ہائل تھا مگر رقم عرصہ پہلے ہی روسی ٹیکسٹری سے بن کر ڈیا تھا۔ اس جہاز نو اور میڈیا کا روز دہی مشنری قرار دے کر ڈیوں میں بند کر دیا گیا اور کسی ایسی گورڈن کر دیا گیا۔ وہاں اسے روارہ جوڈ کو امریکن ائرفورس نے اس کی ٹیسٹ پروازیں کیں اور اسرائیلی ہاتھوں نے شام کے ایسے جیٹ فائزروں کے مقابلے کی ٹریننگ حاصل کی۔

تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے اس ملک 29 کی چوری کا سراغ لگا لیا۔ روس کی طرف وارسا ٹیٹ کے ممالک کو سہلائی گئے تھے جہازوں کی معمولی ٹیٹا

ساز کے نبر کے طور پر فیڈ کر رکھا تھا۔ روس سے کال کرنے والا شخص ہم سارا سے ایجنٹوں میں ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ موبائل پر اس کے استعمال سے بیروت اور روس کے تمام زہول ایجنٹوں کے دفتر کھنگال ڈالے تاکہ دونوں افراد کا سفری پروگرام معلوم کیا جاسکے۔ بیروت میں مزید چیکنگ سے معلوم ہوا کہ ہم سارا نے اپنے گھر میں ایشیائے ضراب یہ میا کرنے والوں کو چیزوں کی سہلائی سے روک دیا ہے۔ پراسس کی مزید ریسرچ سے پتہ چلا کہ ہم سارا نے اپنی ادا کی جہاز سے روڈ کی آخری لمحات میں سنسور کر دئی تھی تاہم اس سے اس کی جان بچ نہ سکی۔ بیروت اور بیروت کی طرف جانے ہوئے وہ ایک کار بم دھماکے کا شکار ہو گیا۔ اس سے رکھ کر وہ بیروت میں اغواء کما پٹر ایک روڈ ایکسپلوزنٹ میں مارا گیا۔ اسے مل کر مارنے والی کار بجائے حادثہ سے غائب ہو گئی۔

اس دوران موبائل پراسس کی مدد سے کسی دوسری اعلیٰ جنس کی معلومات چرانے کی کوشش کرنی رہی تھی اس نے گوسٹے مالا میں اس سکورٹی فور اور مشاہدات کے سنگھروں کے درمیان قرعہ تعینات اور امریکہ میں غشیات کی فروخت کے سراز کا سراغ لگایا۔ سنگھروں کے نام اور دیگر معلومات موبائل نے ڈرگ انفر ورسٹ ایجنسی (DEA) اور ایف بی آئی کو سہا کر دیں۔

جنوبی افریقہ میں اسرائیلی سفارتخانے میں تعینات موبائل کے ایک ایجنٹ نے پراسس کے استعمال سے ملک کی آن کا عدم انقلابی تنظیموں کا سراغ لگایا جن کے ملڈ ایسٹ کے گروپوں سے رابطے تھے۔ وہ ایجنٹوں میں اسرائیلی سفارتخانے میں موجود موبائل کے ایجنٹوں نے نہ صرف پراسس کے استعمال سے دوسرے ملکوں کے کیو بی ایجنٹوں سے مرادیت کے کے جاسوسی شروع کی بلکہ امریکہ کے سرکاری نظام اور مختلف ملکوں کی اعلیٰ جنس کی چوری شروع کر دی۔ اب بھی سب رکھ لندن اور یورپ

بہائے زراعت کے ساتھ بیٹھے۔ میکسو بل نے یہ بھی
 ٹھکانہ سمجھے میں افسر سے پوچھا کہ اس کی گاڑی کے
 آگے پیچھے چلنے والے اسٹورسٹائیکوں کا حفاظتی قافلہ کہاں ہے؟
 تو اسے بتایا گیا کہ ایسا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ اس نے
 استنباطاً افسر کو دیکھی اور وہ فریادیں کرتے کرتے اسے
 ٹوکری سے نکلوا دے گا۔ ٹریفک کے ہر اشارے پر رکتے
 ہی میکسو بل رماڑا اور افسر کو لٹا ڈالنا شروع کر دیتا تھا۔ اس
 نے بے بس اور بے باور دھرم اور افسر پر اپنی لٹا دینے
 ہوئی کے کمرے تک جاری رکھی۔ ہوئی کے شاہی کمرے
 میں اس کی جینز طوائف اس کی خدمت کے لئے پہلے
 سے موجود تھی۔ میکسو بل نے اسے نوادہاں سے بھاگا دیا۔
 اس کے دماغ پر اس وقت اپنی جیسی بھوک مٹانے کی
 نسبت زیادہ اہم قسم کے معاملات سدا تھے۔

لندن میں میکسو بل کی اخباری سلفٹ کے مالی
 معاملات مشکلات کا شکار تھے۔ اگر فوری طور پر سرمایہ مہیا
 نہ ہوا تو اخبارات بند کرنا پڑیں گے۔ ماضی میں وہ لندن
 شہر سے سرمایہ کار ڈھونڈ لیا کرتا تھا لیکن اب سب لوگ
 اس کے گروپ میں سرمایہ کاری کرنے سے ہٹ چکے تھے
 تھے۔ پورے خبریہ کار جنہیں میکسو بل سے ملنے کا
 اتفاق ہوا غنڈہ عسوں کرنے لگے تھے کہ اگر فون دکھانے
 اور پھول پھیلانے کے لئے "ٹیلی ہوائے" کے مالی
 معاملات ڈھروں ہیں اور وہ پہلے ہی کافی کچھ واٹس پر لگا
 چکے ہیں۔ ان دنوں وہ معمولی معمولی باتوں پر غصے میں آ
 جاتا اور دھمکیوں پر اڑتا تھا۔ بٹکوں نے بھی اسے
 ایڈوانس دینے میں پابندیوں عائد کر دی تھی اور اس کی
 ڈیمانڈ پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بٹک آف انگلینڈ اور
 دوسرے مالی اداروں میں یہ افواہ گردش میں تھی میکسو بل
 کی کمپنی میں سرمایہ کاری ٹھکوتی نہیں ہے۔

اس افواہ کی حقیقت دو خبر اسرائیلی رپورٹیں تھیں
 جن میں میکسو بل سے کہا گیا تھا کہ "مروگر ڈپ" "بٹک" "بٹک"

چینگ کے دوران اس چوری کا پتہ چل گیا۔ ماسکو کی
 طرف سے اسرائیل کو سخت قسم کے احتجاج کا سامنا کرنا
 پڑا، ساتھ ہی یہ ممکن بھی کہ آئندہ کے لئے روس سے
 اسرائیل آنے والے بیوروں کا اخلاء روک دیا جائے
 گا۔ اسرائیلی حکومت اور اس کی افسروں، جو اس جہاز کی
 تمام خفیہ تکنیک سے واقفیت حاصل کر چکے تھے، وہاں سے
 اپنے چند افسروں کی غلط حرکت لالچ حرم دہوں اور غیر
 ذمہ دارانہ حرکت پر غلظوں دل سے معافی مانگ لی اور فوراً
 جہاز واپس کر دیا۔ اس دوران یوٹی وی کا جرنیل اپنے
 ڈائریوں کا مزہ اڑانے کے لئے بھاگا کہ امریکہ پہنچ چکا
 تھا۔ امریکن افسروں بھی تنگ جہاز کا سامنا کر چکی تھی لہذا
 انہوں نے پولینڈ کے بھگوٹے جرنیل کو شہریت اور نئی
 شناخت دے دی۔

اس کے فوراً بعد رابرٹ میکسو بل جہاز چکر کر اسکو
 پہنچا۔ بقا ہر اس کا مقصد یہاں تک کہ باپنچرف کا انٹرویو کرنا
 تھا لیکن اصلیت میں وہ روسی انٹیلی جنس ایجنسی کے جی
 ٹی "KGB" کو پراس پینا چاہنا تھا۔ پراس کے اندر
 گئی خفیہ چپ کے ذریعے اب اسرائیل روس کے تمام خفیہ
 منصوبوں اور پروگراموں تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔
 لہذا موساد اور نیٹو واحد خفیہ ایجنسی تھی جو روسی جاسوسی
 نظام سے پوری طرح آگاہ تھی۔

ماسکو سے میکسو بل سیدھا حال ایب آبا۔ از پورٹ
 پر بیٹھ کی طرح اسے کسی طاقتور سکران کی طرح خوش
 آمدید کہا گیا۔ ہوائی اڈے کی تمام ضروری کارروائیوں
 سے سستی و زارتہ خارجہ کے ایک افسر نے اس کا استقبال
 کیا۔

میکسو بل نے زراعت خارجہ کے اس افسر سے بھی
 اسی طرح کا سلوک کیا جس طرح اس کا سلوک وہ اپنے ذاتی
 ملازمین سے کیا کرتا تھا کہ اس کا بیک بستے لے کر اس
 کے پیچھے پیچھے چلے۔ کار میں اس کے ساتھ بیٹھنے کی

ہی اس کے اسرائیلی اخبار "ماریب" کی ایڈیٹیو جوسر
گروپ کے جھنڈے تلے چھپ رہا تھا، میکسویل کی
ضرورت کے لئے کافی تھی لیکن ایک امکان اب بھی
موجود تھا کہ ایب کی ایک کینی سائی ٹیکس کارپوریشن اس
کی ملکیت تھی جو اعلیٰ کوآپنی کے پرنٹنگ کے آلات تیار
کرتی تھی۔ اگر سائی ٹیکس کو جلدی سے فروخت کیا جاسکتا
تو اس سے بے مسئلہ طور پر بہت مل سکتا تھا۔

میکسویل نے سائی ٹیکس کے سبٹراکٹریکنو کو جو کہ
وزیراعظم اسرائیل بڑھاک شامیر کا بھائی تھا اپنے ہوٹل
میں بلا بھیجا۔ ایگزیکٹو نے اسے نوڈی فیر سٹادی کی فرودی
فروخت ممکن نہیں ہے۔ سائی ٹیکس کارپوریشن مارکیٹ
میں سخت مقابلہ بازی کی وجہ سے اپنی مشکلات و مسائل
میں گھری ہوئی تھی۔ یہ مناسب وقت نہیں تھا کہ اسے
فروخت کے لئے بازار میں پیش کیا جائے۔ پھر
کارپوریشن کی فروخت سے بے شمار نخر بے کار اور ہنرمند
کاؤنٹن بے روزگار ہو جانے سے جبکہ اسرائیل میں بے
روزگاری کی شرح پہلے ہی بہت زیادہ تھی اور یہ مسئلہ الگ
سے حکومت کا دوسرا بڑا ہوا تھا۔

اپنی نجات کی اس آخری امید کے دم توڑنے پر
میکسویل کا دل ٹھٹھکیا اور اسی اشنغال ایگزیکٹو تو جن آہستہ آہستہ
موقع عمل کے لحاظ سے اس کا وزیراعظم کے بیٹے پر گر جتا،
برسنا اور اسے لگاؤ نامناسب نہ تھا جس نے اپنے ہاپ کو جا
کر بتا دیا کہ میکسویل اس وقت مالی مشکلات میں پھنسا
ہوا تھا۔ وزیراعظم کو پتہ تھا کہ میکسویل کے موساد کے
ساتھ رابطے ہیں۔ اس نے موساد کے سربراہ ناہوم
ایڈموٹی کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اس نے اپنے
سیکرٹریٹ کی سٹیٹنگ اس بات پر غور کرنے کے لئے بلائی
میکسویل بھی ایک نیا مسئلہ بن گیا تھا۔ کئی تیار جز پر غور کیا
گیا تھا۔

ایک تجویز یہ بھی تھی کہ موساد وزیراعظم سے کہے کہ

کے لئے اس نے جس اصلی سرمایہ کار (سوسا) سے جو
بھرتیا تھا وہ واپس کرے۔ اس سرمایے کی واپسی کے
لئے مقررہ مدت بہت سینے گزر چکی تھی اور اب اسرائیلی
مطلوبے میں زیادہ غنمی آگئی تھی اور دو تسلسل کے ساتھ
اپنے سرمایے کی واپسی کے لئے میکسویل پر دباؤ ڈال دیا
تھا۔ اسی معاملے کو سلجھانے کے لئے وہ اہل ایب آجاتھا۔
اس کا خیال تھا کہ وہ اسرائیل سے مزید سہلت حاصل
کرنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن اس کے آٹا کو مہی
تھے۔ جہاں کی پرواز کے دوران اسے اپنے سرمایہ کاروں
کی طرف سے کئی غصہ بھری نوڈن کاٹیں موصول ہو چکی تھیں
جن میں دھمکی دی گئی تھی کہ وہ معاملہ لندن شہر کی
ریگولٹری باڈی کے نوڈس میں لے آئیں گے۔

یہاں ایک اور معاملہ بھی میکسویل کی چوٹی پر جاتی کا
باعث بن رہا تھا۔ اس نے "لورا" کے ساتھ کی ایک
بہت بڑی رقم چرائی تھی جو اسے سوویت بٹاک کے بینکوں
میں رکھنے کے لئے ایجا اس کے پروڈی گئی تھی۔ اس نے
چوٹی کا بے پیر مرد گروپ کو ترقی دینے کے لئے استعمال
کیا تھا۔ اس نے اپنے ملازمین کے پینشن فنڈ سے بھی
زیادہ رقم چرائی تھی لیکن ان دونوں ذرائع سے چرائی
ہوئی رقم بھی اس کی مفید ضروریات پوری کرنے میں
ناکافی تھی۔

ان چوریوں کا اگر اس کے سرمایہ کاروں جیسے
اسرائیلی غیر نوڈا کو بک دفعہ پتہ لگ جاتا تو اسے بہت سخت
قسم کے انسانوں جیسے رالی ایٹان وغیرہ کی پوچھ بچھ کا
سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ موساد
کے سخت گیر سابق سربراہ سے پتہ آسان نہیں تھا۔

میکسویل نے اپنے ہوٹل کے شاہانہ طرز کے کمرے
میں بیٹھ کر اپنی حکمت عملی ترتیب دینی شروع کی۔ پر اس
کی فروخت سے ذمہ گم تھی سے نکلے والا اس کے حصے کا
منافع بھی اول کی پیشگی کے صل کے لئے کافی نہیں تھا نہ

فیمیں ہیں
(صحنہ)

نے کہا۔ ”کوئی شخص مجھے تکلیف پہنچاتا ہے تو میں اس کے بارے میں غور کرتی ہوں۔ اگر اس کا مرنبہ مجھ سے بڑا ہے تو اس کی بڑائی میرے لئے جواب اپنے میں مانع ہوتی ہے۔ اگر وہ میرا بھرتیہ ہے تو میں اس پر ہر بات کرتی ہوں، اسے جواب نہیں دیتا۔ اگر وہ مجھ سے کم مرنبہ ہے تو میں اس سے مقابلہ کرتی ہوں۔“

میکسوئل سے مل کر اسے اسرائیل اور مومساد کے بارے میں اس کے فرض اور ذمہ داریوں کی یاد دہانی کرائے گا۔ اس رات دونوں مسزین نے رات کے کھانے پر میکسوئل کے ہونٹ کے تھکانے کرنے میں ملاقات کی۔ ان کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی اور کہا گیا کہ طے پا گیا کہ کچھ معلوم نہیں۔ یہ ایک راز ہی رہا لیکن چند گھنٹے بعد ہی رازت میکسوئل اپنے زانی جہاد میں اسے اسباب سے روانہ وہ گیا۔ یہ آخری موقع تھا جب سٹی نے اسے اسرائیل میں زندہ بچھاؤ۔

ادھر لندن میں ایسا دکھائی دیتا تھا کہ تمام مالی پریشانیوں اور دوسرے مسائل کے باوجود مومساد کے اخبارات پڑھنے کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ افریقہ کے درباروں اور مومساد کی طرح نیوزی سے ایک میٹنگ سے دوسری میٹنگ تک میں رضیاء نظر آئے تھا تاکہ مالی مدد حاصل کر سکے۔ دو وقتوں پر آفریقہ میں سٹی نے اپنے مومساد کے بیٹے کو رازت میں ایسا فون کرتا رہتا تھا۔ ان کے درمیان کیا بات چیت ہوتی تھی؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں۔

لیکن بعد ازاں مومساد کے ایک سابقہ ایجنٹ وکٹر اوٹروڈسکی نے کہا تھا کہ اب میکسوئل مومساد سے اپنی خدمات کا صلہ مانگتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے کم از کم اپنی رقم تو ضرور دی جائے یعنی اس نے مراد کے ملازمین کے پیش نظر سے نہیں کی تھی۔ میکسوئل نے یہ بھی تجویز دی

وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اسرائیلی سرایہ کاروں کو نہ صرف طویل عرصے تک انکار کرنے کا کہیں بلکہ اپنا پیسہ اور اثر و رسوخ میکسوئل کو مالی مشکلات سے نکالنے کے لئے استعمال کر رہا۔ یہ تجویز اس جہاد پر رد کردی گئی کہ میکسوئل نے پہلے ہی اپنے چار ماہانہ اور غیر ذمہ دارانہ رویے سے شامیر کو پریشان کر رکھا تھا۔ پھر شخص ہی جانتا تھا کہ شامیر اپنے زانی راز کا بہت خیال رکھتا تھا لہذا اب وہ میکسوئل سے فائدہ بڑھاتا چاہتا تھا۔

ایک اور تجویز یہ بھی تھی کہ لندن میں مبینات مومساد کے ایجنٹوں سے کہا جائے کہ وہ میکسوئل کے لئے ایک ”دام نجات“ کی کج حمایت کریں، ساتھ ہی ساتھ مومساد کے دوست صحافیوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ اخباری دنیا کے نواب کی شان میں ایسے نصیبے لکھیں کہ سنوڈ میں پہلے نواب صاحب کی عزت و تہمت پر حرف نہ آئے۔

ان تجویز کی مثل بھی منڈے سے نہ چڑھ سکی۔ ایڈیٹوری کے پاس لندن کے ایجنٹوں کی ایسی دو کوششیں پہلے ہی آ چکی تھیں جن میں میکسوئل کے ”مومساد“ میں گرواد کے خاتمے کا خیر مقدم اور ”مراد“ اخبار کے صحافیوں کے سوا شاید ہی باہر کا کوئی صحافی ایسے ”نواب“ کی شان میں قصیدہ لکھنے پر تیار ہو سکتا تھا کیونکہ وہ سال با سال تک ذرائع ابلاغ میں باگودھکا تا اور خوفزدہ کرتا رہا تھا۔

آخری تجویز یہ تھی مومساد میکسوئل سے اپنے تمام روابط ختم کر دے۔ اس میں بھی غلطی موجود تھی۔ میکسوئل کا دماغ اس وقت بڑھ چکا تھا اور اس کے آئندہ کے رویے کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ اپنے اخبارات کو مومساد پر مٹوں کے لئے بھی استعمال کر سکتا تھا کیونکہ مومساد کے اندر اس کو جو رسائی دے رکھی تھی (اور اسے مومساد کے بے شمار خفیہ راز جرائم معلوم تھے) ان کے بھانگ نتائج نکل سکتے تھے۔

انخار میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایڈیٹوری

تھی کہ موساد اس کی جگہ پر مورخانی وائٹو کی رہائی اور اسے سیکورٹی کے حوالے کئے جانے کا مطالبہ کرے۔ پھر میکسول وائٹو کو جہاز میں بٹھا کر لندن لا کر خود اس کا انٹرویو کرنا چاہتا تھا جو زلی "مرز" میں شائع کیا جانا تھا۔ انٹرویو ایسا سنسنی خیز کہانی کے طور پر لکھا جاتا تھا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا کہ وائٹو دوبارہ اسرائیل کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہو کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ میکسول کا استدلال تھا کہ اس انٹرویو کی اشاعت کے ساتھ ہی "مرز" کی سرکولیشن میں حیرت انگیز اضافہ ہوا تھا جس کا پتہ ہے ان تمام المانی ہزاروں کے دروازے سیکورٹی پر کھلنے لگتے تھے جو اس وقت اس کی لندن میں جگہ دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

انٹرویو کی یہ تعبیر کرنے میں بالکل بے نیاز کہ میکسول کا یہ پلان اتنا بے پورہ اور بیوقوفانہ تھا کہ موساد نے محسوس کیا کہ میکسول اس کے لئے ایک دھماکا چھوڑتی ہوئی ٹوپ کا روپ دھما چکا تھا جو کسی وقت بھی دھماکا کر سکتی تھی۔

30 ستمبر 1991ء کو میکسول کے گھناہ گئے کا اس وقت اظہار ہوا جب اس نے موساد کے سربراہ ایڈموٹی کو ٹیلیفون کیا۔ اس وقت میکسول کی دھمکیاں ڈھکنے چپے الفاظ کا جامہ پہنے ہوئے نہ تھے۔ اس کی حالی حالت ایک وفد پھر ابتری کی طرف اشارہ کر رہی تھی اور اس کے برطانوی پارلیمنٹ اور ذرائع ابلاغ میں انکوائری اور تحقیقات کے مطالبے کیے جا رہے تھے اور اب اس کے نہایت پیچھے دیکل بھی قانونی نوٹس لگائیں اور رٹ پٹھوں سے اس کا دفاع کرنے سے بے بسی نظر آ رہے تھے۔ ایسے وقت میں میکسول نے حکم کھلا موساد کو دھمکی دے دی کہ موساد نے "مرز" کے ملازمین کے پاس فٹن فٹ چوری کئے تھے وہ وہاں کرنے و دنا اس کے لئے شاید یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ ماسکو میں ایڈموٹی کی والدہ میر گزی چوف، کے بی بی کے سابق سربراہ سے ملاقاتوں کے راز کو ظہیر رکھ سکے۔

کری چوف اس وقت ماسکو کی ایک جیل میں بیٹھا تھا اور شیف کی حکومت کا تختہ الٹنے کی تکنیکی سازش کے جرم میں اپنے خلاف مقدمے کی سماعت کے انتظار میں ملاخوں کے پیچھے تھا۔ سازش کا یہ منصوبہ تھوڑی سی عرصہ تک کری چوف کی ایڈموٹی کے ساتھ میکسول کی ذاتی فزیکل کشش پر ملاقات میں بچرہ آرزو بائیک میں فائل ہوا تھا۔

موساد نے وعدہ کیا تھا کہ ماسکو میں بی بی برسر اقتدار آنے والی حکومت کے استحکام اور منظوری کے لئے اسرائیل اپنا اثر و رسوخ امریکہ اور یورپی طاقتوں پر استعمل کرے گا اور سفارتی تعلقات کی بحالی میں مدد کرے گا۔ اس کے بدلے میں کری چوف روس میں تمام یہودیوں کی رہائی اور اسرائیل بھیجے میں مدد سے گا۔ اگر چہ اس بات حیرت کا نتیجہ تو کچھ نہ نکلا تھا لیکن اس کے انکشاف سے نہ صرف اسرائیل کی سازش ذہنیت بے نقاب ہو جانے کی بلکہ موجودہ روسی اور امریکی انتظامیہ سے تعلقات کے شراب ہونے کا شدید خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔

ڈاکٹر اوسٹروفسکی نے لکھا تھا۔ "یہی وہ لمحہ تھا جب داہمیا بازو کے موساد کے افسروں کی ایک مختصر مشق میں میکسول کا نام اسکا دینے کا فیصلہ کیا گیا۔"

اگر اوسٹروفسکی کا دواوی درست تھا اور اسرائیل کی جانب سے کبھی اس کی زبردستی بھی نہیں کی گئی تو پھر یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ موساد کے ایجنٹوں کا گروپ اپنے اصلی رخ کے افسروں تھی کہ وزیر اعظم ہزاک نیمیر، جو خود بھی موساد کے دستوں کے گل میں شامل رہا تھا کے علم کے بغیر کارروائی کر رہا تھا۔

یہ معاملہ اس وقت موساد کے لئے اور بھی فوری اہمیت اختیار کر گیا۔ جب امریکہ کے ایک کینیڈین تحقیقاتی صحافی سیور ایم ہرش کی کتاب "سمسن آپشن" = اسرائیل، امریکہ اینڈ ہم" منظر عام پر آئی جس میں اسرائیل کے

تعمیر نہیں۔ اوسرونگی کے کہنے کے مطابق:

"اس کے مخاطب نے اسے یقین دلایا کہ معاملات سدھ جائیں گے۔ زیادہ خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔" اسے کہا گیا کہ وہ جہاز میں سوار ہو کر جنیل الطاریق (جبرائیل) آ جائے اور وہاں سے اپنی ذاتی تقریر کی کاپی "لیڈی سسٹین" میں سوار ہو کر اپنے کشتی کے عملے کو "جراز کاناری" تک پہنچانے کا حکم دے اور وہاں ایگلے بیخام کا انتظار کرے۔

راہٹ میکسویل نے ان ہدایات پر عمل کرنے کی یقین دہانی کروائی۔

30 اکتوبر کو چار اسرائیلی مراکش کی بندرگاہ رہا پھرنے انہوں نے بتایا کہ وہ سیاح ہیں اور گہرے سمندر میں چھل کے شکار میں چمپاں گزارنا چاہتے تھے۔ انہوں نے تیز رفتار موٹروائی کشتی کے راستے پر حاصل کرنی اور جراز کاناری کی طرف روانہ ہو گئے۔

31 اکتوبر کو بندرگاہ "سانتا کروز" جزیرہ نیچی ڈالفین پہنچنے کے بعد اس نے دو پہر کا کھانا ہوشی ملیسی میں اکیلی ہی کھایا۔ اس کے بعد ایک آدمی نے ٹھنڈی ٹھنڈی پانی سے کچھ بات چیت کی۔ وہ کون تھیں تھا اور ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟ میکسویل کی زندگی کے آخری دنوں کا ایک راز ہی رہا۔ اس کے فوراً ہی بعد راہٹ میکسویل اپنی کشتی پر واپس آ گیا اور گہرے سمندر کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ ایگلے 30 گھنٹے تک میکسویل کی کشتی، ساحل سے دور، ٹھنڈی جزیروں کے درمیان گھوم رہی تھی۔ اس کی پہلے کبھی آہستہ اور کبھی تیز ہو جاتی تھی۔ میکسویل نے کشتی کے کپتان کو بتایا کہ وہ یہ پہلے کر رہا ہے کہ اس کی اگلی منزل کون سا جزیرہ ہوگی۔ عملے کو یاد نہیں کہ میکسویل فیصلہ کرنے میں تذبذب کا شکار تھا یا نہیں۔

بعد ازاں برطانیہ کے میگزین "پرنس آف" نے ایک خصوصی رپورٹ لکھی "کیسے نوز کیوں میکسویل کو جلاک کیا"

اپنی قوت بننے کی کہانی بیان کی گئی تھی۔ اس کتاب کی اچانک اشاعت موساد کے لئے بالکل اچھے کا باعث تھی اور اس کی کئی جلدیں فوراً نیویارک سے کل ایوب بھگوانی گئیں۔ یہ کتاب بھی اسی پبلشر نے چھاپی تھی جس نے وکٹر اوسرونگی کی کتاب شائع کی تھی، اس میں کافی ریسرچ ورک موجود تھا۔ اس میں ہمیں مزید برہنہ نے میکسویل کے موساد کے ساتھ تعلق کا انکشاف کر دیا تھا۔ اس میں مرمر گردپ کی طرف سے والٹو کی کہانی سے فائدہ اٹھانے، تک ڈیٹیلز، اورا اور اری بن مناشے کے خفیہ تعلقات منکشف کیے گئے تھے۔ ہمیشہ کی طرح میکسویل نے اپنے ہتھیاروں کے ذریعے برہنہ اور اس کے پبلشر کے خلاف دست بچھینیں عداوتوں میں داخل کر کے اپنے آپ کو قانون کے پردے میں چھاپنے کی کوشش کی تھی۔ برہنہ ایک دلیر اور نکل پراہن "انعام یافتہ صحافی تھا، نے منکشف سے انکار کر دیا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں میکسویل اور موساد کے خفیہ رابطوں بارے سوالات اٹھے لگ گئے۔ اس کے باوجود میں جو پرانے شکوک و شبہات تھے وہ پھر مٹانے لگے۔ پارلیمنٹ کے ممبران اب یہ جاننا چاہتے تھے کہ برطانیہ کے اندر موساد جو آپریشن کرتی رہی ہے، میکسویل کو ان کا کس قدر علم تھا؟ وکٹر اوسرونگی کے الفاظ میں:

"میکسویل کے پاؤں کے نیچے کی دھرتی دکھنا (جنانا) شروع ہو گئی تھی۔"

وکٹر اوسرونگی کا دھرتی دکھنا یہ ہے کہ وہ نیویارک سے ایسا منصوبہ بنایا تھا کہ میکسویل کو کچھ مرکز لندن سے دور کسی ایسی جگہ نازا جائے جہاں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ یہ ایسا ہی پلان تھا جیسا کہ منڈلی میں برکا کوہر میں جلاک کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

29 اکتوبر 1981ء کو اسرائیلی سفارتخانہ میڈرو (تعمیر) میں قیامت موساد کے ایک ایجنٹ کی میکسویل کو نیلیون کال موصول ہوئی ہے کہا گیا کہ وہ اگلے روز

تھے۔ اس سے قبل کہ یہ سب کچھ کیا جاتا، میکسویل کے خاندان نے مداخلت کرتے ہوئے مطالبہ کر دیا۔ گوٹ میکسویل کی لاش کو لاپس و احرام کے ساتھ اسرائیل روانہ کر دیا جائے جہاں اس کی تدفین کی جاسکے۔ لیکن کے حکام نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

خاندان کو کسی نے اور کہاں ایسا تواری اور اچانک فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا؟
 10 نومبر 1991ء کو آخری رسومات پر غم کے ملائٹ آف اور لیز پر ادا کی گئیں اور میکسویل کو قومی ہیروز کے قبرستان میں دفن دیا گیا۔ تمام رسومات سرکاری اہتمام سے ادا کی گئیں اور ان میں حکومت اور مخالف پارٹیوں کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ اسرائیل کی کم از کم چھ اسٹیبل جنس ایجنسیوں کے حاضر سرورس اور رینائرڈ سربراہوں نے وزیر اعظم بن ہاک شمیر کا یہ خطاب سنا۔

”اس نے اسرائیل کے لئے وہ کچھ کیا جس کا آج ذکر کرنے سے بھی قاصر ہیں۔“

مجزوہ افراد میں جو لوگ کھڑے تھے ان میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس نے بلیک سوٹ زیب تن کر رکھا اور اس کی روشن کاری شہرت نے اس کی گردن تک چھپا رکھی تھی۔ بہت کی شکل کا یہ آدمی کوئی معمولی شخص نہ تھا۔ پانچ فٹ قد اور بمشکل سو پانچ ڈون کا رخصت غادر ابراہیم تھا جو کوئی معمولی پادری ہی نہیں تھا۔ بنان کے ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہونے والے یہ غیر معمولی شخص پوپ پال کے ساتھ دیکھنے کے رہنمائی بکر ٹریٹ میں کام کر چکا تھا۔ اس کی اس اجتماع میں موجود کوئی میکسویل کو فریج عقیقت پیش کرنے کے لئے نہ تھی بلکہ اس بات کا اظہار ہی کہ اسرائیل اور بنائین میں بڑھتے ہوئے خیر تعلقات فروغ پانچ رہیں۔ یہ نہ مگر یہی ہے کہ مذکورہ لوگ درگ کا کھینچا گیا تھا جس کے لئے کوئی صفحہ تو لکھیں۔

مگر، روحانی کیا کردار آدمیوں پر مشتمل ”ٹیم“ ایک چھوٹی سی رفتار رکھتی تھی۔ رات کی تاریکی کا قلم اٹھاتے ہوئے میکسویل کی ”یاٹ“ تک پہنچی۔ دونوں آدمی بات پر چڑھ گئے۔ انہوں نے میکسویل کو مرثیے کے نچلے حصے میں موجود پایا۔ اس سے قبل کہ میکسویل اپنی کشتی کے محلے کو ود کے لئے دکھارنا دلوں دیوں نے اس پر قابو پایا۔ ایک قائل نے انگلش کے دار پچے اس کی گردن میں ایک بلبہ داخل کر دیا۔ میکسویل کی موت واقع ہونے میں صرف چھ لمبے ہی گئے۔ ”تاکوں نے میکسویل کی لاش کو وہیں چھوڑا وہیں اپنی کشتی میں پہنچ گئے۔ میکسویل کی لاش سولہ گھنٹے تک وہیں پڑی رہی، جب لاش دریافت ہوئی تو اتنا وقت گزر چکا تھا کہ انگلش کی سولی کا نشان تک جلد سے قاتب ہو چکا تھا۔

یعنی طور پر 4 اور 5 نومبر کی درمیانی رات کو موساد کے میکسویل کے ساتھ سٹے مسائل بحر اوقیانوس کے سرز پانڈوں کے نیچے دفن کر دینے گئے تھے۔ بعد میں ہونے والی پولیس کی تفتیش اور تین میں کئے گئے پوسٹ مارٹم سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا اور کسی سوال کا جواب نہ مل سکا۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ اس رات میکسویل کی کشتی کے محلے کے 19 افراد میں سے صرف دو ہی باہر تھے؟ حالانکہ عمومی طور پر پانچ اذکار رات کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ میکسویل بنے اہل اوقات میں کسی شخص کو کئی قیس پیغام بھیجے تھے ان رسالت کی نقول کا کیا پتا؟ محلے کو یہ جانتے ہیں اتنی وہ یہ کہیں گی کہ میکسویل کھڑے پر نہیں تھا؟ انہوں نے میکسویل کی لاش ملنے کے ستر منٹ بعد تک کسی کو اطلاع کیلئے نہیں دی؟ آج کے دن تک ان سوالات کا کوئی قطعی جواب نہیں مل سکا۔

لیکن کے تھیں یہ تھا جو سٹ لاش کے قینی معائنے کے لئے مستحق تھے کچھ تھے وہ لاش کے ضروری اعضاء اور شہرہ کے حوالہ دہی کے لئے بھیج دیا جیسا ہوتا ہے۔